شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بے مثال عارفانہ کلام کی جامع
شرح
کلامِ شاہ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ترجمہ و تشریح
یوسف مثالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح
کلامِ شاہ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بے مثال عارفانہ کلام کی جامع

شرح

کلامِ شاہ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ و تشریح

یوسف مثالی

مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

نام ...... شرح کلام شاہ حسینؒ
تشریح و توضیح ...... یوسف مثالی
ناشر ...... مشتاق احمد
اہتمام ...... سلمان خالد
پروف خوانی ...... ارسلان عادل
کمپوزنگ ...... گل گرافکس
پرنٹرز ...... اسد نیئر پرنٹرز لاہور
اشاعت 2004ء
قیمت ...... 400 روپے

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

انتساب

اپنے والدِ محترم اور والدہ محترمہ

کے نام

جن کی دعاؤں سے میرے اللہ نے مجھے ہمیشہ عزت بخشی

فہرست

پیش لفظ

شاہ حسین کی کافیوں میں زندگی کے معمولات سے معرفت کی طرف کا سفر ہمیں اس حد تک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ ہم اُن کی کافی کے حوالے سے اپنے آپ کو پرکھنے لگتے ہیں۔ یہ خاصیت کسی بھی کلام کے پُر تاثیر ہونے کی مثبت دلیل ہے اور شاہ حسینؒ کی کافیاں اسی لئے ہر دل عزیز بھی ہیں اور عوامی سطح پر پسندیدہ بھی، اور جوں جوں ہم آپ ان کافیوں کی گرہیں کھولنے میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں ایک نئی راہ، نیا پہلو اور نیا پرتو ہمیں مزید دعوتِ فکر دیتا ہے اور یوں ہم آگے ہی آگے بڑھتے ہوئے شاہ حسینؒ کی روحانی پرواز کی تیزی کے معترف ہوتے جاتے ہیں اور ہمارا باطن اس اعتراف سے پوری طرح مطمئن نظر آتا ہے کہ شاہ حسینؒ دنیاوی اصطلاحات سے تصوفانہ معنویت کشید کرنے کے ماہر ہیں ـــــ اسی وسیلہ سے اُنکے کلام میں عمومی تلازموں کی بہتات ہے جو ہر قاری کو اس حد تک اپنا قائل کر لیتے ہیں کہ اُن کی گونج ذہن و دل کے گوشوں میں گونجتی رہتی ہے اور شاہ حسینؒ کی کافیاں اور اُن کا قاری آپس میں اس طرح گُندھ جاتے ہیں کہ ان کو علیحدہ کرنا مشکل دکھائی دیتا ہے ـــــ یہ تمام عمل باطنی حوالے سے معرفت ہی کی ایک سطح قرار دیا جا سکتا ہے جو شاہ حسینؒ کی طرف سے اُن کے قاری میں سرایت کرتا ہے!

سوچیئے! اگر مندرجہ بالا کیفیات طاری نہ ہوتی ہوں تو پڑھنے والا اس حد تک متاثر نہیں ہو سکتا کہ وہ سالوں سال ان کافیوں کو یاد رکھے، گنگنائے اور پھر ان کی ترسیل کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے آئندہ نسل کو سونپ دے، یہ طریق کار شاہ حسینؒ کی فنی تخلیقات کے لمحے سے اب تک صرف اسی لئے جاری و ساری ہے کہ شاہ حسین ایک اعلیٰ، مضبوط اور بلند

پایہ صوفی شاعر ہیں۔

صوفیانہ معراج عجز سے شروع ہوتی ہے اس لئے شاہ حسینؒ اپنی ہر کافی میں مقطع کی حیثیت سے آنے والے مصرع میں عجز کا دامن نہیں چھوڑتے * جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی نگاہ میں اپنے آپ کو بار بار عجز کے وصف سے ہم آہنگ کرتے ہوئے دراصل خود کو اُس یقین کی سطح پر لانا چاہتے ہیں جس سے وہ کسی بھی طرح عجز وانکسار کے احاطے سے باہر نہ ہوں علاوہ ازیں یہ خیال بھی ذہن میں اُبھرتا ہے کہ شاہ حسینؒ اپنے محاسبے کے طور پر اور کہیں کسی چُوک کا اندیشہ نہ سر اُٹھائے، کو روکنے کی غرض سے ہر پل اس بات کا دھیان رکھے ہوئے ہیں کہ جو شے بندے میں سب سے اعلیٰ ہے اور اللہ کے حضور مقبول ہے اس سے ہمیشہ کا ربط رہے جس کی تصدیق کے لئے آپ شاہ حسینؒ کی کوئی بھی کافی ملاحظہ فرما سکتے ہیں سر دست بندہ کو ایک کافی پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔

گھُم چرخویا! کتن والی جیوے، نلیاں وٹن والی جیوے
بڈھا ہویوں شاہ حسینا، دندیں جھیراں پئیاں
اُٹھ سویرے ڈھونڈن لگوں، سنجھ دیاں جو گئیاں
ہر دم نام سمھال سائیں دا تاں توں اُستھر تھیویں
چرخا بولے سائیں سائیں، بائڑ بولے توں
کہے حسین فقیر سائیں دا، میں ناہیں سبھ تُوں!

اس کافی کے حوالے سے ایک بات اور بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ شاہ حسین کی اپنی سادگی اُنکے کلام کی سادگی میں کس طرح منتقل ہوئے ہوتے پُرکاری سے ہوتے ہوتے پُرکاری سے مرصع ہو جاتی ہے آگے چل کر آپ مزید محاسن سے لطف اندوز

* شاہ حسینؒ اپنی کئی کافیوں میں عجز کی تلقین بھی کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کے محاسن سے روشناس ہونے کا درس بھی دیتے ہیں۔

ہوں گے اور شاہ حسینؒ کے ذہن و دل میں چُھپے لاتعداد پرتو اُن کی ایک ایک کافی میں جلوہ افروز دیکھیں گے جو آپ کو عین آپ کے ظرف کے مطابق لطافتیں مہیا کریں گے۔ اور امکان غالب ہے کہ آپ ایک ایک کافی کو متعدد بار پڑھیں گے اور ہر بار نئے زاویے سے محظوظ ہوں گے یہی خاکسار کی محنت کا ثمر ہے!

یوسف مثالی

لاہور ——— پاکستان

سوانحی خاکہ*

شاہ حسینؒ 1538ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اندرون ٹکسالی گیٹ رہائش پذیر رہے پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا جو کپڑا بننا تھا۔

درویش شیخ بہلول سے کسب فیض کیا اور اُنہیں کی ہدایت پر دن کا وقت حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے مزار پر گزارتے اور رات بھر دریائے راوی کے پانی میں کھڑے ہو کر تلاوتِ قرآن مجید فرماتے ——— چونکہ حافظ قرآن بھی تھے اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک ہی دن میں قرآن پاک ختم کر لیا کرتے تھے۔

36 سال کی عمر میں عطائے خداوندی سے شعور کی مکمل پختگی نصیب ہوئی تو اُنکے سامنے دنیا کا پول کُھل گیا اور زندگی کھیل تماشا محسوس ہونے لگی پس یہیں سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے گہرے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور کرامتوں کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔

اکبر بادشاہ کا خاندان اور ارد گرد کے لوگ شاہ حسینؒ کے درویشانہ اوصاف کے قائل ہو گئے اور شہزادہ سلیم جہانگیر نے اپنے ایک خادم بہار خان کو شاہ حسینؒ کے بارے میں لکھنے کی ہدایت کی بہار خان نے "بہاریہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو شاہ حسینؒ کے بارے میں پہلی تاریخی دستاویز ہے مگر افسوس کہ یہ دستاویز صدی ڈیڑھ صدی سے نایاب ہو چکی ہے۔

شاہ حسینؒ نے 63 سال کی عمر میں 1601ء میں وفات پائی۔

چونکہ شاہ حسین نے اپنے احباب اور عزیز و اقارب کو وصیت کی تھی کہ مجھے شاہدرے میں دفنایا جائے، تیرہ برس بعد میری قبر دریائے راوی کے سیلاب سے تباہ ہو جائے گی بعد میں مجھے بابو پورہ حالیہ باغبانپورہ میں دفن کیا جائے لہٰذا ایسا ہی ہوا اور آج اُنکا مزار باغبانپورہ میں موجود ہے۔

---

* ''شاہ حسین دی حیاتی'' از شفقت تنویر مرزا، سے اخذ کردہ چند سطور کا اُردو ترجمہ۔

(1)

ربّا میرے حال دا محرم تُوں

ربّا میرے حال دا محرم تُوں

اندر توں ہیں، باہر توں ہیں، روم روم وچ تُوں

توں ہیں تانا، توں ہیں بانا، سبھ کجھ میرا تُوں

کہے حسین فقیر نمانا، میں ناہیں سبھ تُوں!

الفاظ و معنی:

محرم ——— جاننے والا، آشنا، واقف

روم روم ——— رونگھٹے، مسام، لُوں لُوں (مراد وجود کے ہر حصے میں)

تانا ——— کسی بھی کپڑے میں لمبائی کے رخ پر دھاگے کی بُنت

بانا ——— کسی بھی کپڑے میں چوڑائی کے رُخ پر دھاگے کی بُنت

نمانا ——— مسکین، عاجز

ترجمہ:

مرے اللہ تو میری ہر حالت سے واقف ہے میرا باطن میرا ظاہر دونوں ترے سامنے ہیں یعنی تری ذات میرے روئیں روئیں میں سما چکی ہے۔ اور تو ہی میرا لباس بھی ہے جو نہ صرف میرے ظاہر کی پردہ داری کرتا ہے بلکہ میرے باطن کا بھرم بھی رکھے ہوئے ہے۔ اور جب میری کل ہستی میں صرف تُو ہی تُو ہے۔ تو پھر ایک عاجز کے اپنے وجود کا احساس کہاں باقی رہتا ہے۔

تشریح:

قدرت سچ مچ خوبصورت ترین ہے۔ ہم آپ جدھر بھی نگاہ اٹھائیں اللہ پاک کی خوبصورت کائنات کا نظارہ ہماری روح کو تسکین سے ہم آغوش کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے اور یوں ہمارا باطن جو اللہ تعالیٰ کے حسنِ لازوال کی ایک جھلک سے مزین ہوتا ہے وہ ہمارے اردگرد پھیلی بیرونی خوبصورتی کا حوالہ بن جاتا ہے اور جب کوئی دوسری شے کسی شے کا حوالہ بن جائے تو پہلی چیز اپنی حیثیت کھو بیٹھتی ہے اور صرف اپنے حوالے کے طفیل ہی جانی جاسکتی ہے، جہاں کہیں بھی اس کا ذکر ہوگا اُس کے حوالے سے ہوگا، گویا اصل شناخت محض حوالہ رہ جاتا ہے اسی طرح اس کافی میں شاہ حسینؒ نے اپنی ہستی کے اصل حوالے کی بات کی ہے جو رب العزت کی ذات ہے —— اس کیفیت کا اظہار اس پیرائے میں ہونا بھی قدرت کی خاص عطا ہے کہ اس کے لئے پہلے اپنے آپ کو اُس ذات، جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے میں سمونا اور پھر اُس کے رموز سے آشنا ہونے کی منازل طے کرنا اور پھر اپنے جذبات و محسوسات کو ایسے لفظوں میں پرونا جو نہ صرف ذاتی تسکین کا باعث ہوں بلکہ سننے پڑھنے والوں کی روحانی رہنمائی کا بھی فریضہ ادا کر رہے ہوں ہر کسی کے بس کی بات نہیں، بہ الفاظ دیگر یہ وہ مقام ہے جہاں ہر لفظ ہُوک کا اثر رکھتا ہے، اور صوفیائے کرام نے اسی مقام کے حصول کے لئے اپنی زندگیاں صرف کی ہیں اور اپنے کلام میں جگہ جگہ اس کا اظہار بھی کیا۔

اسی سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے بلھے شاہؒ کا انداز جو اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کی صفات بھی بیان کرتے ہیں اور اپنی کیفیات کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

ل ۔ اللہ دل رتا میرا
میتوں ب دی خبر نہ کائی
ب پڑھیا کجھ سمجھ نہ آوے
الف دی لذت آئی

ع تے غ دا فرق نہ جاناں
ایہہ گل الف بجھائی
بلھیا! توں الف دے پوڑے
جیہڑے دل دی کرن صفائی

الف جو اللہ کے ذاتی اسم مبارکہ کا پہلا حرف، اول، ابتداء ازل ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہنے والی ذات ہے، ہم سب کا پالنہار، ہم سب کا خالق جس نے اپنے بندوں کو اُن کے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ان اعزازات سے نوازا کہ وہ اپنے رب کو جان سکیں، پہچان سکیں اور اُس کے عطا کردہ محاسن سے اُسی کی پیدا کردہ مخلوق کو فیض یاب کریں۔ مگر باوصف اس مقام کی عطا کے صوفیا نے اپنی اپنی بساط یا حدود کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ شاہ حسین اپنی مندرجہ بالا کافی میں اسی حقیقت کا انکشاف کر رہے ہیں اور اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو بلھے شاہ بھی اپنے الفاظ میں انہیں خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوفیا کی منزل تو ایک ہے راستے الگ الگ۔ الگ الگ راستوں سے الگ سوچیں ہرگز مراد نہیں یا تضاد ہرگز مراد نہ لیا جائے۔

(2)

چرخہ میرا رنگڑا رنگ لال

چرخہ میرا رنگڑا رنگ لال

جے وڈ چرخا تے وڈ مُنے
آون کہہ گیا یاراں پُنے
سائیں کارن لوئن رُنے
رووے ونجایا حال!

جے وڈ چرخا تے وڈ گھمائن
سبھے آئیاں سیس گندائن
کائی نہ آئی آ حال ونڈائن
کائی نہ چلدی نال!

وچھے کھادا گوہڑا واڑا
سبھو لڑدا ویڑھا پاڑا
میں کیہ پھیڑیا ویڑھے دانی
پئیاں میرے خیال!

جے وڈ چرخا تے وڈ پچھی
ماپیاں میرے سر تے رکھی
کہے حسین فقیر سائیں دا
ہر دم نام سنبھال!

الفاظ و معنی:

رنگلا ـــــ رنگین ۔رنگ دار

جے ـــــ جتنا

وڈے ـــــ بڑا

مُنے ـــــ چرخے کے ستون، پینڈا

باراں ـــــ بارہ (12)

پُنے ـــــ گزر گئے، بیت گئے، پورے ہو گئے

لوئن ـــــ آنکھیں

رُنّے ـــــ روتی ہیں

سائیں ـــــ رب، مالک

ونجایا ـــــ تباہ و برباد کرنا۔خراب کرنا

گھمائن ـــــ چرخے کا چکر

سیس گندائن ـــــ بال سنوارنا

کائی ـــــ کوئی

حال ونڈائن ـــــ دکھ درد بانٹنے

وچھے ـــــ گائے کا بچھڑا

گوہڑا ـــــ روئی کا گالا جو کاتنے کے لئے بنایا جاتا ہے

واڑا ـــــ چار دیواری۔حد بندی، گھیری ہوئی جگہ

ویڑھا پاڑا ـــــ اپنے اور ارد گرد کے لوگ یعنی گھر والے اور ہمسائے

پھیڑیا ـــــ نقصان کیا

چاکری ـــــ نوکری

ترجمہ:

اس کافی میں شاہ حسینؒ نے چرخہ کو اپنا آپ قرار دیا ہے اور چرخے کی ایک ایک چیز کو زندگی کی مختلف قدروں سے تعبیر کیا ہے۔ اور خالق حقیقی جو کائنات کا مالک ہے اُس کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کا تذکرہ انتہائی خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ ان ذمہ داریوں کا پورا کرنا اور دنیا کی آلائشوں سے بچنا ایک ایسا عمل قرار پاتا ہے جو زندگی کے حسن کو نکھارتا ہے اور یہ نکھار رب العزت کی نگاہ میں قابل تحسین ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام اعلیٰ صفات کی مالک ہے اس لئے اپنے بندے میں جب کوئی صفت جو صرف اور صرف اس کے کرم سے عطا ہوتی ہے، پائی جاتی ہے تو وہ بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ مخلوق میں شامل ہو جاتا ہے ایسی مخلوق جو اپنے رب کے لئے کام کرتی ہے اس کی عبادت گزار ہے اور ہمہ وقت اُس کی حمد و ثنا اور اُس کی طرف سے ودیعت اور سونپے گئے فرائض کی ادائیگی کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے نیک اعمال کی حفاظت بھی ایک بڑی ذمہ داری ہے اور نہ صرف ذمہ داری ہے بلکہ ایک مشکل ترین کام بھی ہے جسے پورا کرتے رہنے میں ہی عافیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی اللہ والے بلاشبہ ہمہ وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنے ہر عمل کے جواب دہ ہیں ان کے مقابلے میں عام آدمی مادہ پرستی اور دیگر امور زمانہ میں اس قدر گم رہتا ہے کہ اُسے اپنے کئے اور نہ کئے کی ہوش باقی نہیں رہتی اور وہ اپنے معاملات کو ہر ایسے کام پر ترجیح دینے میں مصروف رہتا ہے جس میں بظاہر اُسے کوئی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔

تشریح:

جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ شاہ حسین نے اس کافی میں اپنے آپ کو چرخہ قرار دیا ہے اور اس چرخے کی مجازی خوبیاں جو ہماری نگاہ میں ہیں وہ بھی ایک ایسا تسلسل ہیں جو بالآخر ایک ایسے مقام پر لے جاتا ہے جہاں حقیقی پہلو خود بخود نمایاں ہونے لگ جاتے ہیں۔ اور یہی تسلسل اپنی کارکردگی کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے

نزول کا سبب پیدا کرنے کی واضح دلیل بن جاتا ہے۔

شاہ حسین کی اس کافی کی جھلک کو بابا فرید گنج شکرؒ کے اشلوک کے پیرائے میں دیکھئے اور اپنے دل و روح کو معطر فرمائیے۔

سبحان اللہ کیا خوبصورت انداز ہے۔ فرماتے ہیں۔

چار گوائیاں ہنڈ کے چار گوائیاں سم
لیکھا رب منگیسیا توں آیوں کیہڑے کم!

ملاحظہ فرمایا آپ نے بابا فرید گنج شکرؒ اپنے اس اشلوک میں ہمیں یہی سبق دیتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کو ادھر ادھر کے کاموں میں یا سو کر گذار دیتے ہیں اور باری تعالیٰ کی عطا کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو پورا کرنے سے ہچکچاتے ہیں تو ہم اپنے خالق حقیقی کو کیا جواب دیں گے کیا بتائیں گے کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے۔ ہم نے کوئی بھی ایسا کام نہیں کیا جو ہمیں تیری قربت اور سُرخروئی نصیب کر سکے۔

سرِ دست جو کام آج ہم اپنے لالچ، آرام اور آسائش کے لئے کر رہے ہوتے ہیں در اصل وہ ہمارے لئے مثبت اثرات مرتب نہیں کرتے اور ہماری کارکردگی جو بظاہر اچھائی نظر آ رہی ہوتی ہے اپنے اندر بے شمار ایسی آلائشیں سمیٹے ہوتی ہے جو ہماری آئندہ کی زندگی مراد دائمی زندگی میں ہمارے لئے نیک فال نہیں۔ اور

"کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا!"

(3)

میں ساجن دی گڈی!

نی اسیں آؤ کھڈاہاں لڈی
نُوں تار ڈور گڈی دی، اسیں لے کراہاں اُڈی
ساجن دے ہتھ ڈور اساڈی، میں ساجن دی گڈی
اس ویلے نوں پچھوتاسیں، جا پوسیں وچ کھڈی
کہے حسین فقیر سائیں دا، دُنیا جاندی بڈی

الفاظ ومعنی:

کھیڈ ہاں ـــــ کھیلیں
لڈی ـــــ پنجاب میں کیا جانے والا مشہور رقص جس میں نوجوان لڑکیاں اور لڑکے دونوں حصہ لے سکتے ہیں عام طور پر شادیوں میں بھی اسی رقص کو کیا جاتا ہے اور چٹکی تالیاں یا ڈیڑھ دو فٹ کی چھڑیاں ہاتھوں میں تمام کر بجائی جاتی ہیں اور ایک ردھم پیدا کر کے رقص کو دلکش بنایا جاتا ہے
نوں تار ـــــ نو حواس۔ نو راستے، سوراخ، انسانی قوا یعنی دو آنکھیں، دو کان دو ناک کے نتھنے ایک منہ ایک پاخانے اور ایک پیشاب کا سوراخ
کھڈی ـــــ قبر
بڈی ـــــ ڈوبی

ترجمہ:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں ہمیں اپنی طرف بلا رہے ہیں یہ کہنے کے لئے کہ آؤ ہم سب مل کر لڈی کھیلتے ہیں یعنی اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جس کے قبضے میں ہمارے نو حواس کی ڈور ہے اور جو ہمیں گڈی کی طرح اڑا رہا ہے اس سے پہلے کہ ہماری اُڑان ختم ہو جائے ہم اپنی زندگی کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھیں اور موت کی آغوش میں جا لیٹیں قبر ہمارا ٹھکانہ بن جائے اور اپنے گناہوں کے سیلاب میں ہم غرق ہو جائیں۔ آؤ اپنی نجات کے لئے کچھ کرلیں اپنے خالق کی نعمتوں کا شکر ادا کرلیں اُس کا ذکر کرلیں اُس کی عبادت کرلیں کہ ہم اُس کے پاس جا کر اُس کی رحمتوں کے سائے میں آنے کے اہل ہو سکیں۔

تشریح:

شاہ حسین کے ہاں ہمیں جا بجا تجربات و مشاہدات کا جو مربوط انداز ملتا ہے وہ اُن کی کافیوں کو وسعت بخشنے کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر لانے کا ایک ذریعہ بھی ہے اور کافی کو مقبولِ عام ہونے میں مدد دیتا ہے مگر ان میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ دیکھنا ہوتا ہے کہ تخلیق کے تجربات کی شدت کی سکیل کیا ہے اور مشاہدات کی آمیزش کا گراف کیا ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب تخلیق کار انسانی زندگی کو انتہائی باریک بینی سے دیکھنے اور خواہشات کو اُس پر نافذ کر کے مختلف تجربات کرنے کا اہل ہو——صوفیا کرام نے اپنے اپنے انداز میں یہ تجربات کئے، اور اُن تجربات کی روشنی میں ہمارے لئے ایسی راہیں متعین کیں جو ہماری بھلائی اور بہتری کی طرف جاتی ہیں اب ہم نے کس حد تک ان سے استفادہ کیا یہ ہمارا اپنا ظرف ہے۔ بہر کیف شاہ حسین کا انداز ہماری سوجھ بوجھ کے نزدیک تر ہے جس سے اُن کی کافی کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو وہ ہماری بات کرتے ہیں ہمارے اُن جذبوں کے ترجمان ہیں جو عرصہ سے نظر انداز کئے گئے ہیں اور ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں ہمیں کیا کرنا چاہئے ہم اپنی مرضی سے کیا کرنا چاہتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں ہماری ڈور ہے جو ہمیں ایک پتنگ کی

صورت اُڑاتا ہے ہم اُس کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آن پہنچے گا جب ہمیں قبر میں اُتارا جائے گا اور ہمارے دونوں ہاتھ ہمارے نیک نامہ کی بجائے ہماری بُرائیوں، غیر ذمہ داریوں، فرائض کی تکمیل سے غفلت اور نجانے کن کن گناہوں، کوتاہیوں اور خطاؤں سے بھرے ہونگے اور ہم اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے شرمندہ ہونگے کہ وہ تو ہمیں ہر شے نوازتا رہا، اپنی رحمت اور فضل وکرم سے ہماری خطاؤں کو درگزر کرتا رہا۔ مگر ہم نہیں ٹلے اور خطاؤں کے انبار لگانے میں کسی قسم کے تساہل سے کام نہیں لیا۔ زندگی کو اُس انداز میں گزارا جو ہمارا نہ تھا۔ اور جان بوجھ کر اپنی عاقبت خراب کی ——— مگر اُس وقت جب ہمارے پاس سوائے افسوس کے کچھ نہ رہ جائے گا تو پھر تصور میں لایئے کہ ہمارا اپنے رب کے سامنے کیا مقام ہوگا۔ ہم جو اُس کے بندے ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں اُسی کا دیا کھاتے ہیں اُسی کے رحم وکرم سے اپنے تمام معمولات ولوازمات سے اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ یقیناً ہم ربِ کائنات کی محبتوں کے اہل نہ ہوں گے اگر ہم نے اُس کی عبادت اُس کا شکر اور اُس کے ارشادات سے اپنے آپ کو بچائے رکھا ———

شاہ حسینؒ اپنی اس کافی میں ہمیں یہی سبق دے رہے ہیں کہ ہم اب بھی سنبھل جائیں اب بھی وقت ہے کہ اُس کے لئے بھی کچھ کریں جس کی طرف ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے ہماری ڈور اُسی کے ہاتھ میں ہے اور ہم ایک گڈی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

(4)

بھٹھ پئی تری چٹی چادر

دل درداں کیتی پوری نی، دل درداں کیتی پُوری
لکھ کروڑ جنہاں دے جُویا، سو بھی جھوری جھوری
بھٹھ پئی تری چٹی چادر، چنگی فقیراں دی بھوری
سادھ سنگت دے اوہلے رہندے، بدھ تینہاں دی سُوری
کہے حسینؒ فقیر سائیں دا، خلقت گئی ادھوری!

الفاظ و معنی:

پُوری ـــــــ مکمل کرنا۔ختم کرنا۔پایۂ تکمیل تک پہنچا دینا
جُویا ـــــــ جمع کیا، اکٹھا کیا ہوا
جھوری ـــــــ لالچی یعنی نہ ختم ہونے والا لالچ
بھٹھ ـــــــ پرندے کی غلاظت (مراد میل، گند وغیرہ)
چٹی چادر ـــــــ آبرو، شان و شوکت، آن بان
بھوری ـــــــ گودڑی۔وہ کمبل جو فقیر لوگ اوڑھتے ہیں اور جو کئی ایک کپڑوں کے ٹکڑوں کو جوڑ جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔جس کے لئے عرصہ دراز کی محنت بھی درکار ہوتی ہے
سادھ ـــــــ فقیر لوگ۔سادھو
اوہلے ـــــــ پردے میں رہنا، چھپے رہنا، اوجھل
بدھ ـــــــ عقل

سُوری ــــــ اچھی۔اعلیٰ

ادھوری ــــــ نامکمل۔یعنی اپنے حصے کا کام مکمل نہ کرنا۔یا اپنے آپ کو مکمل نہ کرنا۔اپنی تکمیل نہ کرپانا۔

ترجمہ:

دل کا درد یعنی ہمارا احساس ہی ہماری تکمیل کرتا ہے۔ ہمیں ایک مکمل انسان بنانے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔مگر جس دل میں درد نہ ہو یعنی انسانیت کے لئے احساس نہ ہو وہ خواہ کتنی ہی مال و دولت جمع کرلے اُس کی دولت اُس کی تکمیل کا باعث نہیں بن سکتی۔ اور اُس کی لالچ اور بڑھتی جاتی ہے۔اُس کی آن، بان جو ایک سفید چادر کی طرح ہوتی ہے میلی ہو جاتی ہے غلاظت سے بھر جاتی ہے اس سے تو بہت بہتر فقیر کا کمبل ہے جس میں محنت، خب اور تکمیل کی میل تو ہوتی ہے۔مگر اُسے گندہ نہیں کہا جا سکتا۔اور ویسے بھی سفید چادر کا تو ہر وقت یہی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں اس کا کوئی کونہ گندہ نہ ہو جائے مگر گوڈڑی (کمبل) جو فقیروں کے اوڑھنے بچھونے کے کام آتی ہے کو دنیا کی آلائشیں گندہ نہیں کرسکتیں کیونکہ ان لوگوں کو اللہ کی سنگت نصیب ہوتی ہے یہ دنیاوی شان و شوکت کو تج کر اپنے نیک اور پارسا لوگوں کی سنگت اختیار کرتے ہیں۔اور اس لحاظ سے یہی عقل مند لوگ ہیں نہ کہ وہ جو صرف اور صرف حرص و ہوس میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا تو سنوار رہے ہیں مگر اپنی عاقبت کے لئے عذاب اکٹھا کر رہے ہیں۔اس حوالے سے بابا فرید گنج شکرؒ کا ایک انتہائی خوبصورت اشلوک پیشِ خدمت ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔

پاڑ پٹولا دھج کری، کمبلڑی پہریو
جنھیں ویسیں شوہ ملے، سے ای ویس کریو

بابا فرید الدین گنج شکرؒ

تشریح:

اس کافی میں بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شاہ حسینؒ ہمیں ایک ایسے مقام سے پکار رہے ہیں جہاں سے وہ صاف صاف ہمیں ہمارے کارناموں کے سمیت دیکھ رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہی کارنامے ہماری تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ یہی لالچ جو دو اور دو چار اور پھر ہزار لاکھ کروڑوں تک پہنچتی ہے ہمیں ہماری خبر بھی نہیں رہنے دیتی اور ہم بغیر اپنے ارد گرد دیکھے بغیر کسی احساس کے دوسروں کو پیروں تلے روندتے ہوئے گزرتے چلے جاتے ہیں لیکن اگر آپ غور فرمائیں تو ہم اپنے آپ کو اپنے پیروں تلے کچل رہے ہوتے ہیں ہم اپنی بربادی کا آپ ہی سامان اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں ——— اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہمارے ارد گرد بے شمار ایسے دولت مند گھرانے موجود ہیں جن کی ظاہری شان وشوکت تو ہمیں ہمہ وقت مرعوب کئے رہتی ہے مگر تھوڑا سا ٹٹولا جائے تو وہ ایک ایسے عذاب میں مبتلا نظر آتے ہیں جس میں سکون نامی کوئی شے نہیں ہے۔ لالچ ہر وقت اُنکے ذہن و دل پر سوار رہتی ہے کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اور وہ بے تحاشا، اندھا دھند اُن منازل کی طرف دوڑتے نظر آتے ہیں جہاں کئی ایک مزید پریشانیاں ان کیلئے گھات لگائے بیٹھی ہیں، کسی بھی لمحہ کوئی بھی تکلیف دکھ ان کو دبوچنے کیلئے تیار بیٹھا ہے اور اسکے برعکس اللہ کا بندہ، فقیرانہ زندگی کا مالک لالچ و حرص سے بے نیاز اپنے رب کی پناہ میں اُسکی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے کس قدر سکون میں ہے، کہ اُسے صرف اپنے پالنہار کے شکر ادا کرنے کا فکر ہے۔ اُسے یہ فکر ہے کہ میں اپنے خالق کو کس طرح خوش کروں اُسکی سوچ اعلیٰ ترین ہے کہ وہ اُس کیلئے سوچتا ہے جو کُل کائنات کیلئے سوچتا ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کو اپنی حقیقت اور دائمی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں وہ ہمیشہ سے خسارے میں ہیں اور ہمیشہ خسارے میں رہیں گے۔ وہ اپنی تکمیل کبھی نہ کر پائیں گے اپنے ادھورے پن کے احساس تک سے محروم رہیں گے۔ اُنکے پاس عقل سلیم نہیں کہ وہ یہ سوچ بھی سکیں کہ ہم غلط راستہ اختیار کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا جو زندگی

کو محض لالچ و حرص کے راستوں پر چلا کر اپاہج کر دیتے ہیں اور اپنے ارد گرد یعنی اپنے قریب بسنے والے لوگوں کا احساس اپنے دل میں نہیں رکھتے اُن سے کبھی مثبت سلوک روا نہیں رکھتے اپنی دولت اور حرص کے نشے میں برباد سے برباد تر ہوتے جاتے ہیں اور اُنہیں کوئی رہنمائی دینے والا نہیں ہوتا کوئی روکنے والا نہیں ہوتا اور ویسے بھی وہ کسی کے روکے سے کب رُکتے ہیں اور وہ ادھورے ہی اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔
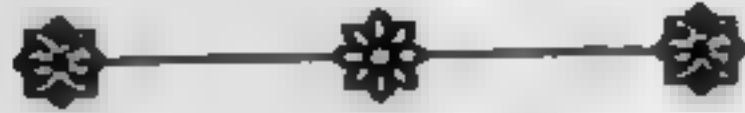
(5)

جیوں بھاوے تیوں راکھ

میرے صاحبا! میں تیری ہو مٹکی
منوں وساری نہ توں مینوں ہر گلوں میں چلکی آں
اوگن ہاری نوں گن ناہیں، بخش کرے تاں چھٹی آں
جیوں بھاوے تیوں راکھ پیاریا، دامن تیرے لگی آں
جے توں نظر مہر دی بھالیں چڑھ چوبارے سُتی آں
کہے حسین فقیر سائیں دا در تیرے دی کُتی آں!

الفاظ و معنی:

تیری ہو مٹکی ——— تجھ پر مر مٹی یعنی اپنے آپ کو اپنے خالق حقیقی کے سپرد کر دیا

وساریں نہ ——— بھلا نہ دینا۔

اوگن ہاری ——— گناہ گار۔ خطا کار

گن ——— خوبی

چھٹی ——— آزاد ہوئی۔ رہائی پا گئی

راکھ ——— رکھ

لگی ——— چمٹی ہوئی

ترجمہ:

میرے مالک میں تجھ پر فدا ہو گئی ہوں میں تجھ پر مر مٹی ہوں مجھے اب تیرے سوا کچھ نظر نہیں آتا میں جدھر دیکھتی ہوں تُو ہی تُو ہے، اب تُو بھی مجھے اپنے دل سے نہ بھلانا مجھ

پر اپنی مہربانیوں سے اپنی رحمتیں برساتے رہنا میں جانتی ہوں کہ میں اپنے فرائض بھول گئی ہوں اور مجھ میں کوئی خوبی نہیں مجھے کچھ بھی سلیقہ نہیں کہ میں اپنے آپ کو تیری رحمتوں کے قابل بنا سکوں مگر پھر بھی تو بخشنے والا ہے تیری بخشش کی آس ہی میرے لئے چھٹکارا ہے اُن عذابوں سے جو میرے اردگرد منڈلا رہے ہیں تُو مجھے اپنا لے اور تو جس طرح چاہے مجھے اپنے پاس رکھ لے جیسا چاہے مجھ سے سلوک کر کہ مجھے تجھ سے پیار ہے میں تیرے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہوں کہ تیرے سوا مجھے اور کسی کی پناہ کی حاجت نہیں بس تیری مہربانیوں کی نظر چاہیے جس سے میرے سب دُکھ دھل جائیں گے اور میں اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کروں گی۔ اے مرے رب تیرا فقیر تیری رحمتوں کا محتاج تیرا یہ عاجز ترین بندہ جو اپنے آپ کو تیرے سپرد کیے ہوئے ہے اس کو اپنی نگاہ سے دُور مت کرنا کہ اس کا تیرے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

تشریح:

شاہ حسینؒ نے اس کافی میں اپنے سچے جذبوں کو حسین ترین الفاظ کے پیرائے میں پرو دیا ہے۔ اور پڑھنے والے کو اپنے خالق حقیقی رب العزت سے عشق کا درس دیا ہے اور عشق میں خود سپردگی پہلی شرط قرار دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کرنا اور پھر ہر کام اُسی کی مرضی سے کرنا، اور اُسی کی رضا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا اور یہ بات بھی طے ہے کہ بندہ خواہ کتنا ہی گنا گار، خطا کار ہو اُسے آخر کار اپنے خالق کی طرف ہی رجوع کرنا ہے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے لوٹنا تو خیر بعد کی بات ہے جیتے جی بھی اُس کے تمام امور اپنے رب کی مرضی کے بغیر بے معنی ہیں جو اُسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ زمانے کے حوادث سے صرف وہی ذات اُس کو بچا سکتی ہے۔ صرف اُسی کے کرم سے اُس کے رات دن اُس کی زندگی میں آتے جاتے ہیں، ہر لحہ اُسے بھر پور تعاون دے رہا ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی لمحے وہ اپنے آپ کو عجز کی خوبصورت جنت سے نکال کر دنیاوی تکبر کی کھائیوں میں گرا لیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو گناہوں سے آلودہ کر لیتا ہے۔ پھر بھی اُس کی بخشش محض

رب کائنات ہی کر سکتا ہے۔ کہ وہی مختارِ کُل ہے۔ پھر ہم ہی کیوں بھولے ہوئے ہیں ہم کیوں نہ اُس کی رحمتوں کے سائے میں آجائیں کہ وہ ہماری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ ہمیں عزت وآبرو عطا کرنے والا ہے۔ اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے۔ ہمارے تمام فیصلوں کا بھرم رکھنے والا صرف اور صرف وہی ہے۔ اس ضمن میں اپنا ایک شعر یاد آتا ہے جو پیش خدمت ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

اپنے سارے فیصلے یوسفؔ اُسی پر چھوڑ دے
وہ ہمیشہ بہتری کرتا ہے، تُو سوچا نہ کر!

(یوسف مثالیؔ)

بے شک وہی بہتری کرنے والا ہے!

(6)

ترور ٹٹے پات!

جاگ نہ لدھی آ، سُن جند! ہمو وِہانی رات
اس دم دا وو کیہہ بھرواسا، رہن سرائیں رات
وچھڑے تن من بوہڑ نہ میلہ جیوں ترور ٹٹے پات
کہے حسین فقیر سائیں دا، ہوئے گئی پربھات

الفاظ ومعنی:

جاگ ——— نیند سے اُٹھ بیٹھنا
لدھی ——— ملی۔حاصل ہوئی
جند ——— جان (مراد بندہ۔انسان)
ہمو ——— ساری۔مکمل
وہانی ——— گزارنی
دم ——— زندگی
بھرواسا ——— بھروسہ
بوہڑ ——— دوبارہ
میلہ ——— ملاقات
ترور ——— درخت
پربھات ——— صبح

ترجمہ:

ساری رات گزر چکی ہے صبح ہو گئی اور ابھی تک تُو سو رہا ہے تیری یہ غفلت کی نیند تجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گی اور جو تیری سانس چل رہی ہے اس کا کوئی بھروسہ نہیں کیا خبر یہ کب رُک جائے اور بغیر کچھ کیے تُو اس وقت کو کھو بیٹھے جو آج تیرے پاس ہے۔ دیکھ دوبارہ تجھے یہ زندگی نہیں ملنے والی جیسے پتا اگر درخت سے ایک بار جدا ہو جائے تو وہ کبھی اپنی شاخ پر دوبارہ نہیں لگتا اس وقت تجھے ایک اللہ کا بندہ (شاہ حسینؒ) سمجھا رہا ہے کہ صبح ہو گئی اب جاگ، اور وہ کام کر جس کے لئے تیرے خالق نے تجھے پیدا کیا جس کام کے لئے تجھے یہ زندگی ملی ہے اُس کا فکر کر کہ آخر کار تجھے اس کا حساب دینا ہے۔

تشریح:

تمام صوفیائے کرام نے اس خیال کو اپنے اپنے انداز میں شعری جامہ پہنایا ہے۔ اور اپنے اپنے باطنی حسن کا منظر نامہ خوبصورت الفاظ میں پرو کر ہمارے ادب میں نکھار پیدا کیا ہے۔

پنجابی زبان اپنی وسعت کے اعتبار سے اپنے اندر اس قدر امکانات رکھتی ہے کہ کوئی بھی بات با آسانی شعر میں ڈھال کر کہی جا سکتی ہے بشرطیکہ کہنے والے کی ریاضت اور گرفت مضبوط ہو۔ صوفیائے کرام کی ہر طرح کی ریاضت بلاشبہ ایک خاص مقصد کے لئے ہوتی تھی اور وہ مقصد اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اُس کے بتائے ہوئے رستوں پر اپنے آپ کو گامزن کرنا اور اُس کے حکم کو ہر حال میں بجالانا ہے۔ جس کے تحت شاہ حسینؒ اپنی اس کافی میں ہمیں یہ تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی عطا کردہ زندگی کو ضائع نہیں کرنا چاہیے کہ یہ زندگی ہمیں اُس کی عبادت اُس کے کاموں اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ملی ہے مگر ہم اسے اپنے حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھا دینا چاہتے ہیں اور اُن حقائق سے بالکل آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں جو ہماری بہتری کے لئے ہیں جب کہ

یہ بات بھی واضح اور بلا شک وشبہ مسلم ہے کہ موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہے اور یہ زندگی ہمیشہ کی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم اس مختصر سی زندگی کے لئے تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں مگر وہ زندگی جو ہمیں ہمیشہ کے لئے ملنے والی ہے اُسے سنوارنے کے لئے قدرت کی طرف سے ایک حسین موقع ہے۔ اور ہم اس بات کو بھول رہے ہیں کہ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملنے والی اور بالکل ایسے ہی جیسے درخت سے پتا ٹوٹ جائے تو دوبارہ درخت کی کسی شاخ سے نہیں جُو سکتا۔ اور پھر ایسے میں اردگرد کے عوامل بھی تو اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے مثال کے طور پر ہوا ہی کو لے لیجئے پتا ٹوٹتے ہی ہوا کی گرفت میں ہوگا جو اُسے اپنے رُخ کے مطابق جہاں چاہے لے جا کر پھینک دے بہ الفاظ دیگر ٹوٹے ہوئے پتے کا نصیب صرف اور صرف خواری ہی رہ جاتا ہے تو اُس سے بچنے کے لئے جب تک شاخ سے وابستہ ہے اُس وقت تک ہر قسم کے محرکات اُس کے سامنے ہیں اچھائی برائی کی سوجھ بوجھ قدرت نے عطا کی ہے اُس کے درخت سے اُسے ہر چیز میسر ہو رہی ہے۔ توانائی، صحت، تر و تازگی، حسن مگر یہ سب چیزیں ضائع کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے انہیں زمانے کی گرم، تند و تیز ہواؤں سے بچانا ضروری ہے تا کہ یہ آئندہ کی زندگی گزارنے کے لئے ہماری معاونت کر سکیں۔ اور ہم اپنے اللہ کے سامنے اُس کی عطا کردہ چیزوں کو صاف ستھرا، نکھرا ہوا، شفاف انداز میں پیش کرنے کے اہل ہو سکیں جس سے خوش ہو کر ہمارا رب ہمیں بخش دے اور ہمیں انعام میں وہ زندگی عطا کر دے جو اُس کی حسین ترین نعمتوں میں سے ایک ہے —— آپ اس کافی کو ذرا اس زاویے سے پرکھیئے اور دیکھئے کہ شاہ حسینؒ اپنے اردگرد بسنے والے لوگوں کے لئے کس قدر حساس دل رکھتے تھے کس قدر بھلائی اور نیکی کے جذبات اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہوئے تھے کہ وہ ہر حوالے سے لوگوں کو ایک اچھی راہ کی طرف لے جانے کے لئے ہمہ وقت کوشش کرتے رہتے تھے —— بلاشبہ یہ وصف رب العزت کی جانب سے اُن پر انعام تھا۔ مگر یہ انعام کیونکر حاصل ہوا یہ نیکیوں کے جذبے

کیونکر پیدا ہوئے ـــــــ یہ صرف دینِ الٰہی کو شعوری سطح پر سمجھنے کے طفیل ہی ممکن ہو سکتا ہے اور شاہ حسینؒ نے اپنی زندگی اسی نہج پر گزاری جس کا ثبوت اُن کی کافیاں اور ایسی دستاویز ہیں جو مؤرخین نے اپنی انتھک محنت سے ہم تک پہنچائیں۔ بہر کیف یہ کہنا کسی بھی طرح غلط نہ ہوگا کہ شاہ حسینؒ نے اپنے رب کی طرف سے سونپے گئے فرائض کو پورا کرنے میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ بے شک یہ سب بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے!

(7)

ہتھ ملے مل پچھوتاسی!

ویلا سمرن دانی اُٹھی رام دھیائے
ہتھ ملے مل پچھوتاسی، ویلی آ وقت وہائے
اس ترتوے توں بھر بھر گئیاں' اپنی وار لنگھائے
اکناں بھریا ایک بھر گئیاں، اک گھرے، اک راہے
کہے حسین فقیر سائیں دا آتن پھیرا پائے

الفاظ و معنی:

سمرن ـــــ ذکر، عبادت
دھیائے ـــــ یاد کرنا
وقت وہائے ـــــ وقت گزر جائے
ترتوے ـــــ گھاٹ۔ دریا یا ندی کا کنارا جہاں سے پانی بھرا جاتا ہے
آتن ـــــ عورتوں کا اکٹھا ہونا۔ ترنجن، عورتوں کی محفل

ترجمہ:

شاہ حسینؒ فرماتے ہیں یہ وقت عبادت کا ہے اٹھو اور اپنے رب کا ذکر کر لو کہ یہ وقت دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اور پھر سب اپنے ہاتھ مل مل کر افسوس کرتے رہ جائیں گے۔ اس گھاٹ سے جس سے مراد دنیا ہے یہاں کئی لوگ آئے اور اپنی اپنی باری کے مطابق اپنے اپنے اعمال کر کے چلے گئے اور بعض اپنے گھروں میں ہی ہیں وہ ابھی تک چلے ہی نہیں یعنی پیدا ہی نہیں ہوئے اور بعض ابھی راستے میں ہیں یعنی پیدا ہونے والے ہیں۔

اللہ کے فقیر شاہ حسینؒ کی بات سن اور سمجھ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تجھے چاہیے کہ وقت ہاتھ سے نکلنے سے پہلے پہلے اپنے اللہ کی عبادت کر اُس کا ذکر کر کہ یہ محفل دوبارہ نہیں لگنے والی۔

تشریح:

شاہ حسینؒ نے زندگی وموت کے فلسفیانہ تانے بانے کا نہایت خوبصورتی سے ذکر کیا ہے اور اپنی اس کافی کے پانچ مصرعوں میں ابتدا و انتہا کے درمیانی رابطے کے تمام معمولات کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔اس درمیانی وقت میں ہماری ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے ہمیں اس وقت کے کھو جانے کی حقیقت سے بھی روشناس کرایا ہے۔
ہر چند کہ اس حقیقت سے قریباً ہر انسان شناسا ضرور ہے مگر اس کے تہہ در تہہ رموز سے واقف کوئی کوئی ہوتا ہے اور جو ان رموز سے آگاہ ہوتا ہے وہی اس کی صحیح وضاحت کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ورنہ تو وقت اپنی رفتار سے گزرتا جارہا ہے وقت جو ایک اکائی ہے ہمارے تغیر کی یا یوں کہہ لیجیے کہ ہماری تبدیلی کا دوسرا نام وقت ہے اور یہ تبدیلی ایک سفر ہے۔اور جو کچھ ہم پیچھے چھوڑے جارہے ہیں دراصل وہ گذرا ہوا وقت ہی ہے۔اُس گزرے وقت میں ہم نے کیا کیا، یا اُس وقت میں جو ہم پر گزر رہا ہے ہم کیا کر رہے ہیں شاہ حسینؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہمیں یہ بات سمجھائی ہے کہ قدرت نے تمہیں ایک موقع فراہم کیا ہے اور تمہیں شعور نواز دیا ہے اس موقع سے دو قسم کے فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں جن میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت جس نے یہ موقع ہمیں اسی لئے دیا ہے کہ ہم اُسی کا ذکر کرتے رہیں دوسرے دنیاداری کی آسائش لوبھ، لالچ اور ایسی بہت سی مصنوعی دل موہ لینے والی چیزیں، جن سے بچنے کے لیے شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے بہت سی اس لئے کہ جھوٹ کو سچ کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف حوالوں سے اپنی بہت سی طاقتوں کو یکجا کرنا ہوتا ہے مگر وہ پھر بھی سچ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ چھوٹی سے چھوٹی حقیقت بھی جھوٹ کی بڑی سے بڑی طاقت اور کوشش کو شکست دے دیتی ہے۔اور یہ عمل ہمہ وقت ہماری نگاہوں کے سامنے کسی نہ کسی روپ میں ظاہر ہوتا رہتا ہے مگر افسوس کہ ہم اسے دیکھتے اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی

اپنی آنکھیں بند کیے رہتے ہیں اور یہی وہ غفلت ہے جو ہمیں جہنم کی آگ میں جھونک دینے کے لئے کافی ہے۔ شاہ حسینؒ ہمیں ہماری اس غفلت کا ادراک مہیا کرتے ہوئے ہمیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جو ایک نیک عمل ہے۔ اور اس نیک عمل کے تحت ہم باری تعالیٰ سے اپنے لئے رحم و کرم کی اپیل کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں اسی اہلیت کو اُن مواقع سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہمیں قدرت کی طرف سے اُس کی عبادت اور نیک کاموں کے لئے اس دنیا میں نوازے گئے ہیں مگر ہم ان سے کیا فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور کتنا نفع حاصل کر رہے ہیں ہم نے کبھی اس طرف دھیان دینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اور ان مواقع کو ضائع کرتے چلے جا رہے ہیں ایسا کیوں ہے شاید اس لئے ہے کہ ہم نے حرص و ہوس کے حصار میں اپنے آپ کو قید کرنے میں بہت جلدی کی جب تک ہم شعوری سطح پر کسی شے کو پرکھنے کے قابل ہوئے اُس سے پہلے ہمارے نفس نے ہمیں اپنا گرویدہ کر لیا اور ہمیں اپنی مرضی سے چلا رہا ہے۔ یہ المیہ شاہ حسینؒ کے زمانے ہی کا نہیں بلکہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اور صدیوں تک رہنے کا امکان ہے۔ کیوں کہ ہماری ایسی خواہشات جو محض دنیاوی رنگینیوں سے مرصع ہیں ہمیں اصل روشنی سے فیض یاب نہیں ہونے دیتیں اور ایسا صرف اس لئے ہے کہ ہم ایسا چاہتے ہی نہیں ہم نہیں چاہتے کہ ہم صحیح اور سچے راستے پر چلیں، سچائی کا ساتھ دیں، نیک اعمال کریں۔ دنیا کے مدِ مقابل ہم ان چیزوں کے گرویدہ کیوں نہیں ہو پاتے صرف اسی لئے کہ ہم ان کے محاسن سے آشنا نہیں ہماری شعوری سطح بلند نہیں ہو سکی اور ہم اس وقت سے جب ہمیں شعور حاصل نہیں ہوا تھا اُلجھ کر رہ گئے دنیاوی دھندوں میں جو سراسر پریشانیاں ہیں۔

آپ نے یقیناً تجرباتی اور مشاہداتی سطح پر یہ تجزیہ ضرور کیا ہوگا کہ دنیا دار ہمیشہ سے ایک مصیبت سے نکلتا ہے تو دوسری میں گرفتار ہو جاتا ہے اُس سے اُس کی زندگی میں یہ معمہ حل نہیں ہوتا آخر کار وہ سدھار جاتا ہے اور اُس کے ذمے کے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اور جو ان دھندوں سے نکل جاتے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی کوششوں اور نیک اعمال کے عوض توفیق عطا کر دیتا ہے تو وہ اپنے رب کے سامنے ہی سرخرو نہیں ہو جاتے

بلکہ دنیا میں بھی ہمیشہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تو کیوں نہ وہی راہ اختیار کی جائے جس پر اللہ راضی ہو اور جب ہم اس ذائقے کو چکھ لیں گے تو دنیا کے کسی ذائقے کا لطف باقی نہیں رہے گا۔ اور ہمیں اپنے ہاتھ مل مل کر پچھتانا نہیں پڑے گا۔ اسی کافی کے معنوی پرتو کی جھلک اکبرالہ آبادی کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مزا تب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

۲۔ رہ و رسم محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع اُن کا ہے ضرر اپنا

اس حوالے سے محض یہ مقصود ہے کہ خواہ کوئی زمانہ ہو ربِ کائنات کی ذات ہمہ وقت ہمہ سمت موجود ہے اور اُس کے عطا کردہ فیضان سے اُس کے بندے بھی ہر دور میں مالا مال رہے ہیں اور رہیں گے اُن کی سوچیں بھی اپنے خالق کے ذکر سے مربوط ہوں گی اور اگر ظاہراً ایسا نہیں تو باطنی طور پر ضرور ہے ورنہ کوئی کسی کے لئے نیک خواہشات کا متمنی کہاں ہوتا ہے اور جو ہوتا ہے وہ اللہ کا نیک بندہ ہے۔

(8)

دَر دَر دینی آں ہُوکا!

سائیں جیہناں ڈے ول، تیہناں نوں غم کیہیں دا، وے لوکا!
سوای بھلیاں جو رب ول آئیاں، جیہناں نوں عشق چروکا، وے لوکا
عشقے دی سر کھاری چائیاں، در در دینی آں ہُوکا، وے لوکا
کہے حسین فقیر سائیں دا، لدّھا ہی پریم جھروکا، وے لوکا

الفاظ و معنی:

سائیں ——— اللہ پاک، مالک
غم کیہیں دا ——— کس بات کا غم، یعنی کوئی غم نہیں
سوای ——— وہ ہی
بھلیاں ——— اچھی۔ مراد ہے نیک لوگ، اچھے لوگ، جن کا رجحان اپنے رب کی طرف ہے
چروکا ——— قدیمی۔ پرانا
کھاری ——— ٹوکری
ہُوکا ——— آواز لگانا۔ کوئی چیز بیچنے کے لئے گلی گلی میں جا کر آواز لگانا
لدّھا ——— حاصل ہوا۔ مل گیا ہے
پریم جھروکا ——— مراد ہے مقصدِ حیات۔ پیار کی منزل

ترجمہ:

جن کی طرف اللہ تعالیٰ خود ہے یعنی وہ بندے جو اپنے مالک حقیقی کے پسندیدہ ہیں اُنہیں پھر کس چیز کا غم کہ قدرت نے اُنہیں ایسی چیزوں سے ماورا کر دیا ہے۔ اور وہی لوگ بھلے ہیں اور اچھے ہیں جو اپنے رب کی طرف آئے ہیں اور جن کا اپنے اللہ سے پرانا عشق ہے اور جنہوں نے اپنے سر پر اپنے اللہ کے عشق کی گٹھڑی اُٹھائی ہوئی ہے وہ اسے دوسرے لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے گلی گلی آواز دے رہے ہیں کہ لوگو آؤ اور ہم سے یہ عشق لے لو اور اپنی قسمت سنوار لو کہ ہمیں بھی اللہ کے عشق کی بدولت یہ سب عطا ہوا ہے اور یہ فیض عام ہے۔

تشریح:

جیسا کہ آپ جانتے ہیں شاہ حسینؒ نے اپنی کافیوں میں لوگوں سے تخاطب کا انداز اپناتے ہوئے اُنہیں راہِ راست پر لانے کی جو سعی کی ہے وہ اپنے اثرات کی حدود کو وسیع سے وسیع تر کرتی چلی جاتی ہے اور قاری کے اردگرد پھیلی منفی اقدار نیست و نابود ہوتی چلی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم آج بھی نہ صرف شاہ حسینؒ بلکہ اپنے دوسرے صوفیا کے کلام سے اُسی طرح استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں جیسے آج سے برسوں پہلے اور یہ اسی لئے ہے کہ اُنہوں نے جو کچھ بھی اپنے کلام میں کہا صرف سچ ہے اور سچ کو آنچ نہیں جبھی تو صدیوں سے اُن کی کافیاں، دوہڑے ابیات اور دوسری کئی اصناف ہمارے پنجابی ادب کی مضبوط بنیاد کا درجہ رکھے ہوئے ہیں اور اسی بنیاد پر ہم اونچی سے اونچی عمارت تعمیر کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں اُس عمارت کی تعمیر میں خرچ ہونے والا میٹریل حاصل ہو جائے وہ میٹریل جو ہمارے اندر کے سچ ہم پر ظاہر کر دے اور ہم اُن مقاصد کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہوں جس کے لئے ہم اس دنیا یعنی امتحان گاہ میں بھیجے گئے ہیں۔ اور اگر وہ حصول ہو جائے تو پھر شاہ حسینؒ کی مندرجہ بالا کافی کا لطف کس قدر زیادہ ہوگا اس کا اندازہ اُس مقام کے حاصل ہونے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ بہر کیف یہ حقیقت ضرور واضح ہے کہ اُس مقام پر کوئی دُکھ، پریشانی کا شائبہ تک نہیں ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اُس بندے کا طرف دار بن جاتا ہے

اور جب ایسا ہوتا ہے تو ظاہری دنیا داری سے خود بخود اجتناب ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حسنِ لازوال کی کشش بندے کو کسی طرف جانے ہی نہیں دیتی اور دنیا کی رونقیں اور خوبصورتیاں تو وقتی، بے معنی اور الجھنوں میں گرفتار کرنے والی ہیں۔ پھر ان کی حق کے سامنے کیا وقعت ——— واقعی جو اپنے حقیقی محبوب رب العزت کے عشق میں گرفتار ہو چکے ہیں اُنہیں کس چیز کا غم یا انہیں کس شے کی کمی اور جب کسی شے کی کمی نہیں ہوگی تو غم خود بخود ختم ہو جائے گا کہ ہمیشہ کسی شے کی کمی ہی کسی غم کی تخلیق کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ کیوں کہ کمی محرومی کو جنم دیتی ہے اور محرومی غم کو۔

مختلف ادوار میں اللہ کے نیک بندوں نے اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ فیضان سے لوگوں کو نیکی کی راہ دکھانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہ وصف رسولوں، نبیوں، پیغمبروں اور اولیا اللہ کے سپرد کیا گیا جس کے طفیل دینِ الٰہی کے نور سے عام انسانوں کو آگہی نصیب ہوئی اور اس آگہی سے محبت، اخوت، اور وہ نورِ ہدایت ہر جگہ پھیلتا گیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی خاص الخاص رحمتوں کے نزول کے نتیجے کے روپ میں بنی نوع کی بھلائی کے لئے ربِ کائنات کی خواہش تھی بہ الفاظ دیگر ہماری بخشش کا بہانہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے لافانی اور بے پناہ محبت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

(9)

گلاں کرن سکھالیاں!

اک دن تینوں سپنا تھیسن گلیاں بابل والیاں دو

اُڈ گئے بھور پھُلاں دے کولوں، سن پتراں سن ڈالیاں

جت تن لگے سو ای تن جانیں، گلاں کرن سکھالیاں

رہ وے قاضی، دل نیئوں راضی ہویاں تاں ہوون والیاں

سو ای راتیں لیکھے پوسن، نال صاحب دے جالیاں

ناؤں حسینا تے ذات جلاہا، گاہلیاں تانیاں والیاں!

الفاظ و معنی:

تھیسن ——— ہوں گی

بھور ——— بھنورے

سَن ——— کے ساتھ، ہمراہ، سمیت

جت ——— جس

سکھالیاں ——— آسان

لیکھے ——— حساب کتاب

پوسن ——— پڑیں گی

صاحب ——— رب۔ مالک

جالیاں ——— گزاریں

ناؤں ——— نام

ترجمہ:

شاہ حسینؒ اپنی باقی کافیوں کی طرح اس کافی میں بھی اپنے اردگرد پھیلے لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف راغب ہونے اور اُس کی عبادت کا درس دے رہے ہیں فرماتے ہیں ایک دن یہ کلیاں جو تجھے اپنی اپنی سی لگ رہی ہیں خواب وخیال ہو جائیں گی صرف یادوں میں رہ جائیں گی اور بھنورے پھولوں کو چھوڑ کر شاخوں اور پتوں کے ساتھ ہی اُڑ جائیں گے یعنی کسی کو کسی کا ہوش تک نہ رہے گا۔ جس کو جو دکھ ہوگا وہی جانے گا کوئی دوسرا اُس کا درد بانٹنے نہیں آئے گا اور اگر کوئی دوسرے کی محبت کا دم بھرتا ہے تو یہ سب باتیں صرف کرنے کی ہیں۔ اے قاضی جا ہمارا دل راضی نہیں ویسے بھی جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہی راتیں ہمارے حساب کتاب میں شمار کی جائیں گی جو ہم نے عبادتِ الٰہی میں گزاریں ہیں باقی کام تو ہم نے بے وقعت کیا ہے۔ نام تو حُسین (شاہ حسینؒ) رکھا ہوا ہے اور ذات جلاہوں کی ہے۔ تیرے دائیں بائیں مقرر فرشتے تیرے کرتوت دیکھ رہے ہیں کاش تو اپنے نام کی لاج رکھ لے۔

تشریح:

شاہ حسینؒ دنیا کی بے ثباتی کی طرف ایک لطیف اشارے میں ہماری توجہ مبذول کروا رہے ہیں۔ ہمیں بتا رہے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے یہاں کسی شے کو دوام نہیں سوائے رب کائنات کے کوئی شے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نہیں آج جو کلیاں اپنے بابل کی ہیں یعنی بالکل اپنی ہیں اور ہم ان سے اچھی طرح شناسا ہیں یہ خواب وخیال ہو جائیں گی ہم انہیں بھلا دیں گے کیوں کہ وہ وقت آنے والا ہے جب کسی کو کسی کی کچھ خبر نہ ہوگی ہر ایک کو صرف اور صرف اپنے آپ سے غرض ہو گی، یہ خوبصورت پھول اپنی بہار لئے یونہی دیکھتے رہ جائیں گے اور بھنورے شاخوں اور پتوں کے ساتھ اڑ جائیں گے۔ کوئی کسی کا ساتھ نہ دے سکے گا۔ اور ایسے میں کسی کو کسی کا خیال کیا رہے گا بس وہی تن جانے گا جس کو چوٹ لگے گی سب کو اپنا اپنا دُکھ ہوگا کوئی کسی کا دُکھ درد بانٹنے کا تصور بھی نہیں کرنے گا۔ اور جو کوئی

ایسا کرنے کا کہہ رہا ہے وہ صرف کہہ رہا ہے، سکھ میں ساتھ نبھانے والے دُکھ میں کہاں ساتھ دیتے ہیں۔

اُس کو اپنا ہی کوئی دُکھ ہو گا
کون روتا ہے دوسروں کے لئے!

(یوسف مثالیؔ)

واقعی کوئی کسی کے لئے نہیں روتا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ اور یہ بات طے ہے کہ اچھے اعمال صرف باتوں سے نہیں ہوں گے اچھائی عملاً ہوتی ہے اور رب العزت کے پاس وہی لمحے شمار کیے جائیں گے جن میں تُو نے اپنے رب کی عبادت کی ہے اُس کے حکم پر سر تسلیم خم کیا ہے۔ مگر افسوس حسینؔ تُو نے اپنے نام کی لاج نہیں رکھی اور تو اپنے کرتوتوں سے باز نہ آیا یعنی تو نے کوئی نیک عمل نہیں کیا اور اس کا سارا حساب کتاب تجھ پر مقرر دو فرشتے کر رہے ہیں جو تیرے ہر عمل کو تحریر کر رہے ہیں اور تجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں کاش تو اپنے نام کی لاج ہی رکھ لیتا کہ تیرا رب تجھ سے خوش ہو جاتا اور تُو اس کے نیک بندوں میں شمار کیا جاتا۔ پھر شاید تجھے یہ شرمندگی نہ اُٹھانی پڑتی۔ اسی حوالے سے علامہ اقبال کا شعر یاد آ گیا جو یقیناً ہماری زندگی کے معمولات کی نمائندگی کرتے ہوئے ہمیں اُس زندگی کی روشن تصویر دکھا رہا ہے جسے ہم بھول چکے ہیں۔ اور اپنے آپ سے ظلم کئے جا رہے ہیں یہی خیال شاہ حسینؒ نے اپنی کافی میں بیان کیا ہے

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی، بے بندگی، شرمندگی

(10)

مرن اساڈا واجبی وو!

جت دل متر پیارا، اوتھے ونج آکھیں مینڈی عاجزی وو
تیرے کارن میں مر جاواں تیں ملیاں میری تازگی وو
راتیں درد دیہنیں درماندی، مرن اساڈا واجبی وو
لٹاں کھول گلے وچ پائیاں، میں بیراگن آد دی وو
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی، کوکاں نہ ماری لاج دی وو
کہے حسینؒ فقیر سائیں دا، راتیں دیہنیں میں جاگدی وو

الفاظ و معنی:

متر ـــــ دوست
ونج ـــــ جا کے
دیہنیں ـــــ دن کے وقت۔صبح
درماندی ـــــ پریشان حال
لٹاں ـــــ بال
بیراگن ـــــ جوگی۔درویش۔تارک الدنیا۔فقیر
آد ـــــ شروع سے۔قدیم

ترجمہ:

جہاں کہیں بھی میرا پیارا محبوب ہے وہاں جا کر اُسے کوئی میرا حال سنادے میری بے بسی کے بارے میں اُسے خبر دے دے اُسے بتادے کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی

اگر وہ مجھے مل جائے تو میں تر و تازہ ہو جاؤں میرا مُرجھایا پن دُور ہو جائے اور میں زندہ ہو جاؤں رات کے وقت میں ہجر کے دَرد میں مبتلا رہتی ہوں اور دن کے وقت پریشان اور ایسی حالت میں میرا مرنا واجب ہو گیا ہے کہ یہ علامتیں زندگی کی دلیل نہیں ہیں۔ اے محبوبِ حقیقی میں نے جوگیوں والا روپ دھار لیا ہے کنارا کر لیا ہے اس دنیا داری سے اسی لئے میں نے اپنے بال کھول کر اپنے گلے میں ڈال لئے ہیں میرا حلیہ فقیروں جیسا ہو گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے میں ابتدا ہی سے فقیر ہوں اور جنگل جنگل تیری تلاش میں پھر رہی ہوں کاش تو کہیں مل جائے کہ میں تو شرم اور لاج کی ماری پکار بھی نہیں سکتی۔ شاہ حسینؒ اللہ کا بندہ کہتا ہے کہ میں رات دن جاگتی رہتی ہوں۔ اب تو ہی میری حالت کا اندازہ کر سکتا ہے۔

تشریح:

اللہ سے بندے کا رشتہ اس حوالے سے انتہائی مضبوط ہے کہ اُس نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اللہ والے ہر لحہ اپنا دھیان لگائے اُس کے بلاوے کا انتظار کرتے رہتے ہیں اُنہیں دنیا ذرا نہیں بھاتی اور وہ ہر پل مجبوری میں گذارتے ہوئے اپنے رب کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور اُس سے یہی التجا کرتے ہیں کہ اے رب العالمین ہم تیرے بغیر نہیں رہ سکتے ہمارا ایک ایک پل کرب میں گزرتا ہے۔ ہم پر رحم کر اور ہمیں جلدی سے اپنی طرف بلا لے تا کہ ہم اس دنیا کے بکھیڑوں سے محفوظ ہو جائیں کیوں کہ یہ دنیا آلودہ ہے یہاں رہ کر انسان غم و آلام اور گناہوں سے پاک نہیں رہ سکتا۔ اور ہم تو تیرے گناہ گار بندے ہیں ہمیں اپنی پناہ میں لے لے اور اس آلودگی سے بچا لے کہ یہ سب تیری رحمت سے ہی ہونے والا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کس قدر قوی اور پُر کشش ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام لوازمات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں اور بندہ اپنے محبوبِ حقیقی کی محبوبیت میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ اُسے اپنا ہوش تک باقی نہیں رہتا۔ گویا بیراگی بن جانا پڑتا ہے اور یہ بیراگ بڑی کٹھن ریاضت ہے اس ضمن میں سلطان باہوؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ ملاحظہ

فرمایئے۔

کوک دِلا متاں رب سُنے چا، دردمنداں دِیاں آہیں ہُو
سینہ میرا دردیں بھریا، اندر بھڑکن بھاہیں ہُو
تیلاں باجھ نہ بلن مشالاں، درداں باجھ نہ آہیں ہُو
آتش نال یرانے لا کے بھمبٹ سڑن کہ ناہیں ہُو

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ سارا سلسلہ ریاضت ہی کا ہے۔ یہی ریاضت جو اللہ کی عبادت سے شروع ہوتی ہے۔ اور اُسی کی عبادت میں نہ ختم ہونے والے راستوں پر گامزن کر دیتی ہے۔ جہاں سرور ہی سرور ہے۔ اور اس سرور کو حاصل کرنا کون نہیں چاہے گا چلتے چلتے بُلھے شاہؒ کا فرمانا بھی دیکھئے کہ وہ ہمیں کیا تلقین کرتے ہیں اور عشق کے کس مقام سے ہماری رہنمائی فرما رہے ہیں۔

چھڈ جھوٹھ بھرم دی بستی نوں
کر عشق دی قائم مستی نوں
گئے پہنچ سجن دی ہستی نوں
جیہڑے ہو گئے صُم بُکم عُم
نہ تیرا اے نہ میرا اے
جگ فانی جھگڑا جھیڑا اے!

(11)

راہ عشق دا سُوئی دا نکّا!

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں

راہ عشق دا سُوئی دا نکّا، دھاگہ ہوویں تاں جاویں

باہر پاک اندر آلودہ، کیہا توں شیخ کہاویں

کہے حسین جے فارغ تھیویں، خاص مراتبہ پاویں!

الفاظ و معنی:

سُوئی دا نکّا ــــــ انتہائی مشکل، دشوار ترین، جہاں سے گزرنا ممکن نہ لگتا ہو

آلودہ ــــــ مراد ہے گناہوں سے بھرا ہوا

شیخ ــــــ پارسا

تھیویں ــــــ ہو جائے

مراتبہ ــــــ رُتبہ۔ عزت مقام

ترجمہ:

اپنی اس کافی میں شاہ حسین عشق کے کٹھن مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق آسان کام نہیں ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سوئی کے سوراخ سے دھاگے کا گزرنا اور جب تک تجھ میں دھاگے کا وصف نہیں ہوگا تو اس میں سے نہیں گزر سکتا اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب تیرا ظاہر باطن ایک ہو، ایسا نہ ہو کہ تو باہر سے تو پارسا نظر آئے اور اندر سے گناہوں سے بھرا ہوا ہو اور ہاں اگر تو منافقتوں سے پاک ہو جائے تیرا ظاہر باطن

ایک ہو جائے۔تو تجھے اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے لیکن اس مقام پر پہنچنے کے لئے تیرا عاشق ہونا ضروری ہے کہ یہ سارے انداز عشق ہی کے ہیں۔

تشریح:

عشق بنیادی سبب ہے کائنات کی تخلیق کا اور اس اعتبار سے عشق ایسا بحرِ بیکراں ہے جو معنی کے احاطہ میں نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی مخلوق دیکھتے جائیے آگے بڑھتے جائیے سوچتے جائیے اور جہاں جہاں آپ تہہ میں اُترتے جائیں گے آپ کو عشق جلوہ افروز ملے گا اور تب تک آپ بھی اس میں مبتلا ہو چکے ہوں گے، مبتلا تو اب بھی ہیں مگر یا تو احساس کی شدت نہیں یا پھر ہم اظہار نہیں کر رہے۔ کہ اس کائنات کے تانے بانے میں جو بھی شے اپنا وجود رکھتی ہے وہ عشق میں مبتلا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مختلف مدارج ہیں جنہیں اپنے اپنے ظرف اور بساط کے مطابق حاصل کرنا ہوتا ہے اس لئے کائنات کی ہر شے کا عشق اُسکے اپنے مدار کے حوالے سے ہے لیکن اس عشق کا اصل اللہ تعالیٰ کا حسن بے پایاں ہے جس کی کوئی اتھاہ نہیں جسے انسانی آنکھ کا حسن شاید احساس کی سطح پر اپنے اندر سمو سکتا ہے اور پھر اُس سے اللہ کی بنائی ہوئی دوسری مخلوق کا نظارہ کرتے ہوئے بے ساختہ سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرنے لگتا ہے بے شک قدرت حسین ترین ہے۔ اور وہ اپنے حسن کو منعکس کرتی ہے ہماری آنکھوں میں، جسے شاید ہم اپنا حسنِ نظر کہہ لیتے ہیں۔ یہ لطافتوں کی وہ منزل ہے جو انسانی سوچ میں آ سکتی ہے اور اس سے آگے کی منازل جو ہماری سوچوں سے کہیں بلند و بالا ہیں اُن کا حسن کا کیا ہوگا اور اس حُسن کو دیکھنے کے لئے اُس جذبۂ عشق کا سہارا لینا ضروری ہے جو حقیقی ہے، اور جس کی شدت انسان کے اختیار میں نہیں صرف اور صرف مالکِ حُسن کے اختیار میں ہے جو حسن کا خالق ہے اور ہمیں حسنِ نظر سمیت تمام اوصاف سے نوازتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہ صرف صوفیائے کرام بلکہ فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے ان گنت انسانوں نے اپنی اپنی سطح پر عشق کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوشش اس لئے کہ یہ صرف کوشش ہی ہو سکتی ہے چند ایک مثالیں دینے کی اجازت چاہوں

گا بالترتیب ملاحظہ فرمایئے

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ایک اشلوک دیکھئے فرماتے ہیں۔

فریدا ایسا ہوئے رہو، جیسا لکھ مسیت
پیراں ہیٹھ لتاڑیئے، کدے نہ چھوڑیں پریت

اور سلطان باہوؒ یوں گویا ہوتے ہیں۔

عشق جنہاں دے ہڈیں رچیا، رہن اوہ چپ چپاتے ہُو
لُوں لُوں دے وچ لکھ زباناں کرن اوہ گنگی باتے ہُو
کردے وضو اسم دا جیہڑے دریا وحدت نہاتے ہُو
تدوں قبول نماز ہوئی جد یاراں یار پچھاتے ہُو

بلھے شاہؒ عشق کے کس مقام کا تذکرہ فرماتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

توہیوں ہیں میں ناہیں سجناں، توہیوں ہیں میں ناہیں
کھولے دے پرچھاویں وانگوں، گھم رہیاں من ماہیں
جے بولاں توں نالے بولیں، چپ رہواں من ماہیں
جے سوواں توں نالے سونویں، جے ٹُراں توں راہیں
بلھیا! شوہ گھر آیا میرے، جندڑی گھول گھمائیں

اب دیکھئے عشق کے بارے میں مرزا رفیع سودا کیا فرماتے ہیں۔

رنگ سے چہرے کے رُسوا ہووے ہے بیمارِ عشق
عشق کو یارو چھپا سکتا نہیں انکارِ عشق
گاہ اشکِ تر، گہے خوں، گاہ ہیں لختِ جگر

اس طرح جاری ہے ان انکھیوں سے کاروبارِ عشق
گر کہیں عاشق ہے اے سودا تو میں تجھ سے کہوں
وہ عمل میں لائیو جو نیک ہو کردارِ عشق

(12)

باقی رہیانہ کجھ وے اڑیا!

آخر دا دم بجھ وے اڑیا
ساری عمر ونجائی آ اینویں باقی رہیا نہ کجھ وے اڑیا
دے تے آئے لتھو وپاری جیں تھوں لیتی آ وست ادھاری
جاں ترتھیندا ہی گجھ وے اڑیا
کہے حسین فقیر سائیں دا لجھ کلجھ نہ لجھ وے اڑیا

الفاظ و معنی:

دم ——— سانس
بجھ ——— معلوم کر
ونجائی ——— گنوائی۔ضائع کی
لتھو ——— اُترے، پہنچے، نازل ہوئے
وپاری ——— بیوپاری
وست ——— چیز۔سودا،مراد ہے زندگی
جاں ترتھیندا ——— جہاں تک ممکن ہو سکے، جو تیرے اختیار میں ہے
گجھ ——— چھپی ہوئی، پوشیدہ
لجھ ——— عزت
کلجھ ——— بے عزت
لجھ ——— تکرار و بحث

ترجمہ:

شاہ حسینؒ اس کافی میں بھی زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے بندے اپنے آخری وقت کو یاد رکھ ساری عمر تو نے ضائع کر دی ہے اور اب زندگی کا آخری وقت ہے یعنی بڑھاپا ہے اور تو نے کوئی نیک عمل نہیں کیا اور نہ ہی اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے کوئی چارہ کار اپنایا ہے۔ تیری زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے یعنی تیری روح قبض کرنے کے لئے عزرائیلؑ بھی آپہنچے ہیں اور یہ تیری ادھار لی ہوئی زندگی اب تجھ سے واپس لے لی جائے گی۔ اور تیرا راز کھل جائے گا۔ کچھ بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گا۔ تجھے حسین اللہ کا فقیر کہہ رہا ہے کہ اپنی آبرو رکھ لے نیک اعمال کر لے تاکہ نہ تو فرشتے سے تیری تکرار و سوال و جواب ہوں اور نہ ہی تجھے اپنے رب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

تشریح:

زندگی اللہ کی عطا ہے اور یہ اُسی کو لوٹانی ہے آج کل یا اس کے بعد آخر کار ایک دن اس زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، یہ امانت ہے، ادھار مانگی ہوئی شے ہے، جب تک ہمارے پاس ہے اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اور ہم یہ ذمہ داری کس حد تک نبھا رہے ہیں یہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ آج کل پر ٹال دینا ہماری عادت سی بن گئی ہے اور ہم اپنے آج کو بے معنی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، لایعنی کام کاج بے مقصد مصروفیت، مفاد پرستی ظاہری و باطنی ہر دو حوالوں سے محض ہوس کاریوں کا فروغ نیکی کے لئے نہ کوئی عمل نہ کوئی کاوش اور نہ ہی رجحان ہم نے زندگی حاصل کر کے کیسے گزاری، بوڑھے ہونے تک آج کل کرتے ہوئے کوئی نیک عمل نہ کیا۔ اپنے خالق کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زندگی صحیح معنوں میں گزر رہی ہے۔ ہم جس کام کے لئے منتخب کئے گئے جو کام ہمارے سپرد کئے گئے وہ ہم نے کئے ہی نہیں تو پھر ہم کیلئے لے کر اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے ہماری اُس کے سامنے کیا عزت ہوگی بہتر تو یہ ہے کہ نیک اعمال سے

اپنی زندگی کو سنوار لیں اپنے خالق کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اُس کی مزید نعمتوں کے حصول کے لئے کوشش کریں جو اُن نے اپنے نیک بندوں کے لئے بنا رکھی ہیں ــــــ مگر افسوس دُنیا کی لالچ ہمیں یہ نہیں کرنے دے گی اور اس میں ہم قصوروار ٹھہرتے ہیں کہ ہم خود ہی نہیں چاہتے کہ ہم نیک راستہ اختیار کریں اور اسی کشمکش میں وہ وقت بھی آن پہنچتا ہے جب ہمیں یہ زندگی لوٹا دینا ہوتی ہے۔

شاہ حسینؒ اور دوسرے صوفیا کے کلام میں جگہ جگہ زندگی کی بے ثباتی اور نیک اعمال کرنے کی تلقین ہے، ہر چند کہ زندگی کی اقدار اس سائنسی دور میں تیزی سے تغیر پذیر ہو رہی ہیں مگر اقدار کی تبدیلی سے زندگی کے بنیادی قواعد وضوابط کے رنگ وروپ میں کہیں فرق پڑتا دکھائی نہیں دیتا اس لئے ہمارے زندگی گزارنے کے انداز سے زندگی کی معنوی حیثیت میں کوئی مدوجزر پیدا نہیں ہوتا اگر ہم واقعی اس اہل نہیں کہ ادھار کی زندگی پر اثر انداز ہوسکیں تو کیوں نہ اپنے آپ کو زندگی کے بنیادی قواعد کے سپرد کردیں اور مالکِ حقیقی کے ہمارے لئے وضع کردہ اطوار پر اپنا سر جھکا دیں اور اُس کا شکریہ ادا کرنے میں دیر نہ کریں کہ ہمارے پاس وقت کی بہت کمی ہے۔ اور یہ وقت ہمیں دوبارہ کبھی نہیں ملنے والا۔ اور نہ ہی ہم اس حقیقت سے چھٹکارا پانے والے ہیں۔

یوں گزارو ہر ایک دن گویا
زندگی کا یہ آخری دن ہے!

(عارف عبدالمتین)

اور بقول بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

فریدا عمر سُہاوڑی، سنگ سوَنوی دیہہ
وِرلے کئی پائے، جھاں پیارے میہہ

واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت خوبصورت زندگی عطا کی ہے اور ہم میں سے بہت کم لوگوں نے اُس کی عبادت سے اسے سنوارا اور نہ بہتوں نے اسے ضائع کیا اور حسن و جوانی کے زعم میں اپنے رب کو بھول گئے۔

(13)

عشق محبت سوای جانن!

سجن دے ہتھ بانہہ اساڈی، کیوں آکھاں چھڈ وے اڑیا
رات اندھیری، بدل کنیاں، ڈاڈھے کیتا سڈ وے اڑیا
عشق محبت سوای جانن، پئی جہناں دے ہڈ وے اڑیا
کلر کھٹ نہ کھوہڑی، چنیا ریت نہ گڈ وے اڑیا
نت پیا بھرنا ایں چھٹیاں، اک دن جاسیں چھڈ وے اڑیا
کہے حسین فقیر نمانا، نین نیناں نال گڈ وے اڑیا

الفاظ و معنی:

سڈ ——— بلاوا
چنیا ——— باریک بیج وغیرہ
چھٹیاں ——— بوریاں

ترجمہ:

شاہ حسین کا فرمانا ہے کہ میرا ہاتھ میرے محبوب کے ہاتھ میں ہے اُسے کیوں کہوں کہ وہ اسے چھوڑ دے جب کہ اندھیری رات ہے اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی ہے مراد ہے کہ موسم ناگوار ہے ایسے میں اپنے راہبر کی راہبری میں ہی مجھے رہنا ہے کیوں کہ خالقِ حقیقی کا بلاوا آ گیا ہے۔ اور یہ ایسی محبت اور ایسا عشق ہے جسے وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس راہ سے گزرے ہوں یعنی "جس تن لاگے سو تن جانے" شور زدہ زمین میں کوئی بیج نہ بو کہ یہاں فصل نہیں ہوا کرتی ہے اور ویران جگہ پر کنواں کھودنا بے فائدہ ہے کہ اس سے کسی کو

کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ تیرا جسم بھی ایک بوری کی طرح ہے جس میں تو خواہش بھرتا چلا جارہا ہے ایک دن اچانک تجھے یہ سب چھوڑ کے جانا ہے اور دنیا کی کوئی شے تیرے ساتھ نہیں جانے والی۔ تجھے اللہ کا فقیر حسین جو نہایت عاجز بندہ ہے اس وقت بتا رہا ہے کہ دنیا کو چھوڑ اور سچی منزل کی طرف آ اپنے حقیقی محبوب سے آنکھیں چار کر اُس کی عبادت کر اُسی سے پیار کر اُسی کے عشق میں فنا ہو کہ تیری اصل زندگی اور اُس کی آسودگی تیرے اسی عمل میں پوشیدہ ہے۔

تشریح:

صوفیا نے دنیا کے معمولات اور رنگینیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو خالصتاً رب ذوالجلال سے عشق میں لگا دیا اور یہ امر بھی ڈھکا چھپا نہیں کہ اُنہوں نے ان راہوں پر گامزن رہتے ہوئے دوسرے انسانوں کے لئے جو نقش چھوڑے ہیں بہت سے لوگوں نے اُن سے استفادہ کیا اور ایسے مقامات تک رسائی حاصل کی جہاں پہنچ کر دنیاوی خواہشات کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہتا۔ اور بندہ نگاہ اُٹھاتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے نگاہ جھکاتا ہے تو بھی اپنے مالک حقیقی کو سامنے پاتا ہے نگاہ گھماتا ہے تو اپنے ہر سو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

شاہ حسین اس کافی میں اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ عشق محبت کے راستوں پر چلنے والے ہی اُس کی لطافتوں اور رعنائیوں سے محظوظ ہو سکتے ہیں یہ وہ نظارہ نہیں جو کنارے پر کھڑے ہونے سے نظر آجائے اس کے لئے سمندر میں غوطہ زن ہونا ضروری ہے اور یہ اتنا آسان کام بھی نہیں کہ ہر کوئی اسے آسانی سے کرنے لگے یہ صرف توفیق الٰہی کے طفیل ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ بندہ دنیاوی نعمتوں سے کنارا کشی اختیار کر لے اور اپنے آپ کو اُن نعمتوں کا اہل ثابت کرے جو اللہ نے اپنے خاص بندوں کے لئے انعام کے طور پر رکھی ہوئی ہیں۔ مگر اس کے برعکس ہم دنیا کی رنگینیوں، لذتوں کے عادی بنتے جارہے ہیں اور یہ صرف اسی لئے ہے کہ ہم نے وہ رنگینیاں اور لذتیں نہیں دیکھیں

جوان سے کئی ہزار گنا اعلیٰ وارفع ہیں کیوں کہ ہم اس طرف آئے ہی نہیں ہم نے دنیا میں جو کچھ دیکھا اسی کو کُل تصور کر لیا اور کچھ بہتر اور اچھا حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت نہ کی، سہولیات کے عادی ہو گئے لالچ، ہوس، مفاد پرستی ہماری سوچ کا حصہ بن گئے اور ہم بھول گئے کہ ہمیں کیا کرنا ہے ہم اپنے ہر فعل کو درست گردانتے رہے اور اُس اللہ کی عبادت سے اپنے آپ کو موڑ لیا جو ہمیشہ ہم پر رحم کرتا ہے ہماری تکسیریں معاف فرماتا ہے اور ہم عیش و آرام کی زندگی میں یہ بھی بھول گئے کہ ہمیں کن فرائض کی انجام دہی کے لئے پیدا کیا گیا، لالچ میں ہم نے سب کچھ اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور اس بات کا دھیان نہ رکھا کہ یہ سب کچھ جو آج ہماری شان و شوکت کی دلیل ثابت ہو رہا ہے وہ یہیں رہ جانے والا ہے۔ اور اللہ کے حضور ان میں سے کوئی شے ہماری سرخروئی کا سبب نہیں بنے گی سوائے ہمارے نیک اعمال کے۔ نیک اعمال جو ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے ضرورت مند، پریشان حال، اور بے بس لوگوں کا خیال رکھنے کے متقاضی ہیں۔ ہمارے تکبرانہ ٹھاٹھ ہمیں ہمیشہ وہ کچھ حاصل کرنے سے روکتے ہیں جو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے واقعی ہماری اشرفیت کا خاصہ ہے۔ ہمیں اپنے رب کے حضور اپنے نیک اعمال پیش کرنا ہوں گے کہ ہم بھرم رکھ سکیں اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا اور ایسا تب ہی ممکن ہے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں اور اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ ہمیں اپنے بھائیوں اپنے ہم عصروں کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ یہ احساس ہمیں خود کرنا ہے نہ کہ دوسرا کوئی یہ احساس ہمیں دلوائے کہ ہمارے اردگرد ایسے عوامل ہمہ وقت ظاہر ہوتے رہتے ہیں جو ہمیں نیک منازل کی بشارت دیتے ہیں مگر ہم خود ہی اُن سے چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اپنے اس عمل کو احسن قرار دیتے ہوئے اپنی اصل صلاحیتوں کے خانے سے نکال باہر پھینکتے ہیں ——— ذرا غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر مہربان ہے ہماری سوچوں سے کہیں زیادہ رحیم و کریم ہے اُس نے ہم میں سے ہر شخص کو وہاں پیدا فرمایا جہاں اُس کے اردگرد نیکیاں کرنے کے بے شمار مواقع پیدا فرما دیئے تاکہ بندہ نیکیوں کی طرف آئے اور اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے بہ الفاظ دیگر ہمارے لئے نیکیاں بھی وہی پیدا فرماتا ہے تاکہ ہم نیکیاں

کر کے اُس کی بخشش کے اہل ہوسکیں۔ کیسا اعلیٰ خالق ہے ہمارا کہ ہماری بخشش کے بہانے تلاش کرتا ہے اور ہمیں سمجھاتا ہے کہ یہ بھی نیکی کر یہ اچھا کام بھی کر اور ہم ——— کاش ہم سنبھل جائیں اور سیدھے راستے پر آجائیں جو ہمارے رب اور اُس کے بھیجے گئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا اور ہمیں قرآنِ پاک کی صورت میں رہنمائی کے لئے ایسی پُرنور شمع عطا فرمادی کہ ہم جب چاہیں اپنے ذہن و دل اور آنکھوں کی تاریکیاں اس سے مٹا سکتے ہیں مگر ہم کب چاہیں گے جب وقت گزر چکا ہوگا۔ جب ہمارا بلاوا آجائے گا جو موقع اُس کی رحمت اور فضل سے آج ہمیں میسر ہے ہم اُسے ضائع کرنے پر تلے ہوئے ہیں ہم نے آنکھیں بند کر لی ہیں اپنے چاروں سمت سے ہم کچھ دیکھنا اور محسوس کرنا نہیں چاہتے ہم یہ سوچنا ہی نہیں چاہتے کہ یہ موقع ہمیں کبھی پھر نہ ملے گا آج ہم اپنے اللہ کی نعمتوں کا شکر تک ادا نہیں کرتے تو کل ہم اُس کی مزید نعمتوں کے حق دار کیسے ہوسکیں گے۔ آیئے ہم اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں اور اپنے سچے محبوب کی طرف اُس کے عطا کردہ وسیلوں کے ذریعے اپنے دل و دماغ مبذول کر دیں کہ وہی ہمارا بخشن ہار ہے اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

نام کی تختی لگی رہ جائے گی دیوار پر
اور گھر کو چھوڑ کر اک دن چلا جاؤں گا میں

(یوسف مثالی)

(14)

ساتھوں وی کُجھ ہتھ لے!

گاہک ویندا ای کُجھ وٹ لے
آیا گاہک مُول نہ موڑیں، ٹکا پنجاہا گھٹ لے
پیئڑے دن چار دہاڑے، ہر ول جھاتی گھت لے
بابل دے گھر داج وِہونی، دڑ بڑ پُونی کت لے
ہورناں نال ادھار کریندی، ساتھوں وی کُجھ ہتھ لے
کہے حسین فقیر نمانا، ایہہ شاہاں دی مت لے!

الفاظ و معنی:

ویندا — جارہا ہے
وَٹ لے — کما لے
ٹکا پنجاہا — مراد تھوڑا سستا۔ کم قیمت
پیئڑے — میکے۔ باپ کا گھر
ہَر — اللہ تعالیٰ
جھاتی — توجہ۔ دھیان
وِہونی — علاوہ۔ کے بغیر
دڑ بڑ — جلدی سے
ہتھ لے — لے لے۔ موقع سے فائدہ اُٹھائے
شاہاں دی مت — اللہ والوں کی نصیحت

ترجمہ:

قدرت کی طرف سے ہمیں نیک اعمال کرنے کے لئے مواقع فراہم کئے گئے ہیں شاہ حسینؒ ہمیں انہیں موقعوں سے فائدہ اُٹھانے کی طرف توجہ دینے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ جسے وہ گاہک کے روپ میں دیکھ رہے ہیں اور ہمیں بتا رہے ہیں کہ اس گاہک سے جو بھی کچھ حاصل ہوتا ہے ہمیں حاصل کر لینا چاہیے زندگی کے یہ چار دن اگر ہماری کوتاہیوں کی نذر ہو گئے تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے ہمیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا ہمیں اپنے رب کی طرف دھیان دینا چاہیے اور جو وقت ہمیں ملا ہے اُسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ شاہ حسینؒ ہمیں دنیا کی ریت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ یہ دنیا لوگوں کو ادھار سودا دے کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور ادھار سودا دینا لالچ دینے کے مترادف ہے۔ میں حسینؒ اللہ کا عاجز بندہ تجھے ایک قیمتی مشورہ دے رہا ہوں اسے قبول کر لے تو تیرا فائدہ ہوگا اور یہ مشورہ نقد ہے اس میں ادھار (لالچ) والی کوئی بات ہے ہی نہیں جو تجھے نقصان دے سکے اس میں نفع ہی نفع ہے کیوں کہ میرا مشورہ تجھے تیرے رب کے آگے سر بسجود ہونے کا ہے۔ جہاں سے کبھی کوئی گھاٹا نہیں اور یہ وہ واحد جگہ ہے جہاں سر کو جتنا جھکائے گا اُتنی ہی سر بلندی اور افتخار سے فیض یاب ہوگا۔

تشریح:

شاہ حسینؒ اس کافی میں بھی یہی درس دیتے ہیں کہ اپنے ہاتھ آیا موقع نہیں گنوانا چاہیے اور جو نیکی ہو سکتی ہو اُسے فوراً کر لینا چاہیے چونکہ دنیا داروں کو دنیا داروں کی زبان میں ہی بات صحیح طور پر سمجھ آتی ہے اس لئے شاہ حسین کی کافیوں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ دنیا والوں کی زبان اور دنیا داری کے تلازموں اور تشبیہات و استعاروں کو استعمال کرتے ہوئے تصوف اور معرفت کے معنی اور پرتو سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں۔ گویا مختصراً یوں کہہ لیجیے کہ شاہ حسینؒ کا اصل فن خالصتاً دنیاوی اصطلاحات سے تصوفانہ معنویت کشید کرنا ہے۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب عام آدمی کی سطح کا بغور مطالعہ کیا جائے اور اُس کے

ہر پہلو کو پوری طرح جانچا پرکھا جائے جس کے لئے انہیں لوگوں میں رہنا اُسی ماحول میں پروان چڑھنا اور اپنے چاروں طرف پھیلی الائشوں سے اپنے آپ کو محفوظ بھی رکھنا واقعی کڑی ریاضت کے زمرے میں آتا ہے ——— کڑی ریاضت جو ایک مضبوط دل اور شعور سے معمور ذہن کی دلیل ہے۔ اور شاہ حسینؒ اپنی کافیوں سے ہمارے یقین کو دم بدم مزید پختگی عطا کرتے چلے جاتے ہیں کہ اُنہوں نے تجرباتی ومشاہداتی دونوں صورتوں میں دنیاوی صورتِ حال کو کھنگالا اس صورتِ حال سے ہمیں وہ معنی سمجھائے جو اُن کے باطن میں تھے اور جو ظاہری طور پر ہر آدمی کے سامنے نہیں جس سے شاہ حسینؒ کی باطنی کیفیت سے شناسائی بھی ہوتی ہے اور ہمارے سامنے سیدھی راہ تلاش کرنے کے لئے ہمارے مزاج کے مطابق نئے راستے بھی بنتے نظر آتے ہیں۔ اور بلاشبہ اُن کا یہ عمل ایک نیک عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ اس سے متاثر ہوتے ہوئے ہم کم از کم اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کے خواہ وقتی طور پر ہی سہی کوشش ضرور کر سکتے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ یہ کوشش وقتی نہ رہے اور شاہ حسینؒ کا یہ عمل صدقۂ جاریہ کے روپ میں ہماری زندگیوں میں بہتری لانے کی سبیل بن جائے۔ اور ہم آئندہ اسی طرح سوچیں اُسی طرح عمل کریں اور اپنے آپ کو انسان کی خدمت اور اُس کی بھلائی کے لئے وقف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کے نیک بندوں کی فہرست میں شامل ہو جائیں۔

(15)

کون کہے توں دانا!

کدی سمجھ ندانا! گھر کتھے ای سمجھ ندانا
آپ کمینہ، تیری عقل کمینی، کون کہے توں دانا
ایہنیں راہیں جاندے ڈٹھڑے، میر، ملک، سلطانا
آپے مارے تے آپ جیوالے، عزرائیل بہانا
کہے حسین فقیر سائیں دا، بن مسلت* اُٹھ جانا

الفاظ و معنی:

ندانا ـــــــ ناسمجھ، نادان
ایہنیں راہیں ـــــــ مراد عدم کی راہ پر۔ یعنی مرتے ہوئے
ڈٹھڑے ـــــــ دیکھے
جیوالے ـــــــ زندگی دے۔ زندہ کرے
مسلت ـــــــ ''مصلحت''۔ نیک مشورہ بہتری، بھلائی

ترجمہ:

دنیا عارضی ہے جسے بہر حال چھوڑ کر جانا ہے اے ناسمجھ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر کہ یہ تیرا مستقل ٹھکانہ نہیں بلکہ تجھے یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ تیری ناسمجھی کمینگی کی حد تک

* مسلت: کافیاں شاہ حسین (پاکستان پنجابی ادبی بورڈ) میں بھی یہ لفظ پنجابی زبان کے حوالے سے ایسے ہی لکھا گیا ہے اصل لفظ مصلحت جو عربی زبان کا لفظ ہے۔ پنجابی زبان میں آ کر اپنی املا کے اعتبار سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ معنوی لحاظ سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

ہے اور اس لئے ہے کہ تو خود نیچ ہے تجھے عقل مند کون کہے گا کہ تو نے اس عارضی زندگی کو مستقل جان لیا ہے اور نیکیوں کو اپنے آپ سے دور کیا ہے اپنے اعمال نامے میں کوئی اچھا عمل درج نہیں کیا اور کیا تجھے خبر نہیں کہ تیری کچھ بھی حیثیت نہیں موت کا ذائقہ تو ہر ایک نے چکھنا ہے خواہ وہ سلطان، امیر ہے یا غریب یہ ہر ایک کا مقدر ہے اور یہ اختیار صرف اور صرف قادر مطلق کو ہے جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے وہ خود ہی زندگی دینے والا ہے اور خود ہی موت دینے والا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اسی نے اس کام سے لگایا ہوا ہے اور ہم عزرائیلؑ کو موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ایسا نہیں ہے یہ اللہ کا فقیر تمہیں بتا رہا ہے کہ کوئی نیک عمل کرلو ایسا نہ ہو کوئی بھلائی کئے بغیر تم دنیا سے اُٹھ جاؤ اور اپنے اصلی گھر پہنچ کر تمہیں شرمندگی کا سامنا ہو۔

تشریح:

زندگی اور موت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے زندگی عطا کرے اور جسے چاہے عزرائیل کے ذریعے واپس بلا لے وہیں جہاں سے وہ آیا ہے۔ اور اللہ ہی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ مار کے دوبارہ زندہ کر سکے۔ اس سے پیشتر انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا اصلی گھر کون سا ہے جس دنیا میں وہ اپنا دل لگائے ہوئے ہے یہ عارضی ہے اُسے یہاں سے واپس لوٹ کر جانا ہے اور اپنی ہمیشہ کی زندگی کے حوالے ہونا ہے۔ اُس کا یہ سمجھنا کہ وہ کبھی نہیں مرے گا اُس کی بھول ہے کہ یہ ذائقہ تو ہر ایک نے چکھنا ہے۔ یہ عارضی زندگی جو ایک امتحان گاہ ہے اور ہم سب ایک امتحان دینے کی غرض سے یہاں بھیجے گئے ہیں جس کی تیاری کے لئے ہمیں سوالات تک بتا دیئے گئے ہیں اور ہم نالائق پھر بھی تیاری نہیں کر رہے۔ تو کس اُمید پر کامیابی سے ہمکنار ہوں گے اور فیل ہونے کی صورت میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب کہ مزید کوئی موقع حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور اس موقع کو گنوا دینا دانائی نہیں۔ اور یہ بات ہمیں شاہ حسینؒ ہی نہیں ہر بھلا مانس سمجھا رہا ہے۔

آیئے دیکھیے بابا فریدالدین گنج شکرؒ کن الفاظ میں ہماری رہنمائی فرما رہے ہیں

جے توں عقل لطیف ہیں، کالے لکھ نہ لیکھ
آن پڑے گریوان میں، سر نیواں کر کے دیکھ

واقعی ہمیں اپنے خالق حقیقی سے ملنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے اور دیکھ لینا چاہیے کہ ہم نے اپنے نامۂ اعمال میں کیا لکھا ہے۔

اور بلھے شاہؒ یوں فرماتے ہیں۔

پیارے بن مصلحت اُٹھ جانا
توں کدی تے ہو سیانا
کر کے چاوڑ چار دہاڑے
تھیسیں انت نمانا
ظلم کریں تے لوک ستاویں
چھڈ دے ظلم کمانا
جس جس دا وی مان کریں توں
سو ای ساتھ نہ جانا
شہر خموشاں دیکھ ہمیشہ
جس وچ جگ سمانا

(16)

جاں بولاتاں ماری!

سائیں میں واری آں وو، واری آں وو، وار ڈاری آں وو
چپ کراں تاں دیون طعنے، جاں بولاں تاں ماری آں
اِکناں کھنی توں ترساویں، اک ونڈ دیندے نی ساریاں
اِکناں ڈھول کلاوے نی، اک کنتاں باجھ بچاریاں
اوگن ہاری نوں کو گن ناہیں نت اٹھ کر دی زاریاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، فضل کرے تاں تاری آں!

الفاظ و معنی:

ڈاری ــــ اُڑنا
کھنی ــــ روٹی
ڈھول ــــ محبوب
کلاوے ــــ بغل میں، بانہوں میں
کنتاں ــــ خاوند۔ پیارے
اوگن ہاری ــــ گناہ گار، خطا کار
گن ــــ سلیقہ، ہنر، خوبی
زاریار ــــ رونا دھونا۔ فریاد
تاریاں ــــ کامیاب۔ منزل پر پہنچنا

ترجمہ:

اے میرے رب، میرے مالک میں تجھ پر قربان ہو جاؤں اور یوں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اگر میں بولتا ہوں تو مارا جاتا ہوں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو لوگ طعنے دیتے ہیں، کچھ لوگ تو روٹی کے لئے ترس رہے ہیں اور کچھ لوگوں کے پاس بے بہا اناج ہے۔ کئی دوسروں کی بھوک مٹانے والے ہیں کئی لوگ اپنے محبوبوں کے پاس ہیں اور کئی اپنے محبوب اور پیارے کے بغیر بے بس اور پریشان حال ہیں۔ میں جسے کوئی سلیقہ یا ہنر نہیں آتا اور مجھ گناہ گار میں کسی قسم کی خوبی نہیں ہمیشہ اُٹھ اُٹھ کر آہ وزاری کرتا ہوں اور اپنا دکھڑا روتا رہتا ہوں، حسینؒ جو اللہ کا عاجز بندہ ہے کہتا ہے کہ اے خالق! میں ناچیز جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ میں کسی میدان میں کامیاب ہو سکوں۔ میری کامیابی بس تیرے فضل سے ہو سکتی ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے کرم سے ہی ہمارے تمام وسائل ہمارے ہیں ہمیں ہر لمحہ ہر قدم اُس کے وسیلے اور سہارے کی ضرورت ہے کہ وہ مختارِ کل ہے، ہر شے پر قادر ہے پھر اُس کے حکم کے بغیر کوئی بھی شے ہمارے لئے کیسے وسیلہ بن سکتی ہے۔

ترے کرم نے سنبھالا ہوا ہے ربِّ کریم
کھڑا ہوا ہوں جو بپھرے ہوئے سمندر پر

(یوسف مثالیؔ)

ہم کیسے کسی مدِ مقابل قوت کا سامنا کر سکتے ہیں جب تک کہ ہمارا پروردگار ہمیں حوصلہ نہ عطا کر دے۔ شاہ حسینؒ اپنی اس کافی میں اسی راز سے پردہ اُٹھا رہے ہیں کہ انسان کی حیثیت ایک ذرے سی بھی نہیں اگر وہ کچھ ہے تو اپنے اللہ کے کرم سے، بندے کی تمام کامیابیاں اُسی کی طرف سے ہیں اور جو لوگ اپنے حقیقی محبوب کے پاس ہیں اُنہیں ہر طرح کی آسودگی میسر ہے اور اس کے برعکس جو اپنے محبوب سے دُور ہیں پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں مراد ہے کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے قرب سے فیض یاب ہیں اُس کی عبادت

کرتے ہیں، اُسے یاد کرتے ہیں اور اُس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں بے شک وہی لوگ مراد پالینے والے ہیں اور جو گناہ گار، خطا کار غیر سلیقہ مند (ظاہر ہے یہ نقائص اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے حوالے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں) ہیں وہ نامراد ہیں۔ شاہ حسینؒ اس صورتِ حال کا مطالعہ کرتے ہوئے انتہائی عجز سے اپنے رب کے حضور دعا گو ہیں اور آرزو مند ہیں کہ میری اس دنیا سے رخصتی تجھ پر قربان ہونے کی صورت میں ہوتا کہ میں تیرے حضور سرخرو ہوسکوں علاوہ ازیں مندرجہ بالا کافی اللہ رب العزت کی قدرت اور اختیارات کے حوالے سے ہمارے سامنے ایسے مناظر پیش کرتی ہیں جو خوشی وغم سے عبارت ہیں۔ اور خوشی وغم دو ایسی حقیقتیں ہیں جنہیں زندگی کے دو پلڑے کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہماری تمام تر خواہشات، معمولات، جذبات یا یوں کہہ لیجئے کہ ہمارے وجود کے تمام تر جزیات مرئی وغیر مرئی انہی دو پلڑوں میں رہتے ہیں۔ ہمارے محسوسات نے کبھی دایاں پلڑا جھک جاتا ہے کبھی بایاں۔ اور یوں بقول شاہ حسینؒ "کبھی ہم روٹی کو بھی ترستے ہیں اور کبھی ہمارے پاس ہماری ضروزیات سے بڑھ کر بھی ہوتا ہے جو ہمیں دوسروں میں تقسیم کرنا ہوتا ہے ——— ذرا غور فرمایئے تو واقعی زندگی کی حقیقت یہی کچھ لگتی ہے۔ تو پھر ہمیں کیوں نہ مان لینا چاہیے کہ پاک پروردگار ہی کی رضا سے ہمارے معمولاتِ زندگی ہیں اس ضمن میں بلھے شاہؒ کی ایک کافی بھی ملاحظہ فرمایئے۔

وہ کہتے ہیں

توہیوں ہیں میں ناہی سجناں، توہیوں ہیں میں ناہیں
کھولے دے پرچھادیں وانگوں، گھم رہیاں من ماہیں
جے بولاں توں نالے بولیں، چپ رہواں من ماہیں
جے سونواں تو نالے سونویں، جے ٹراں توں راہیں
بلھیا! شوہ گھر آیا میرے جندڑی گھول گھمائیں
توہیوں ہیں میں ناہیں سجناں، توہیوں ہیں میں ناہیں

(17)

ویکھن نوں من تاپے!

نی سیّو! مینوں ڈھول ملے تاں جاپے
برہوں بلائے گھتی تن اندر، آپے ہوئی آپے
بال پنا میں کھیڈ گوایا، جوبن مان بیاپے
شوہ راون دی ریت نہ جانی اس سنجے ترناپے
عشق وچھوڑے بالی ڈھانڈی، ہر دم مینوں تاپے
سکن دُور نہ تھیوے دل توں، ویکھن نوں من تاپے
کہے حسین سہاگن سو ای، جاں شوہ آپ سنجاپے

الفاظ ومعنی:

جاپے ـــــ معلوم ہو۔ پتا چلے
برہوں ـــــ جدائی۔ بچھڑنا
گھتی ـــــ داخل ہوگئی
بال پنا ـــــ بچپن
راون ـــــ منانا۔ رجھانا
ریت ـــــ طریقہ
سنجے ـــــ ویران
ترناپے ـــــ جوانی
ڈھانڈی ـــــ الاؤ۔ آگ کے شعلے

بِکن ـــــــ دُکھ

من تاپے ـــــــ دل کی شدید خواہش، دل سُلگے

سنجاپے ـــــــ پہچانے۔ تسلیم کرے۔ مانے

ترجمہ:

سکھیو! میرا محبوب مجھے ملے تو مجھے معلوم ہو کہ میرے اندر ہجر کی آگ بھڑک رہی ہے میرا بچپن کھیلنے کودنے میں گزر گیا یعنی جس نے اپنے اللہ کی یاد سے اپنے آپ کو بیگانہ رکھا اور جوانی مان اور مغروری میں گذار دی اپنے محبوب کو راضی کرنے کی رِیت نہ جانی نتیجہ عشق کے الاؤ نے پوری طرح مجھے گھیرے میں لے لیا اور میں پل پل اس میں جلنے لگا۔ اور اب یہ حال ہے کہ دکھ دل سے دُور نہیں ہوتا اور محبوب کو دیکھنے کی خواہش دل میں سُلگ رہی ہے، روح بے چین و بے حال ہے شاہ حسین نے صحیح کہا ہے کہ سہاگن وہی ہے جس کا محبوب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرلے۔ اُسے سہاگن ہونے کے اعزاز سے مالا مال کر دے۔

تشریح:

میں ترے ہونے سے ہوں، تیرے نہ ہونے سے نہیں

تُو حوالہ بھی ہے میرا، اور مری پہچان بھی!

(یوسف مثالیؔ)

آپ یقینی طور پر شاہ حسینؒ کی اس کافی کے مکمل اثرات کے احاطے میں ہونگے اور اس میں اُس کردار کی نمائندگی کر رہے ہوں گے جس پر وہ کیفیت وارد ہو رہی ہے جس کا ذکر شاہ حسینؒ مندرجہ کافی میں کر رہے ہیں۔ اور ہم آپ اس امر سے بھی بخوبی آشنا ہیں کہ کائنات میں ہمارا وجود کسی دوسرے وجود کے ہونے کی دلیل ہے اور کوئی دوسرا وجود ہمارے ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے ہم اس لئے ہیں کہ کوئی ہمارے مدِ مقابل ہمیں ہمارا احساس دلوانے والا ہے اگر وہ نہیں ہے تو ہم بھی نہیں ہیں اور اگر ہم نہیں ہیں تو پھر کیا ہے۔ اسی نازک

صورتِ حال کی تہہ در تہہ گہرائیوں میں اُترتے جایئے اور دیکھتے جایئے کہ ہر دوسری شے آپ کو ایک یقین فراہم کرتی ہے اور یقین موجودگی ہے ——— شاہ حسینؒ کافی کے آغاز میں مندرجہ بالا اسی فلسفے ہی کی بنیاد رکھتے محسوس ہوتے ہیں جو زیرِ نظر وضاحت کا متقاضی ہے بے شک اللہ رحیم و کریم ہے۔ ہر چند کہ ہم اُس کے بندے ہوتے ہوئے بھی اُس کی عبادت، شکر اور اُس کے سامنے جھکنے سے اجتناب کرتے ہیں ہمارا یہ اجتناب ہماری ہوس کاری، دنیاوی نمود و نمائش، غیر ضروری احتیاجات اور نفسانی خواہشات کی بدولت ہے۔ جس کے تحت ہم اپنی اصلیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اپنے فرائض سے مُنہ موڑتے جا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بھی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو پاتا اور اپنی بعد کی زندگی جس کو سنوارنے کے لئے ہمیں موقع دیا گیا ہے وہ بھی سنور نہیں پاتی۔ حالانکہ اللہ کے دین سے ہمیں قدم قدم پر رہنمائی حاصل ہوتی رہی صوفیا نے دینِ الٰہی کی روشنی سے ایسے چراغ روشن کئے جو ہمیں راستہ دکھانے کے لئے ہمہ وقت خود جل رہے ہیں مگر ہمیں احساس ہو تب نا ——— ہم از خود اپنے مقامات کا تعین کرتے ہوئے ایک دوسرے پر فوقیت تسلیم کر لیتے ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ ہمارا مالک، خالقِ حقیقی ہمیں کسی مقام سے نواز نہ دے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقامات عطا کئے جاتے ہیں اور صوفیا کے نزدیک یہ مقامات اللہ تعالیٰ کا قرب ہے جو اُن کو عشقِ ربی کے اعزاز سے منور کرتے ہوئے غیر یقینی صورتِ حال سے نکلنے میں مدد دیتا ہے۔ اور اُس پچھتاوے کا شدید احساس دلاتا ہے۔ جس کے تحت وہ دنیاوی آلائشوں سے چھٹکارا پانے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کئی صوفیا نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان خیالات سے آپ بھی اپنے دل و روح کو معطر فرمایئے:

ساقی، گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تُو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

کچھ اس چمن میں آ کے نہ دیکھا میں جوں حباب
آبِ رواں کو سیر کیا سو بھی اک نفس

(مرزا محمد رفیع سودا)

تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام
میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا!

(اکبر الٰہ آبادی)

عشق چلایا دل اسماناں فرشوں عرش دکھایا ہُو
روہ نی دُنیا ٹھگ نہ سانوں، ساڈا جی گھبرایا ہُو
اسیں مسافر، وطن دوراڈا، گوڑا لانج لایا ہُو
مر گئے جو مرنے تھیں پہلے تنہاں رب نُوں پایا ہُو

(سلطان باہوؒ)

جے جاناں مر جایئے، گھُم نہ آیئے
جھُوٹھی دُنیا لگ نہ آپ ونجایئے!

(بابا فرید الدین گنج شکرؒ)

(18)

قلم ربانی وگی!

مینڈی دل تینڈے نال لگی
توڑی نہ ٹٹدی، چھوڑی نہ چھٹدی، قلم ربانی وگی
سائیں دے خزانے کھلے، اساں بھی جھولڑی اڈی
کچرک بالیں عقل دا دیوا، برہوں انھیرڑی وگی
کوئی ۔میری، کوئی دولی، شاہ حسینؒ پھسڈی!

الفاظ و معنی:

مینڈی ــــــ میری
تینڈے ــــــ تجھ سے، تیرے ساتھ
قلم ربانی ــــــ اللہ تعالیٰ کا حکم، تقدیر کا لکھا
وَگی ــــــ چلی ۔یہاں مراد ہے لکھا گیا
جھولڑی ــــــ جھولی ۔دامن
اڈی ــــــ پھیلائی ۔کوئی چیز حاصل کرنے کے لئے دامن آگے بڑھانا
کچرک ــــــ کب تک
انھیرڑی ــــــ آندھی
میری ــــــ ایک نمبر پر، سب سے آگے
دولی ــــــ دوسرے نمبر پر
پھسڈی ــــــ سب سے آخر میں ۔آخری

ترجمہ:

میرے محبوب، میرے اللہ میرا دل تیرے ساتھ لگ گیا ہے مجھے تجھ سے شدید محبت ہوگئی ہے جو توڑنے سے نہ ٹوٹے گی اور نہ ہی اُسے چھوڑنا ممکن ہے کیوں کہ یہ میری تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ میرے اللہ کے خزانے کھلے ہوئے ہیں اور میں نے بھی اپنا دامن پسارا ہوا ہے کہ اُس کی رحمت کے کچھ پھول میرے دامن میں بھی گرنے والے ہیں۔ کب تک عقل کا چراغ جلتا رہے گا کہ جدائی کی آندھی چل رہی ہے کوئی سب سے آگے ہے کوئی اُس سے پیچھے مگر میں شاہ حسینؒ سب سے آخر پر ہوں میری باری سب سے آخر میں ہے اور مجھے جانے کی جلدی ہے۔

تشریح:

سچا عشق جو قدرت کی عطا ہے اور جس دل میں اس کی جوت جل جائے اس کے اردگرد کی تاریکی بھی نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور ایسے میں یہ تعلق کون توڑنا چاہے گا۔ کس کے اختیار میں ہے کہ اس رشتے سے مُنہ موڑ لے پھر یہ تو تقدیر کا لکھا ہے۔ اور تقدیر کا لکھا ہوا تبدیل نہیں ہوا کرتا اور میرا رب تو غفور الرحیم ہے اُس کے خزانے اپنے بندوں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں اسی لئے تو میں نے بھی اپنا دامن بڑھایا ہوا ہے کہ وہ اپنی رحمتیں، محبتیں میری جھولی میں بھی ڈال دے۔ اور یہ عشق ہی کی طفیل ہے۔ عشق جو عقل کے آگے کی منزل ہے۔ جہاں تمام سوچیں مفقود ہو جاتی ہیں اور بس اپنے محبوب کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ محبوب جو واقعی اسی قابل ہے کہ اُس کی حمد وثنا سے کائنات کی ہر نعمت سے فیض یاب ہوا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور اُس کے فضل وکرم کی بدولت کسی کا عشق بہت زیادہ شدت اختیار کر چکا ہے وہ اُس سے ملنے کے لئے سب سے زیادہ بے تاب ہے اور کوئی اُس سے ذرا کم ہے وہ اُس کے بعد اپنے محبوب کے دیدار کی دولت سے مالا مال ہوگا اور میں جو بے چارگی کی آخری منزل پر ہوں میرا عشق اُس درجہ کمال پر نہیں ہے کہ میں سب

سے آگے ہو جاؤں یا دوسرے نمبر پر، میں تو سب سے آخر پر ہوں میری باری سب سے آخر میں ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ میرا عشق ابھی اپنے عروج پر نہیں پہنچا مجھے اس عشق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے رب کی اور عبادت کرنی چاہیے۔ اُس کے حکم پر سر تسلیم خم کرنا چاہیے رات دن اپنے آپ سے بے نیاز بس اُسی کے سامنے سجدہ میں گرے رہنا چاہیے تا کہ میں بھی اوّلیت حاصل کر سکوں میں بھی برگزیدہ لوگوں میں اپنا شمار کروا سکوں۔

شاہ حسینؒ کی یہ کافی ہمیں عشق حقیقی کے اُن لوازمات سے آشنا کرتی ہے جن کی وساطت سے رب العزت کی خوشنودی حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہونے کے امکانات واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ امکانات اللہ تعالیٰ کے حسن سے مزین اور اُس کی رحمتوں سے مرصع ہونے کے ناطے اُسکے بندوں کے اُس سے عشق کی تکمیل کا ذریعہ ہیں جو اُس کی عطا کردہ توفیق سے ہی انسانی سوچوں کی رسائی کے احاطے میں جھلملاتے دکھائی دے سکتے ہیں جس کیلئے صوفیا نے اپنی اپنی بساط اور توفیق ربی کے تحت ریاضت کی، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن ہو کر انسانیت کی بھلائی، دین کے پرچار نیکی و بدی میں فرق اور ایک اللہ کی عبادت کا لوگوں میں شعور پیدا کیا۔ جس سے نہ صرف انسان کی عاقبت سنوری بلکہ دنیا میں بھی عزت و وقار نصیب ہوا اور یہ بات تو طے ہے کہ جو اپنے رب کیلئے کوئی کام سرانجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے تمام امور کو بہترین انداز سے باآسانی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جس کے کسی کام کا ذمہ اللہ تبارک وتعالیٰ لے لے اُسے پھر کیا چاہیے مگر یہ مقام نصیبوں والوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور نصیب والے تو اللہ کے عاشق ہی ہو سکتے ہیں اُسکے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی اور دین الٰہی سے سرشار ہی ہو سکتے ہیں۔ اور شاہ حسینؒ اپنے انکسار کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے آپکو اس قطار میں آخری بندہ تصور کر رہے ہیں جو عجز کی بہترین مثال قرار دیا جا سکتا ہے عجز جو کہ اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے جس کے تحت ہم اُن لطافتوں سے اپنے آپکو منور پاتے

ہیں جو اللہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔ اور پھر ایک عاشق پکار اُٹھتا ہے۔

دین و دنیا میں تُو ہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے

(میر درد)

(19)

اسی نیناں دے آکھے لگے!

نی سئیو! اسی نیناں دے آکھے لگے
جیہناں پاک نگاہاں ہویاں، کہیں نہ جاندے ٹھگے
کالے پٹ نہ چڑھے سفیدی، کاگ نہ تھیندے بگے
شاہ حسینؒ شہادت پائیں مرن جو متراں اگے

الفاظ و معنی:

سئیو ——— سہیلیوں، سکھیو، دوستو
آکھے ——— کہنے، بات مان لینا
ٹھگے ——— لٹے
پٹ ——— ریشم

ترجمہ:

اے ساتھیو ہم ان آنکھوں کے بہکاوے میں آ گئے جن کی آنکھیں پاک ہوتی ہیں وہ ہماری طرح لٹتے نہیں ایسے ہی جیسے سیاہ ریشم پر سفید رنگ نہیں چڑھتا اور کوے کبھی بھورے یعنی سفیدی مائل نہیں ہوتے، شاہ حسینؒ تو یقیناً شہادت کا درجہ پا لے اگر تو محبوب کی خاطر اپنی جان دیدے اُس پر قربان ہو جائے۔

تشریح:

جب آنکھیں ملتی ہیں تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے لئے ایک ایسا جذبہ بیدار ہوتا ہے جو زندگی کی رعنائیوں سے اپنے محبوب کا سنگھار کرنا چاہتا ہے

اور ہمہ وقت اُسے اپنی آنکھوں میں بسائے رکھنے کی ضد کرتا ہے۔ شاہ حسین اسی جذبے کی شدت کا احساس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم بھول گئے ہیں ہم سے کچھ غلط ہو چکا ہے ہم نے ان آنکھوں کا کہنا مان کر دنیاوی رعنائیوں میں اپنے آپ کو غرق کر لیا ہے ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا یہ ہماری نگاہ کا قصور ہے کہ اس نے اپنے ساتھ ہمیں بھی آلودہ کیا اور ہم اس کے ہاتھوں لٹ گئے، ہماری آنکھوں نے ہمیں برباد کر کے رکھ دیا آفرین ہے اُن لوگوں پر جن کی نگاہیں پاک ہیں وہ دنیا کی رنگینیوں میں نہیں کھو جاتیں اور وہ لوگ اسی سبب سے اس آلودگی سے بچے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کے بہکاوے میں نہیں آتے بالکل ایسے ہی جیسے سیاہ ریشم پر سفید رنگ نہیں چڑھ سکتا اور کوّے سفیدی مائل نہیں ہو سکتے کہ یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں اس لئے جن کی نظریں نیک ہوتی ہیں پاک ہوتی ہیں وہ گناہوں سے دُور رہتی ہیں وہ بُرا دیکھنے سے اجتناب کرتی ہیں اور ایسی آنکھوں والے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں اُن کا رتبہ بہت ارفع ہے، شاہ حسینؒ ! کاش میں بھی اپنے حقیقی محبوب اپنے اللہ کے لئے اپنی جان دے دوں تو مجھے بھی رتبۂ شہادت حاصل ہو جائے اور وہ عزت نصیب ہو جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو ہوتی ہے۔

آپ ہم جانتے ہیں کہ شہدا کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو مردہ مت کہو

ذرا اس حوالے سے اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کا رتبہ اپنی سوچوں میں لایئے تو بلاشبہ آپ سوچ سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدا کو کیا کیا نعمتیں عطا کی ہوں گی سب سے بڑی نعمت تو وہ زندگی جو زندگی وہ جی رہے ہیں جو انہیں شہادت کے عوض اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر نوازی اور ظاہر ہے خصوصی زندگی کے ساتھ لوازمات بھی خصوصی ہی ہوں گے جو شاید انسانی ذہن کی پرواز کے احاطے میں نہیں آسکتے بے شک اُن لوگوں کے لئے خالقِ کائنات نے کائنات کی اعلیٰ ترین نعمتوں کا اہتمام کیا ہوگا۔ شاہ حسین بھی اسی شہادت کی آرزو کرتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ رتبہ راہِ حق میں شہید ہونے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

(20)

اسیں موریوں لنگھ پیا سے!

سجنا! اسیں موریوں لنگھ پیا سے
بھلا ہویا گوکھیاں کھادا، اسیں بھن بھن توں چھٹیا سے
ڈھنڈ پرانی کنّیاں لکی، اسیں سروّر ماہنیں دھوتیا سے
کہے حسین فقیر سائیں دا، اسیں ٹھن ٹپ نکلیا سے

الفاظ و معنی:

موری ــــ گندی نالی
لنگھ ــــ گزرے
بھن بھن ــــ مکھیوں کی بھنبھناہٹ، مکھیوں کی آواز جب وہ کسی چیز پر منڈلاتی ہیں
چھٹیا سے ــــ آزاد ہوئے۔ چھٹکارا پانا
ڈھنڈ ــــ مٹی کا برتن۔ پرانے زمانے میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے استعمال ہونے والا برتن
سروّر ــــ تالاب۔ مراد ہے صاف اور نتھرا ہوا پانی
ٹھن ــــ جس جگہ سے چھلانگ لگا کر گزرا جائے
ٹپ ــــ چھلانگ

ترجمہ:

اے دوست ہم گندی نالی سے چھلانگ لگا کر گزر گئے اور اس میں ہماری بھلائی

تھی کہ ہم اس دنیا کے لالچ میں نہیں آئے جس برتن کو کتوں نے چاٹا ہوا تھا ہم نے اُسے صاف پانی سے دھو کر پاک کر لیا ہے۔

تشریح:

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ شاہ حسین نے بھی دوسرے صوفیا کی طرح اس دنیا کو تج دینے کی ترغیب دی اور دنیا کے دھندوں کو گندگی سے تعبیر کیا اور اس سے بچنے کے لئے تگ ودو کی طرف راغب کیا۔ دُنیا کو دنیاوی معنوں میں دیکھا جائے تو ہمیں یہ دنیا مجموعہ نظر آئے گی۔ لالچ۔ حرص فریب، مفاد پرستی اور ایسی ہی کئی منفی قدروں کی جو انسانی زندگی کی خوبصورتی کو داغدار کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ انسانی زندگی جو رب تعالیٰ نے شفاف ترین پیرائے میں انسان کو بخشی اور اُسے دنیا میں بھیجا تا کہ وہ اپنے رب کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کر سکے مگر انسان دنیاوی غلاظتوں سے آلودہ ہوتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی کو بھول گیا جس کی طرف اسے پلٹ کر بھی جانا ہے اور لالچ کے ایسے گڑھے میں گر گیا جہاں سے نکلنا دشوار ترین ہے۔ شاہ حسین کی مندرجہ کافی ایسے ہی انسانوں کو اس اُمید پر آئینہ دکھا رہی ہے۔ کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں اور لوٹ آئیں اپنے رب کی طرف جس نے اُن کے لئے دنیا سے کہیں زیادہ اعلیٰ نعمتیں اپنے نیک بندوں کو انعام دینے کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔

شاہ حسین نے بیشتر جگہ پر ایسے تلازموں سے بات کی ہے جو عمومی سطح پر مقبول ہیں ظاہر ہے اسی سطح پر ہی دوسرے کو کسی بات کا قائل کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ کئی دوسرے محرکات قائل ہونے والے کی توجہ بانٹ کر ساری محنت کو زائل کر سکتے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر شاہ حسین نے ہمارے الفاظ اور لب و لہجے میں ہمیں سمجھانے کی کوشش کی ہے، لالچ اور ہوس سے دور رہنے کا سبق دیا ہے اور دنیاوی چیزوں کو اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں انتہائی حقیر قرار دیا ہے۔ اور یہی سچ ہے۔ اور جب ہم اس سچ کو پا لیتے ہیں تو شاہ حسین کی طرح ہمیں بھی چھلانگ لگا کر اُس جگہ کو عبور کر لینا چاہیے جس میں غلاظت بھری ہوئی ہے۔ اور جس

کے چھینٹے نہ صرف ہمارے لباس اور بدن کو داغدار کر سکتے ہیں بلکہ ہمیں پاکیزگی کے احاطے سے خارج کر سکتے ہیں اور اپنے اللہ کی بارگاہِ اقدس میں اچھے انداز میں حاضر ہونے کے اعزاز سے محروم رکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ توفیق عطا کرے کہ ہم اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پورے طور پر تیار کریں۔ اور شفاف پانی سے اس کوزے کو دھولیں جو دنیا کی گندگی سے آلودہ ہے۔

بقول فیض احمد فیض

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

(21)

کیا بھرواسا دم دا!

پیارے لال! کیا بھرواسا دم دا
اُڈیا بھور، تھیا پردیسی، اگے راہ اگم دا
کوڑی دنیا، کوڑ پسارا، جیوں موتی شبنم دا
جیہناں میرا شوہ رجھایا، تیہناں بھو نہیں جم دا
کہے حسین فقیر سائیں دا، چھوڑ سریر بھسم دا

الفاظ و معنی:

لال ــــــ دوست
بھرواسا ــــــ بھروسہ۔ اعتبار
دم ــــــ زندگی، سانس
بھور ــــــ بھنورا
تھیا ــــــ ہو گیا
اَگم ــــــ نامعلوم۔ جہاں پہنچا نہ جا سکے
کوڑی ــــــ جھوٹی
پسارا ــــــ پھیلا ہوا۔ موجود
رجھایا ــــــ خوش کیا
بھو ــــــ ڈر۔ خوف
جم ــــــ ملک الموت۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے روح قبض کرنے پر مامور ہیں

سریر ـــــــ جسم
بھسم ـــــــ مٹی

ترجمہ:

اے میرے دوست اس زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ سانس آئے نہ آئے، نجانے کب زندگی ختم ہو جائے اور یہ بھنورا جو آج پھولوں کا رس چوس رہا ہے یعنی زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہے اڑ جائے اور اس دیس سے کسی دوسرے دیس چلا جائے جہاں کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ اس لئے اس زندگی سے فائدہ اُٹھا لے کچھ نیک عمل کر لے دنیا کے دھندوں سے اپنے آپ کو بچا کہ یہ دنیا جھوٹی ہے۔ محض فریب ہے جو تیرے اردگرد پھیلا ہوا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے شبنم کے قطرے ہوتے ہیں جو دیکھنے میں موتی لگتے ہیں مگر اُن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بس جن لوگوں نے اس فریب کاری سے اپنے آپ کو بچا کر اپنے رب کی عبادت کی اُس کے لئے اور اس کی پیدا کردہ مخلوق کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا وہی آئندہ کی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے اُن لوگوں کو موت کا کوئی غم نہیں وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہونے کے خواہش مند ہیں حسین فقیر کی بات مان اپنا جسم جو مٹی کا ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا تمنائی بن اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے دائمی لطف سے فیض یاب ہو جا۔

تشریح:

زندگی کی بے ثباتی ہر انسان کے علم میں ہے۔ اور یہ بات ازل سے طے ہے کہ ہم سب نے اپنے خالقِ حقیقی کی طرف ہر حال میں اپنے اپنے وقت پر لوٹ کر جانا ہے مگر اس وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تو کیوں نہ

یوں گزارو ہر ایک دن گویا
زندگی کا یہ آخری دن ہے!

(عارف عبدالمتین)

کے تحت زندگی کے ہر دن کو اس انداز میں گذارا جائے کہ یہ زندگی کا آخری دن ہے اور کل جو پوشیدہ ہے اس کی آس میں ہم ان لمحات کو ضائع کرتے چلے جائیں جن کے ہوتے ہوئے ہم اپنی زندگی سنوار سکتے ہیں کل جو کبھی نہیں آنے والا اور نہ آج تک کسی نے اُسے آتے دیکھا ہے سب سے بڑی حقیقت وہی لمحہ ہے جو اس وقت ہم گزار رہے ہیں گذشتہ گزر چکا اور آئندہ ابھی تک آیا نہیں تو گذرتے ہوئے لمحے کو مفادانہ خواہشات کی بھینٹ چڑھا دینا سراسر ناانصافی نہیں تو کیا ہے۔ اس دنیا کی خاطر، اس کے لوازمات کی خاطر کچھ دیر کی جھوٹی شان و شوکت کی خاطر ہم اپنا وہ لمحہ جو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی بدولت ہمیں نصیب ہوا ہے اُسے غلط انداز میں گزار کر اپنی عاقبت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں کیا ہم نہیں جانتے کہ ہم سے پہلے لوگوں نے ہمارے لئے کیا کیا مثالیں چھوڑی ہیں وہ نیک لوگ جنہوں نے اپنے اللہ کی رضا کے لئے اپنے تمام امور انجام دیئے کس قدر خوش نصیب ہیں، لوگ آج بھی اُنہیں اچھے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے پیچھے کوئی نیک نامی نہیں چھوڑی آج بھی نفرت سے اُن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس اچھائی اور بُرائی کے ہوتے ہوئے بھی اگر ہم بہتر راستہ اختیار نہیں کرتے تو قصوروار کون ہے ظاہر ہے ہم خود ہی خطاکار ہیں اور ان تمام مناظر کے ہوتے ہوئے ہم نہیں سنبھلتے تو یقیناً ہماری دنیا بھی باعثِ تسکین نہیں اور آخرت بھی عذابِ الٰہی سے محفوظ نہیں۔

شاہ حسینؒ اپنی اس کافی میں یہی سب کچھ بیان فرما رہے ہیں اور ہم جو آج زندگی سے بے پناہ محبت کے چنگل میں گرفتار ہو کر اُس موت سے گھبراتے پھرتے ہیں جس کو بہرحال آنا ہے ہماری کم عقلی نہیں تو کیا ہے یہ جسم مٹی کا بنا ہوا ہے اس کی حیثیت کیا ہے یہ کسی بھی وقت اپنی اصلی حالت میں منتقل ہو سکتا ہے لہٰذا اس کے بھروسے پر کوئی کتنی دیر تک من مانی کرتا رہے گا۔ جب کہ اس کے برعکس جس نے جسم، روح، عقل اور خوبصورت جسمانی اعضاء نوازے ہیں اُس کا شکریہ ادا کریں، اُس کے آگے جھکیں، اُس کی عبادت کریں وہ وقتی اور جھوٹی محبت جس کی گرفت ہمیں اچھائیوں سے دُور رکھنے والی ہے اور سچے عشق کی پناہ

میں رہنے سے باز رکھے ہوئے ہے خود بخود ہمارے دل و ذہن سے اپنے اثرات تلف کر لے گی۔ اور ہم اُس اللہ کے نیک بندوں میں شمار ہو سکیں گے جس نے نیکوں کے لئے طرح طرح کی نعمتوں سے مزین مقامات مختص کئے ہوئے ہیں۔ تو آیئے شاہ حسینؒ کے کہے ہوئے لفظوں کے سائے میں چلتے ہوئے اپنے آپ کو سنوار لیں اور اُس بندۂ خدا کی ریاضت کا مول مقرر کریں جو اپنی کافیوں کے ذریعے قدم قدم پر ہمیں اس بات کا ادراک بخش رہا ہے کہ یہ زندگی چندروزہ ہے۔ اس کی خوبصورتی انتہائی دلکش مگر ہمیں بہکا دینے والی ہے۔

اسی حقیقت کو مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں کس طرح بیان کیا ہے اگر چند ایک مزید حوالے سامنے آ جائیں تو یقیناً شاہ حسین کی اس کافی کو تقویت پہنچے گی اور ہم اُس سچائی کو مختلف زاویوں سے محسوس کر سکیں گے جس سے ہم جغرافیائی قید و بند اور لسانی تار و پور کی بنا پر قدرے آشنا ہوتے ہوئے بھی ناآشنا ہیں۔

آیئے دیکھئے اور محسوس کیجئے ۔

زندگی کیا ہے اور ہم اسے کیا سمجھے بیٹھے ہیں

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا یہ اشلوک ملاحظہ فرمایئے۔

گور نمانی سدّ کرے، نگھریا گھر آ

سر پر میں تھے آونا، مرنوں نہ ڈر، آ

بُلھے شاہ یوں فرماتے ہیں۔

بھروا سا کیہ اشنائی دا

ڈر لگدا بے پروائی دا

ے تم پہ مٹے تو زندۂ جاوید ہو گئے
ہم کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد
(حسرت موہانی)

ے دو چار دن کی بات ہے یہ زندگی کی بات
دو چار دن کے پیار کا قائل نہیں ہوں دوست!
(ساغر صدیقی)

ے یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں
(جگر مرادآبادی)

(22)

دنیا توں مر جانا!

دُنیا توں مر جانا، وَت نہ آونا
جو کجھ کیتا بُرا بھلا وو، کیتا اپنا پاوَنا
آدمیوں پھر مُردہ کیتا، متر پیاریاں دا چولا سِیتا
گور ازل پہنچاونا
چار دہاڑے گوئل واسا، کیا جاناں کِت ڈھلسی وو پاسا
بالک من پرچاوَنا
چونہہ جنیاں مِل جھولم جھولی، کندھے لِتا ڈنڈا ڈولی
جنگل جا وساوَنا
کہے حسین فقیر ربانا، گوڑا، گوڑ دا کردا ای مانا
خاکو وچ سماوَنا

الفاظ و معنی:

وَت ـــــ واپسی۔ دوبارہ۔ مڑ کر آنا
متر ـــــ دوست۔ سجن
چولا ـــــ مراد ہے کفن
گوئل واسا ـــــ عارضی ٹھکانہ، کچھ دیر ٹھہرنے کی جگہ
بالک من ـــــ بچوں کی خواہشات، جیسے بچے کرتے ہیں

پرچاؤنا ــــــ بہلانا

کوڑا ــــــ جھوٹا

مانا ــــــ مان۔ تکبر۔ غرور۔ زعم

ترجمہ:

دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اور ہم سب کو اس دنیا سے رخصت ہونا ہے یعنی ہم سب کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم جو کچھ بھلا یا بُرا کر رہے ہیں اس کی جزا و سزا ہمیں مل کر رہے گی اللہ زندگی و موت کا مالک ہے اُس نے تجھے زندگی دی ہے اور موت بھی تیرے چاہنے والے، تجھ سے پیار کرنے والے، رشتہ دار، عزیز و اقارب اور دوست احباب تیرے مرنے پر تجھے کفن پہنائیں گے اور تجھے قبر میں اتار دیں گے یہ چار دن کی زندگی نجانے کب ختم ہو جائے گی یہ تو ایسے ہی ہے جیسے بچے کسی پسندیدہ کھیل * سے وقتی طور پر اپنے آپ کو بہلا لیتے ہیں اور وہ کھیل بالکل اسی طرح کا ہے جیسے جنازہ اُٹھایا جاتا ہے اور پھر اُسے دُور ویران قبرستان میں جا کر دفن کر دیا جاتا ہے۔ شاہ حسین اللہ کا بندہ یہ کہہ رہا ہے کہ جھوٹا شخص اپنے جھوٹ کا غرور کرتا ہے یعنی دنیا سے پیار کرنے والی اس دنیا کی اصلیت جانے بغیر اس پر ان کئے ہوئے ہے۔ اسے یہ علم نہیں کہ اس نے مٹی میں مل جانا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین کی بیشتر کافیاں اسی مضمون کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اُن کے کلام میں جگہ جگہ فنا اور بقا کا فلسفہ جھلکتا ہے چار روزہ زندگی کی اصلیت سے پردہ اُٹھاتے ہوئے شاہ

---

* پنجاب میں کھیلا جانے والا ایک کھیل جو شاید دور دراز کے دیہاتوں میں اب بھی بچوں کا پسندیدہ کھیل ہو جس میں ایک بچہ گٹھڑی کے سے انداز میں اپنے جسم کو بنا لیتا ہے اور دوسرے بچے اُس کے بازوؤں میں موٹے ڈنڈے ڈال کر اُسے اُٹھائے جھولا جھلاتے ہوئے طے شدہ مقام پر لے جاتے ہیں جسے شاہ حسینؒ نے جنازے سے تعبیر کیا ہے کیونکہ مذکورہ کھیل میں بھی چار بچے ڈنڈا پکڑ کر پانچویں بچے کو جھولا جھلاتے ہیں۔

حسین بار بار ہمیں ہماری موت یاد دلاتے ہیں کہ ہم اس حوالے سے اُن حقائق تک رسائی حاصل کر سکیں جو ہماری کوتاہیوں، مفاد پرستیوں، غرور، اور نفسا نفسی اور ذاتی ترجیحات کی بنا پر ہم سے اوجھل ہیں یقیناً اُن حقائق کا اوجھل ہونا کسی طرح بھی ہمارے مفاد میں نہیں کیوں کہ ان حقائق کی روپوشی ہمارے اندھے پن کی دلیل ہے جو ہمیں شعوری سطح سے نیچے گرا دینے والی بات ہی نہیں بلکہ انسانی حوالے سے بھی ہمیں ہمارے معیار کی مخالف سمت میں گھسیٹتا چلا جاتا ہے۔ اور ہم اشرف المخلوقات ہونے کے اعزاز سے خود ہی دستبرداری کا انتخاب کر کے اپنے اللہ کی نگاہ میں خود کو ذلیل و خوار کر لیتے ہیں اور یہ ہماری بدنصیبی کی انتہا ہے۔ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم کسی بھی طرح اپنے کئے کا پھل پانے سے نہیں بچ سکتے سوائے اپنے رب کی رحمت اور فضل و کرم کے ــــــ ـ دنیا' جہاں رہ کر ہم معمولات زندگی میں اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ ہمیں اُن باتوں کا خیال یکسر بھول جاتا ہے جن کے طفیل ہم اشرف المخلوقات کہلانے کے حق دار ہوئے اور جن کو جاری رکھنا ہماری زندگی کا نصب العین ہے مگر زندگی تو دنیا کی رنگینیوں میں اپنی اصلی حالت کو برقرار نہیں رکھ سکی اور اس میں تمام تر ذمہ داری ہماری اپنی ہے، ہم نے اپنی زندگیوں کو اپنے اپنے لوبھ اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے اس آگ میں دھکیلا جہاں زندگی کندن نہیں بن سکی بلکہ جلی اور سیاہ خاک بن کر ہمارے ماتھے پر ہمیشہ کے لئے شرمندگی کا داغ بن کر رہ گئی۔ اور اگر ہم ان تمام باتوں سے گریز کرتے اور اپنے رب کے لئے جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے اور جو کُل کائنات کا پالنے والا ہے' اپنے امور سرانجام دیتے' اُس کے بندوں کی بھلائی کے لئے کام کرتے تو کامیابی کے امکان روشن ہوتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ہماری رہنمائی کے لئے اعلیٰ ترین دین عطا کیا قرآن کریم نوازا جو قیامت تک کے لئے ہدایات کا سرچشمہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہونے کا اعزاز بخشا کہ جن کی شفاعت ہماری بخشش کا ذریعہ

ہے اور جن کے طفیل ہم اپنے اچھے اعمال کے ثمرات تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اپنے کو اس قابل تو کر لیں۔ یہی وقت ہے یہ زندگی ہمیں دوبارہ نہیں ملے گی تو کیوں نہ اس چار دن کی زندگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سرخروئی کی طرف قدم بڑھائیں۔

جے تُوں عقل لطیف ہیں، کالے لکھ نہ لیکھ
آن پڑے گریوان میں، سر نیواں کر کے ویکھ
(بابا فرید گنج شکرؒ)

(23)

آن ملاوو پی!
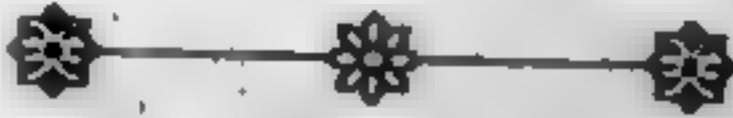
واری وو، ویکھ نمانیاں دا حال، کداں وو مہر پوی
راتیں درد دینہیں درماندی، برہوں بھچھاڑ شینہ
رو رونین بھرینی آں چولا، جیوں ساونڈڑا مینہہ
گل وچ پلو، دست پیراں تے، کدی اساڈڑا تھی
سر صدقے قربانی کیتی، گھول گھماوندی آں جی
کہے حسین فقیر سائیں دا، آن ملاوو پی

الفاظ ومعنی:

واری ـــــ قربان

نمانیاں ـــــ مسکین

مہرپوی ـــــ مہربانی کرے۔ اُسے ترس آجائے، اُس کی نظرِ کرم ہوجائے

دینہیں ـــــ دن کے وقت

درماندی ـــــ پریشانی، دُکھ، تکلیف، تھکن، لاچاری

بھچھاڑ ـــــ گرادینے والا۔ فتح پانے والا۔ فاتح

شینہ ـــــ شیر (مراد ہے انتہائی طاقت ور)

چولا ـــــ کُرتہ۔ دامن

ساونڈڑا ـــــ ساون کا مہینہ۔ موسمِ برسات

اساڈڑا ـــــ ہمارا

ترجمہ:

میرے محبوب میں تجھ پر قربان شاید تجھے بھی میری حالت پر ترس آ جائے کہ میں تیری جدائی میں رات رات بھر درد سے کراہتا ہوں اور تمام دن بے حال رہتا ہوں جدائی تو انتہائی طاقت ور کو بھی پچھاڑ دیتی ہے میری کیا حیثیت ہے میرا دامن میرے آنسوؤں سے تر ہے جیسے ساون کے مہینے میں مسلسل بارش ہو رہی ہو میں تیرے پاؤں میں گرا ہوں کبھی تو میرا بن جا میری جان اور زندگی تجھ پر قربان شاہ حسینؒ اللہ کے فقیر کی پکار ہے کہ کوئی میرا محبوب ملا دے۔

تشریح:

اللہ والوں کے دُکھ بھی نرالے اور درد بھی انوکھے ہوتے ہیں۔ اُن کا احساس ہی اُنہیں طرح طرح کی مشکلوں سے دوچار کرتا ہے اور اُنہیں کیفیات کی یقینی حدود میں داخل کرتا ہے جہاں وہ اپنے رب کے جلوؤں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہمہ وقت بے تاب رہتے ہیں یہی بے تابی اُن کی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہے جسے بڑھتا دیکھ کر وہ تسکین پاتے ہیں۔ اور اپنے محبوبِ حقیقی کے روبرو سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں —— چونکہ وہ ہمہ وقت اپنے محبوب کے دیدار کے خواہاں ہوتے ہیں اس لئے ذرا سی دیر کے لئے بھی اگر اُن کے دھیان کے آئینے سے نورِ الٰہی کی چمک ادھر ادھر ہو جائے تو وہ شدید کرب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی شدتِ کرب اور ابتلا میں ہی شاہ حسین نے اس کافی کو تخلیق کیا ہوگا۔ کہ انتہائی پیاری تجلی کا دھیان کے آئینے سے منعکس ہو کر بھی اِدھر اُدھر ہونا ان کو گوارا نہیں جب کہ اُن پر چاروں طرف سے دنیاوی رنگینیوں کی یلغار ہو رہی ہے جو ہر حوالے سے بے بس کر دینے کی کوشش میں حملہ آور ہوتی ہیں مگر سچائی کے سامنے جھوٹ کی کیا حقیقت جب کہ سچائی پوری طرح واضح اور روشن ہو۔ اور بدقسمتی سے جب کبھی اس عمل سے گزرتے ہوئے دنیاوی یلغار کی بھرمار توجہ کو اپنی جانب مبذول کروا لے تو جدائی کو اپنی اہمیت جتانے کا موقع مل جاتا ہے اور اس پریشانی کے عالم میں وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں

بیان کی ہے——جدائی کے یہ لمحے ایک ایسی مسلمہ حقیقت کا روپ دھار چکے ہوتے ہیں کہ انسانی دل ودماغ اُس کی گرفت میں آسانی سے آجاتا ہے اور پھر وہ اُس سے آزادی کی خاطر واویلا کرتے ہوئے اپنی کراہوں کو الفاظ دیتا ہے وہ الفاظ کبھی کافی، کبھی دوہڑا، کبھی رباعی اور کبھی غزل کا روپ دھار کر ہمیں اُن لمحوں کا ادراک مہیا کرتے ہیں جو یا تو ہم پر گزر چکے ہوتے ہیں یا پھر گزرنے والے ہوتے ہیں مگر یہ سب ہماری بساط کے مطابق ہی ہوتا ہے کیوں کہ ہم اللہ والوں کی طرح بلند حوصلہ و بلند ہمت نہیں ہوتے اس لئے ہمارے محسوس کرنے کا انداز بھی اُن سے مختلف ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ خود حوصلہ عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ان غیر موافق تلخ لمحوں کا پوری جانفشانی سے مقابلہ کریں اور ایسا کرنے سے وہ راحت سے ہمکنار بھی ہوتے ہیں اور رب العزت کی طرف سے انعام کے طور پر اُس کا قرب بھی حاصل کر لینے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں——اسی قرب کے سبب وہ اللہ کے خاص بندوں میں شمار ہو کر عام لوگوں کے لئے رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اور اُن کا یہی فریضہ اُن کے لئے باعثِ عزت واحترام بنتا چلا جاتا ہے——مگر یہ کام آسان نہیں، ان مرحلوں کو طے کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جبھی تو اتنی بڑی دنیا میں چند لوگ ہی ان فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری نبھا سکے ہیں۔

جدائی کی کرب ناک صورتِ حال کا تذکرہ مختلف صوفیا کے ہاں اپنی پوری شدت سے ملتا ہے کہ اُن کی یہی شدت اُن کے صوفیانہ میلانِ طبع اور رجحان کا پیمانہ ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر چند ایک صوفیا کی کیفیات ملاحظہ فرمایئے جو شاہ حسینؒ کی طرح اُسی کرب سے دوچار ہوئے اور پکار اُٹھے۔

اب لگن لگی کیہ کریئے
نہ جی سکیئے نہ مریئے

تم سنو ہمارے بیناں
موہے رات دنے نہیں چیناں

بن پی بن پلک نہ سریئے
اب لگن لگی کیہ کریئے

ایہہ اگن برہوں دی جاری
کوئی ہری پریت نواری
بن درشن کیسے تریئے
اب لگن لگی کیہ کریئے

بُلھے پئی مصیبت بھاری
کوئی کرو ہماری کاری
ایہہ جہے دُکھ کیسے جریئے
اب لگن لگی کیہ کریئے
نہ جی سکیئے نہ مریئے!

(بُلھے شاہؒ)

سلطان باہوؒ کچھ یوں گویا ہوتے ہیں۔

میں کوجھی، میرا دلبر سوہنا، کیونکر اُس نوں بھاواں ہُو
ویہڑے ساڈے وڑدا ناہیں، لکھ وسیلے پاواں ہُو
نہ سوہنی، نہ دولت پلّے، کیونکر یار مناواں ہُو
دُکھ ہمیش ایہہ رہسی باہو، روندی ہی مرجاواں ہُو

اور بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی آس بھی دیکھیے فرماتے ہیں۔

کاگا کرنگ ڈھنڈولیا، سگلا کھائیو ماس
دو نیناں مت چھوہیو، پر دیکھین کی آس!

(24)

تدھ بن ہور نہ بھاوندا!

من وارنے توں پرجاوندا
گھول گھمائی صدقے کیتی، جے کوئی ملے وو گراوں دا
جیں گھٹ آوسیا میرا پیارا، دوجا نہیں سماوندا
سبھ جگ ڈھونڈھ بتھیرا مینوں تدھ بن ہور نہ بھاوندا
پیا حسینؒ ترے در سائیں! طالب تینڈے ناوں دا

الفاظ و معنی:

وارنے ــــ قربان کرنے
پرجاوندا ــــ تسلی دینا
گھول گھمائی ــــ دے دی۔ جان لٹادی۔ قربان کردی
گراوں دا ــــ گاؤں کا۔ وہاں کا رہنے والا۔ ہم وطن
گھٹ ــــ دل
تدھ ــــ تجھ
بھاوندا ــــ پسند آتا
تینڈے ــــ تیرے
ناوں دا ــــ نام کا

ترجمہ:

میرے محبوب میں اپنے دل کو تجھ پر نچھاور کر کے اسے مطمئن کر رہا ہوں میں

زندگی اُس پر صدقے کر دوں اگر کوئی اُس گاؤں کا مل جائے جہاں میرا سچا محبوب رہتا ہے۔ جس دل میں میرا پیار ایسا ہے وہاں کوئی دوسرا سما ہی نہیں سکتا۔ یعنی جس دل میں محبوب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ رہتا ہو اُس میں کوئی دوسرا یعنی کوئی دنیاوی خواہش نہیں رہ سکتی۔ میں نے تمام دنیا میں تلاش کیا مگر مجھے تیرے سوا کوئی بھی پسند نہیں آیا اسی لئے شاہ حسین تیرے در پر پڑا بس تیرا نام جپ رہا ہے۔ اور یہی اس کے دل کی خواہش ہے۔

تشریح:

شاہ حسین کی اللہ تعالیٰ سے محبت اُن کی کافیوں میں اُمڈ اُمڈ پڑتی ہے جس سے شاہ حسین کا قاری انہیں پڑھتے ہوئے ذکرِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کے ساتھ ساتھ نیکیاں بھی حاصل کرتا ہے اس حوالے سے شاہ حسین ہمیں نہ صرف نیکی کی طرف راغب کرتے ہیں بلکہ ہمارے ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں بہ الفاظِ دیگر اگر ہم اسے اپنی اپنی ذات پر احسان مان لیں تو بے جا نہ ہوگا۔

شاہ حسین جن کا دل ہر وقت یادِ الٰہی سے معطر ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہمہ وقت بے قرار ہیں اور یہ وصال کی خواہش بمعنی دنیا سے رخصتی ہے چونکہ اللہ سے لَو لگانے والوں کا جینا مرنا سب اپنے رب کے لئے ہوتا ہے دنیا کی کوئی شے انہیں مرغوب نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ اپنی ہستی بھی اُن کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتی ہے ایسا ہونا قدرتی امر ہے کیوں کہ ایک جانب ایک ذرہ دوسری جانب کل کائنات کا مالک جو اُس ذرے سمیت ہر چیز کا تخلیق کار ہے تو پھر ذرے کی حیثیت برقرار رہنے کا جواز نہیں رہتا۔ لہٰذا شاہ حسین ہی نہیں باقی صوفیا نے بھی جزو کی بجائے کل سے محبت کی اور اس کا درس دیا کل جو ہر چیز پر قادر ہے ہر اختیار کا مالک ہے تمام جہانوں کی کوئی بھی شے اُس کے علم سے باہر نہیں کہ وہ خود ہی ہر شے کا خالق ہے۔ اور اس مقام پر تو یہ بات ممکن ہی نہیں رہتی کہ اُس کا در چھوڑ کر کہیں اور جایا جائے بلکہ اور کا تصور تک ناپید ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے رب سے یہ التجا کرتا ہے کہ اے میرے رب

میرے قلب کو بھی جاری فرمادے جہاں تو نے ان گنت مہربانیاں فرمائی ہیں یہ احسان بھی فرمادے کہ میں تیرے نام کا طالب ہوں، میری خواہش ہے کہ میں کچھ بولوں نہ بولوں میرا دل تیرا ذکر کرتا رہے تیرے نام کی تسبیح سے مری روح شاداب ہوتی رہے میرے الفاظ کے معنی بدل کر صرف اور صرف تیری ثنا میں تبدیل ہو جائیں، سبحان اللہ کیا خوبصورت آرزو ہے، اس آرزو کی آرزو بھی احسن عمل ہے کاش ہم سب اپنے اللہ سے اس احسن عمل کی توفیق کے طلب گار بن جائیں اور دنیا و آخرت میں اُس کے نیک بندوں میں شمار کیے جائیں۔

تری ثنا میں ہیں مصروف جیسے ارض و سما
اسی طرح تُو مرے قلب کو بھی جاری کر

(یوسف مثالی)

(25)

نال سجن دے رہیے!

رہیے وو! نال سجن دے رہیے
لکھ لکھ بدیاں تے سو طعنے سکھو سر تے سہیے
توڑے سر وںجے دھڑ نالوں، تاں بھی حال نہ کہیے
سخن جیہناں دا ہووے دارُو، حال اُتھائیں کہیے
چندن رُکھ لگا وچ ویڑھے، زور دھگانے کھہیے
کہے حسین فقیر سائیں دا، جیوندیاں مر رہیے

الفاظ و معنی:

توڑے ——— چاہے۔ بے شک
وںجے ——— چلا جائے۔ کٹ جائے
دارو ——— علاج
اُتھائیں ——— اس جگہ، وہیں
چندن ——— صندل
رُکھ ——— درخت۔ پودا
دھگانے ——— خواہ مخواہ۔ بلامقصد۔ بلاوجہ
کھہیے ——— رگڑیے

ترجمہ:

شاہ حسین اس کافی میں اپنے مخصوص انداز میں فرما رہے ہیں کہ اگر رہنا ہے تو

اپنے محبوب کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ بے شک لوگ بُرا بھلا کہیں مگر ہر طعنہ سہنے کے باوجود ہمیں محبوب کا در نہیں چھوڑنا اور صبر اور ضبط سے کام لینا ہے چاہے اس کے لئے ہمارا سر تن سے جدا ہو جائے کیوں کہ لوگوں میں یہ بات کہنا بے معنی ہے اپنا حال اُسے ہی بتانا چاہیے جو اُسے سنے اور اس کا کوئی نہ کوئی حل بتائے۔ صندل کا پودا گھر کے آنگن میں لگا کر بلا وجہ اُس سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے شاہ حسین اللہ کے فقیر کی بات غور سے سنو وہ کہہ رہا ہے کہ زندگی ایسے گزارو جیسے تم ہو ہی نہیں بس اللہ ہی اللہ ہے اور تم اُس کی عبادت میں ایسے مصروف ہو جیسے تمہارا وجود ہے ہی نہیں۔ گویا اتنی خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرو۔

تشریح:

شاہ حسین نے اس کافی میں موت سے قبل مر رہنا کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی انمٹ محبت کا حوالہ دیا ہے۔ ظاہر ہے عشقِ ربی ہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت موت سے پہلے مرا جا سکتا ہے یعنی اپنے آپ کو انکسار کے آخری مقام تک لے جانا جہاں اپنا احساس تک ختم ہو جاتا ہے اور باقی رہ جاتا صرف وہ احساس جس کو فنا نہیں اللہ تعالیٰ کا احساس، اپنے خالقِ حقیقی کی موجودگی کا احساس ہر لحہ، ہر جگہ، اُسی کا ذکر ہر زبان پر، ہر دل میں اُسی کا نور' کائنات کے کونے کونے میں جلوہ افروز اُسی کے حُسن کا نکھار' ہر حسین چیز میں گویا صرف اور صرف وہی جو ہم سب کو پالنے والا، ہماری حاجتیں پوری فرمانے والا، غرض ہمارے تمام امور کو اپنی رحمتوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دینے والا، پھر کیسے ممکن ہے کہ اُس کا بندہ ہو کر اُس کے ساتھ نہ رہے اُس کا ہو کر نہ رہے۔ زمانے کے لوگ جو اس حقیقت سے شناسا نہیں ہیں اپنی کوتاہیوں کے سبب اپنی کم عقلی کی وجہ سے اُنہیں ادراک نہیں وہ بے شک مجھے بُرا بھلا کہیں مگر میں تو اپنے رب کے عشق سے مکمل طور پر سرشار ہوں، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ لوگ کیا کہتے ہیں میرا عشق سچا ہے جو کسی باطل قوت سے قطعاً نہیں دب سکتا۔ اور پھر

صرف ایک ثبوت اپنی وفا کا ہے مرے پاس
میں اپنی نگاہوں میں گنہگار نہیں ہوں!

(عارف عبدالمتین)

یعنی میں اپنے خالقِ حقیقی اپنے محبوب کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہوں اور اس راستے پر چاہے میرے تن سے میرا سر جدا کر دیا جائے میں ہرگز نہیں ہٹوں گا اور نہ ہی اُس کے عشق سے باز آؤں گا کہ وہی عشق تو میرے ہونے کی دلیل ہے اُس ہونے کی جو صرف اور صرف اپنے اللہ کے لئے ہے۔ اور اس بات کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے۔ ویسے بھی یہاں کون ہے جسے کچھ کہا جائے، کون ہے جو محبوبِ حقیقی کی طرح میرا حال سُنے گا اور میرے درد کا درمان بھی اُسی کے پاس ہے مجھے اپنا حال اُسی سے کہنا ہے ویسے بھی جب اپنا محبوب مل جائے تو کسی دوسری شے کی حاجت نہیں رہتی بالکل اسی طرح کہ صندل کا پودا اپنے صحن میں لگا لیا جائے تو اُس کی خوشبو چاروں طرف پھیلی رہتی ہے۔ اُسے ہر وقت محسوس کرنے والا چاہیے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا پودا اگر اپنے گھر میں لگا لیا جائے تو اُس کی خوشبو سے تمام گھر مہک اُٹھتا ہے۔ اور یہ افتخار عشقِ حقیقی ہی کو حاصل ہے۔ کہ محبت کرنے والے کی فنا ہی اُس کی بقا ہے۔ ہمارے بیشتر صوفیا کا کلام اسی فلسفہ کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اندر عشق جلاندا جیکر آتش بلکیاں پیتاں
مَت نیں دل میرا من دا، مت ہُن دیہو مَتیاں!

(میاں محمد بخشؒ)

(26)

اینویں گئی وہائے!

اینویں گئی وہائے، کوئی دم یاد نہ کیتا
رہی ونائے تنائے کوئی گز پاڑ نہ لیتا
کورا گئی ہنڈھائے کوئی رنگدار نہ لیتا
بھریا سر لیلائے کوئی ٹک جھول نہ پیتا
کہے حسین گدائے چلدیاں وداع نہ کیتا

الفاظ ومعنی:

وہائے ــــــ گزر گئی
ونائے ــــــ بنوائے
کورا ــــــ صاف۔ جس پر کوئی رنگ نہ ہو۔ خالی
ہنڈھائے ــــــ استعمال کئے۔ گذارے
سر ــــــ تالاب
لیلائے ــــــ لہریں مارتا ہوا
گدائے ــــــ فقیر

ترجمہ:

میں نے ایسے ہی زندگی گزار دی اور کسی لمحہ بھی اپنے اللہ کو یاد نہ کیا، دنیا کی رنگینیوں کے پیچھے اپنی عمر ضائع کر دی۔ اور اپنے اصلی محبوب کا کوئی رنگ اپنے دل پر نہیں چڑھایا یعنی کوئی عبادت نہیں کی بھرے تالاب سے میں نے چلو بھر پانی بھی نہ پیا یعنی میں نا

مراد رہا شاہ حسین فقیر کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی نے جاتے ہوئے الوداع تک نہیں کہا میری رخصتی بھی عجیب ہے۔

تشریح:

زندگی جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس لئے بخشی گئی کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی تمام تر خوبصورتیوں کے برعکس انسان زندگی بخشنے والے کی عبادت کرے اور قدم قدم پر زندگی میں حاصل کی گئی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس زندگی کے کورے کاغذ کو اپنے خالقِ حقیقی کے رنگوں سے مزین کرے اور اپنی محرومیوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی کوتاہیوں کو اپنی نظر میں رکھے۔

ہم آپ اس امر سے بخوبی شناسا ہیں کہ جہاں زندگی کامیابیوں سے عبارت ہے وہاں محرومیاں بھی اسی کا حصہ ہیں اور منفی و مثبت اقدار ہر وقت زندگی کے اُتار چڑھاؤ میں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہیں جن سے انسان اپنے خوشی وغم کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے حواس کے حوالے سے اُن میں شدت اور کمی کا ادراک حاصل کرتا ہے، عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ زندگی میں دُکھ زیادہ اور خوشیاں کم ہیں جب کہ ناچیز کا خیال ہے کہ خوشیاں اس لئے کم محسوس ہوتی ہیں کہ انکا تذکرہ کم کم کیا جاتا ہے اور دُکھ اس لئے زیادہ ہیں کہ ان کا واویلا بہت زیادہ کیا جاتا ہے اسے شدت سے محسوس کیا جاتا ہے اور زیادہ شور اور پریشانی کے عالم میں دوسروں کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے جب کہ خوش ہونے کی صورت میں بہت کم لوگ ہیں جو دوسروں کو اپنی خوشی میں شامل کرتے ہیں۔ اسی سبب سے ہمیں دکھوں کی بہتات محسوس ہوتی ہے اور خوشیاں کم لگتی ہیں اس کے برعکس یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ غم وخوشی دونوں ہی زندگی کا حصہ ہیں اور دونوں ہی یکساں ہیں کیوں کہ اگر یہ برابر نہ ہوں تو زندگی غیر متوازن صورتِ حال سے دوچار ہو جائے اور ایسی صورت میں اپنی اہمیت کھو بیٹھے، شاید یہی وہ مقام ہوتا ہے جب کہ انسان خودکشی جیسے گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

شاہ حسین اپنی اس خوبصورت کافی میں بڑے لطیف اور کرب ناک انداز میں اپنی محرومیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں وہ ہوں جسے اُس کے اپنے بھی وداع کرنے نہیں آئے۔ اور جس نے بھرتے تالاب میں سے ایک گھونٹ پانی نہیں چکھا، زندگی کو کسی رنگ میں نہیں رنگا اور زندگی یوں ہی گذار دی۔ مگر اُن کی مراد دنیاوی زندگی نہیں بلکہ روحانی زندگی ہے جس میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول نہ رہنے کی محرومی کا ذکر کیا ہے اور یہ محرومی دنیاوی محرومی سے کہیں زیادہ کرب ناک ہے۔

(27)

کڑیئے جاندیئے نی!

کڑیئے جاندیئے نی، تیرا جوبن گوڑا
پھیر نہ ہوسیا رنگلا چوڑا
وت نہ ہوسیا اہل جوانی
ہس لے، کھیڈ لے نال دل جانی
مونہہ تے پوسیا خاک دا دھوڑا
کہے حسین فقیر نمانا
تھیسی رب ڈاہڈے دا بھانا
چلنا ای تاں بنھ لے موڑا

الفاظ و معنی:

جوبن ـــــ جوانی، شباب
گوڑا ـــــ چھوٹا
ہوسیا ـــــ ہوگا
رنگلا ـــــ رنگ دار، رنگیں، کئی رنگوں والا
وت ـــــ دوبارہ۔ پھر
پوسیا ـــــ پڑ جائے گی
دھوڑ ـــــ خاک۔ مٹی۔ گرد و غبار
ڈاہڈے ـــــ انتہائی طاقت ور، زبردست۔ قدرت والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ

بھانا ــــــ رضا۔ پسند۔ مرضی۔ تقدیر۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہو

بنھ ــــــ باندھ لے، اکٹھا کر لے، مراد تیاری کر لے

مُوڑھا ــــــ سامان۔ اعمال۔ جو کچھ تو نے زندگی اور دنیا میں کیا، مراد ہے

سفر

میں کام آنے والی اشیاء۔ ضروری چیزیں جو زادِ راہ کے طور پر سفر

میں ساتھ رکھی جاتی ہیں۔

ترجمہ:

اے لڑکی تیرا یہ حسن یہ جوانی سب بے کار ہے، جھوٹا ہے یہ دو چار گھڑی کا مہمان اور ہمیشہ تیرے ساتھ رہنے والا نہیں دوبارہ یہ ناز، اور یہ انداز لوٹ کر نہیں آنے والے، یہ رنگینیاں جن سے تو آج خوش ہے چند روزہ ہیں کیوں کہ یہ جوانی بھی چند روزہ ہے اور یہ سب شوخیاں اس کے ساتھ ہی ڈھل جانے والی ہیں۔ آج موقع ہے کہ تو اپنے دل کے محرم، اپنے محبوب کے ساتھ ہنس کھیل لے کہ یہ وقت گیا تو پھر دوبارہ نہیں لوٹے گا۔ اور آئندہ جب یہ جوانی بیت جائے گی۔ اور تو زندگی کی رعنائیوں کو کھو چکے گی تو تیرا حسین وجمیل چہرہ گرد آلود ہو جائے گا آج تجھے حسین فقیر اپنی ترنگ میں آ کر سمجھا رہا ہے کہ تو اپنے رب کی رضا کے لئے کچھ کر لے کچھ نیک اعمال جمع کر لے تو اس وقت جوان ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی اہل ہے تا کہ جب تو سفر پر نکلے تو تجھے پشیمانی نہ ہو اور زادِ راہ تیرے پاس ہو تجھے اپنے رب کے سوا کسی دوسری شے کی محتاجی نہ ہو۔

تشریح:

شاہ حسین اپنے کلام میں جہاں بھی رنگوں، جوانی اور شباب کے حوالے سے بات کرتے ہیں اُس سے مراد دنیا داری ہے اور ظاہر ہے شباب اور جوانی کے عالم میں ہر کوئی دنیا کو قریب سے دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے کہ یہ انسانی جبلت کا خاصہ ہے اور اسی

خواہش کے تحت اُس کا بہک جانا بعید از قیاس اسی لئے نہیں کہ دنیا بھی اسی خالقِ حقیقی کے حُسن کا ایک پَرتو ہے جہاں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے جمال اور کمال کے نمونہ جات بکھرے پڑے ہیں اور ہمیں رب تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کی دعوت دے رہے ہیں مگر ہم چونکہ اپنی جوانی کے نشے میں چور وقتی لذتوں سے سرور حاصل کرنے کی طرف راغب ہوتے ہیں اس لئے اُن پھیلی ہوئی رعنائیوں کو اپنے انداز میں دیکھنے کے عادی بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے لحہ بہ لحہ ہم غلطیوں کا شکار ہوتے ہوئے آخر کار اندھے غار میں گر جاتے ہیں۔

شاہ حسین نے ہماری توجہ اسی طرف مبذول کروانے کی سعی کی کہ جوانی کے نشے میں جذبات کی رو میں بہہ کر ہم ایسے کام نہ کریں جو ہماری عاقبت بگاڑ دیں اور اُس رب العزت کو بھول جائیں جو مہربانیاں کرتے وقت ہمیں کبھی نہیں بھولا، اس وقت اگر ہمیں جوانی کی بہار میسر ہے تو ہماری خوشبو سے لوگوں کو فیض پہنچنا چاہیے نہ کہ ہماری بدبو سے لوگوں کو تعفن کی ناگوار صورتِ حال سے دو چار ہونا پڑے۔ اور ہمیں ایسے کام سرانجام دینے چاہئیں جو ہمارے رب کو پسند ہوں، جن میں اُس کی رضا شامل ہو جن پر آپ کا دل خود بخود گواہی دے کہ آپ کسی نیک عمل کو کرنے جا رہے ہیں کیوں کہ یہ موقع چندروزہ ہے اور جب زندگی موت کے حوالے کر دی جائے گی تو ہمارے مُنہ پر خاک ملی ہو گی ہم اپنے رب کی جباریت سے محفوظ نہ رہ سکیں گے اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ زندگی کے سفر میں نیک اعمال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جھوٹی اور وقتی خوشیاں حاصل کرنے کی بجائے دائمی خوشیوں کو حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کریں جو صرف اور صرف نیک اعمال سے حاصل ہو سکتی ہیں اور نیک اعمال ہی دراصل ہمارا زادِ راہ ہے جو آئندہ ہمارے کام آنے والا ہے۔

یہ سفر جو موت سے لے کر روزِ حساب تک کا ہے بڑا کٹھن ہے اور بہتری اسی میں ہے کہ تو احسن اعمال جمع کرتا کہ تیرا سفر بھی آسانی سے کٹ جائے اور تو رب ذوالجلال کے انعام کا مستحق بھی قرار پائے۔

شاہ حسین کے ہاں عوامی لب ولہجہ کا کمال عروج پر ہے جس کے تحت وہ ہماری زبان میں اور ہماری تمدنی اور تہذیبی حوالوں میں چھپے حقائق سے پردہ اُٹھاتے ہیں اور ہمیں ہماری پیدا کردہ تلخیوں سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔ اُن کا یہ عمل بلاشبہ انتہائی قابل قدر اور محسنانہ ہے۔۔۔۔ دنیا واقعی اپنی پُرکشش لطافتوں سے ہمیں گمراہ کئے ہوئے ہے اور جو لوگ شاہ حسین کی طرح اس کی اصلیت کو جان جاتے ہیں بقول میر درد وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ

ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بے زار
عجب ہے، خضر نے کیوں کر یہ زندگانی کی!

(28)
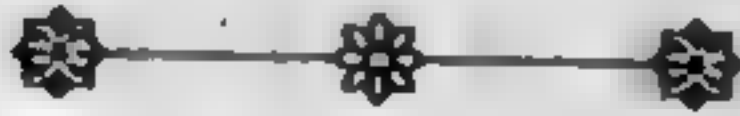
دھن جوبن دا مان نہ کریئے!

کوئی دم مان لے رنگ رلیاں

دھن جوبن دا مان نہ کریئے، بہت سیانیاں چھلیّاں
کھیڈیا جیہناں نال بال پن، سے سیّاں اُٹھ چلیّاں
بابل آنگن چھڈ چھڈ گئیاں، ساہورڑے گھر چلیّاں
ایہہ گلیاں تینوں سپنا تھیسن، بابل والیاں گلیاں
کہے فقیر حسین سائیں دا، کر لے گلاں بھلیاں

الفاظ و معنی:

دم ——— سانس مراد ہے وقت، کچھ دیر یعنی جب تک سانس چل رہا ہے، زندگی ہے

مان لے ——— یہاں مان لے مراد ہے گزار لے

دھن ——— دولت

جوبن ——— جوانی۔شباب

مان ——— غرور۔تکبر

چھلیاں ——— دھوکا کھانا۔فریب میں آجانا

بال پن ——— بچپن

سے ——— وہ

سیاں ——— سہیلیاں، دوست۔پیارے، ساتھ کھیلنے والے

ساہورڑے ——— سسرال

سپنا تھیسن ——— خواب خیال لگیں گی

بھلیاں ——— نیکیاں۔ نیک اعمال اچھائیاں

ترجمہ:

کچھ دیر رنگ رلیوں میں گزار لے مگر جوانی کی دولت کا کیا بھروسہ ہے یہ تو دو چار دن کی بات ہے اور اس نے تو بڑے بڑوں کو دھوکے دیئے ہیں میں اور تُو کیا چیز ہیں جن کے ساتھ بچپن گذارا وہ سہیلیاں تو بابل کا گھر چھوڑ سسرال جا رہی ہیں اب یہ گلیاں جن میں مل جل کر کھیلا کرتے تھے خواب خیال ہو جائیں گی بھول جائیں گی۔ بس وہی باتیں یاد رہ جائیں گی جو اچھی ہونگی، یاد رکھنے والی ہوں گی یعنی نیک اعمال جو ساتھ رہیں گے اور جن کی قدم قدم پر ضرورت پڑے گی۔

تشریح:

دنیا فانی ہے اور اس کی ہر شے فنا ہونے والی ہے کسی شے کو ثبات نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ پھر تجھے کس چیز کا مان ہے۔ چھن جانے والی چیز کا کیا مان یہ تو کسی بھی وقت دھوکا دے سکتی ہے مان تو ایسی چیز کا کرنا چاہیے جو مان کرنے کے قابل ہو، دھوکہ نہ دے یہ حسن وشباب تو دو چار پل کا ہے۔

آخر کار تو نے اپنے بابل کا گھر چھوڑ کر سسرال جانا ہے مراد دنیا کو چھوڑ کر آخرت کا سفر طے کرنا ہے اور اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جانا ہے جہاں تیری زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ پھر تُو یہ گلیاں یہ در و دیوار بھول جائے گا۔ جہاں تو اپنوں کے ساتھ کھیلتا رہا ہے۔ اور تُو نے اس دوران اپنے لئے کوئی کمائی نہیں کی کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو یادگار ہو جو تجھے تیرے رب کے سامنے سرخرو کر دے بس تو عیش وعشرت میں زندگی گزارنے کو ترجیح دے رہا ہے اور اپنے کل کی فکر سے بالکل بیگانہ ہے۔ کیا تو نے کبھی سوچا ہے کہ تیرے ساتھ کوئی نہیں جانے والا تمام کے تمام لوگ تیرا ساتھ چھوڑ دیں گے سوائے تیرے اعمال کے، تو کیوں نہ

اچھے عمل سے اپنی زندگی کو سنوار تجھے شاہ حسین کہہ رہا ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھلائی کا راستہ اختیار کر۔اور یہی بات ہمیں بلھے شاہ اپنے الفاظ میں سمجھا رہے ہیں۔

اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کتھے ہے سلطان سکندر، موت نہ چھڈے پیر پیغمبر
سبھے چھڈ چھڈ گئے اڈمبر، کوئی ایتھے پائیدار نہیں
جو کجھ کریں سو کجھ پاسیں نہیں تے اوڑک پچھوں تاسیں
سُنجی کونج وانگوں کرلاسیں، کھنباں باجھ اڈار نہیں

(بلھے شاہؒ)

دنیا کے بارے میں دنیا کی حقیقت سمجھنے والے قدم قدم پر ہمیں روشنی دکھاتے رہے مگر!

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

ایہہ دُنیا رن حیض پلیتی ہر گز پاک نہ تھیوے ہُو
جیں فقر گھر دُنیا ہووے لعنت تِس دے جیوے ہُو
حُب دُنیا دی رب تھیں موڑے ویلے فکر کچیوے ہُو
سہ طلاق دنیا نُوں دیئے جیکو سچ پچھیوے ہُو

(سلطان باہوؒ)

(29)

سالو سہج ہنڈا لے!

سَالُو سہج ہنڈھالے نی، سالو سہج ہنڈھا

سَالُو میرا قیمتی، کوئی ویکھین آئیاں تریمتیں گھیاں سبھ سلاہِ
سَالُو پایا ٹنگنے، گوانڈھن آئی منگنے دِتا کہیں نہ جاءِ
سَالُو دُھر کشمیر دا، کوئی آیا برفاں چیردا جانا کر کے راہِ
سَالُو دھر گجرات دا، کوئی میں بھَو پہلی رات دا، کِتے ڈھنگ بہاءِ
سَالُو دھر ملتان دا، کوئی رب دلاں دیاں جاندا، سُتی شوہ گل لاءِ
سَالُو میرا آل دا، کوئی محرم ناہیں حال دا، کِس پئی آکھاں جاءِ
سَالُو بوچھن جوڑیا، کوئی تھیسی رب دا لوڑیا، ہور نہ کیتا جاءِ
سبھے سَالُو والیاں، کوئی اک برچھ دیاں ڈالیاں، تیرے تُل نہ کاءِ
سَالُو دا رنگ جاوَنا، کوئی پھر نہ اس جگ آوَنا، چلے گھم گھماءِ
سَالُو میرا تیندا، کوئی شام بندرا بن سُنی دا، جانا بِکھڑے راہِ
کہے حسین گدائیا، کوئی رات جنگل وچ آئی آ، رب ڈاڈھا بے پرواہِ

الفاظ و معنی:

سَالُو ـــــــ گوٹہ کناری سے سجایا ہوا سرخ رنگ کا دوپٹہ جو دلہنوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے

سہج ـــــــ سکون سے۔ آرام سے۔ تسلی سے

ہنڈا ـــــ استعمال کر

تریمتیں ـــــ شادی شدہ عورتیں

سلاہ ـــــ سراہنا۔تعریف کرنا۔پسند کرنا

گوانڈھن ـــــ ہمسائی

تھبو ـــــ ڈر۔خوف،پریشانی

ڈھنگ ـــــ طور طریقہ

شوہ ـــــ خاوند

بوچھن ـــــ لباس۔چولا

لوڑیا ـــــ ضرورت،حاجت۔طلب

برچھ ـــــ درخت،پیڑ

ڈالیاں ـــــ شاخیں

تل ـــــ برابر،مساوی،ہم پلہ،مقابلے کا

گھم گھمائے ـــــ پھر پھرا کر،لہلہاتے ہوئے۔چکر کھاتے ہوئے۔

تنیندا ـــــ بُنا جا رہا ہے

بکھڑے ـــــ پیچیدہ۔مشکل،الجھے ہوئے

گدائیا ـــــ فقیر

ڈاڈھا ـــــ زبردست۔جبار،مراد اللہ تعالیٰ

ترجمہ:

یہ عروسی دوپٹہ انتہائی قیمتی ہے،اسے احتیاط سے استعمال کر،عورتیں اسے دیکھ کر اس کی تعریف کر رہی ہیں اور جب اسے کہیں ٹانک دیا جاتا ہے تو ہمسائیاں مانگتی ہیں مگر یہ دینے والی چیز نہیں ہے۔میں کیسے دے دوں۔یہاں شاہ حسین کی سالو سے مراد ہے انسانی وجود جسے ہر ایک نے سراہا ہے یہی وجود مختلف رویوں میں مختلف جگہوں پر وارد ہوا اور اپنے

ذمے کے کام جو رب العزت نے اس کے ذمے لگائے گئے اور اذیتیں برداشت کیں اور اپنے اوپر پہلی رات کا ڈر وارد کیے ہوئے زندگی کے دن گزار دیئے مگر جو وجود اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے عطا ہوا وہ کسی کے نصیب میں نہیں اور نہ ہی تا قیامت کوئی اس کی برابری کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی ہے اور نہ ہی کوئی پہلے تھا ہر چند کہ تمام ڈالیاں ایک ہی درخت کی ہیں یعنی ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ہم سب کو اشرفیت سے نوازا گیا اسی لئے ہمارا راستہ بھی کٹھن اور دشوار ہے جس سے گزر کر ہم نے اپنے اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے، ہمارا رب جو بے پرواہ ہے ہماری آبرو اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہمارا بھرم اور مان رکھنے والا ہے۔

تشریح:

ہمارے ہاں روایت ہے کہ دلہن کو خوبصورت سے خوبصورت ترین لباس سے سجایا جاتا ہے تاکہ جب وہ اپنے خاوند کے گھر جائے تو اُس کے حسن کے ساتھ اُس کی زیبائش بھی اپنا رنگ روپ دکھائے اور اُس کا خاوند اُس کی رعنائیوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو۔ اس لباس میں سب سے زیادہ اہمیت دوپٹے کی ہوتی ہے جس پر زیادہ سے زیادہ کام کروایا جاتا ہے، ستارے، گوٹہ کناری یا کئی اور قسم کی خوبصورتی پیدا کرنے والی اشیا جیسے موتی وغیرہ جڑے جاتے ہیں چونکہ دوپٹہ اوڑھا جاتا ہے اس لئے جسم کا بیشتر حصہ اُس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور جس قدر کامدار دوپٹہ ہوگا حسن اتنا ہی دوبالا ہوگا۔ اس لئے بھی شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں دوپٹہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے پوری کافی میں ایک حوالہ بنایا اور اسی کنایے کی بدولت انہوں نے ہم پر وضاحت کی کہ ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے ایک ہی طرح کے جسم سے نوازے گئے۔ جسے اُنہوں نے اوڑھنی سے تشبیہ دی ہے۔ گویا جسم کے اندر کوئی دوسری شے موجود ہے جس کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ جسے ہم روح کہتے ہیں۔ اور ہمارا جسم ایک ایسا حصار ہے جس میں ہماری روح رکھی گئی ہے

اب دنیاوی سطح پر جو بھی تکالیف ہم برداشت کرتے ہیں وہ ہمارے جسم کو اذیت میں ڈالتی ہیں نہ کہ ہماری روح کو۔ علاوہ ازیں شیطان بھی ہمیں جسمانی طور پر ہی گمراہ کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے کیوں کہ ہمارا ظاہری کردار ہمارے باطن کا آئینہ ہے اس لئے ہم جو کچھ بھی اپنی مرضی اور سوچ کے مطابق کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں اور جیسا اس میں کئی ایک محرکات اور عوامل اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں اسی طرح شیطان بھی اپنے مکروہات سے ہمیں ورغلانے کی پوری کوشش کر رہا ہوتا ہے بہ الفاظ دیگر وہ ہمارے جسم کو داغدار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا جسے شاہ حسین کے الفاظ میں بیان کریں تو کہہ سکتے ہیں وہ ہمارے جسم پر اپنا رنگ چڑھانے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ مگر نیک لوگ، اللہ کے برگزیدہ بندے اُسے اُس کی چالوں میں کامیاب نہیں ہونے دیتے اور وہ اپنے جسم پر کوئی داغ دھبہ لگنے کی نوبت نہیں آنے دیتے یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کوئی بندۂ خدا اپنے رب کے حضور میں ہر وقت حاضر رہے۔ ذکرِ الٰہی سے اپنے دل کو منور رکھے، خوف خدا سے اپنی روحانیت کو زندہ رکھے اور اُسی کی عبادت میں زندگی گزارنے کی سعی کرے اُس کا سنگھار دنیاوی کدورتوں کی بجائے روحانیت کے غازے سے کیا گیا ہو اور اُس کا خاوند جو اُس کا خالق حقیقی ہے جس کی طرف اُس نے لوٹ کر جانا ہے وہ اپنے عاشق کے عشق سے متاثر ہو کر اُسی پر اپنی محبوبانہ عنایات فرمائے اور اُس کے تن پر مخالف اور منفی قوتوں کی طرف سے کوئی آنچ نہ آنے دے۔ بندے کا اپنے رب کے لئے مندرجہ بالا عمل اور رب کریم کا اپنے کرم سے بندے پر عنایات کرنے کے درمیان کسی بھی قسم کی رکاوٹ یا کسی بھی طرح کے منفی عمل کا تصور بھی ممکن نہیں رہتا کیوں کہ درمیان میں کوئی ایسی جگہ ہی نہیں ہوتی جو خالی رہ گئی ہو جسے کسی دوسری شے کو پُر کرنا پڑے درمیان میں تو صرف رحمت ہی رحمت ہوتی ہے، وہی رحمت جو وسیلہ رہی اور ہے بندہ اور اُس کے رب کے درمیان واسطے کا، تعلق کا، ایک

ایسے رشتے کا جو سب سے اعلیٰ، مقدس، مضبوط اور نہ ختم ہونے والا ہے اور جو کبھی اپنی قوت میں کمی نہیں ہونے دیتی جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جو رحمت ہی رحمت ہے اور جس نے ہمیں انسان سے اللہ تعالیٰ کے رشتے کا ادراک بخش کر انسان کو اُس کے رب کے کرم اور مہربانیوں سے آشنا فرمایا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ وہ یکتا اور بے مثال ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ لمحہ بہ لمحہ اپنے فضل و کرم کی بارش فرماتا رہے۔ آمین۔

قارئین اس خالق و بندہ کے رشتے میں وسیلہ رحمت کی بدولت جو لطافت پیدا ہوئی ہے اُسے روحانیت کا نام دینا غلط نہ ہو گا۔ اور اسی روحانیت کی رو سے جسم فانی شے ہے۔ جو ہمیں زیادہ عرصہ کے لئے نہیں ملا ہمیں اس کو سنبھال کر رکھنا ہے اور بچانا ہے اُن چھینٹوں سے جو غلاظت سے اُٹھ رہی ہیں تب تک جب تک ہم اسے بخیر و خوبی لوٹا نہ دیں ہمارے راستے کٹھن، اندھیرے اور ویران ہیں ہمیں انہی راستوں سے گزرنا ہے۔ اور اپنے رب، جو ہر ظاہر و باطن سے خوب خوب واقف ہے اور جو جبّار و قہار بھی ہے اور بے پرواہ بھی ہے کی عنایات کے اہل ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ جس کے لئے قدم قدم پر احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔

شاہ حسین اپنی متعدد کافیوں کی طرح اس کافی میں بھی دنیاوی زندگی کی منفی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہیں اور قبر کی پہلی رات کے خوف سے آگاہ کرتے ہوئے ہمیں نیک اعمال کی تلقین کرتے ہیں۔ تا کہ ہم فنا ہونے والی تمام پرکشش چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے اُس سے محبت کرنا سیکھ جائیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے کہ اسی میں ہماری بھلائی کے تمام ثمرات ہیں۔ کہ ہمارا رب تو ہمیں بخشنے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے۔

میاں محمد بخش نے کیا خوب فرمایا ہے۔

لطف کریندا کرم کنندہ ہر دے کم سنوارے
سبھ خلقت دا راکھا اوہو بھیت پچھانے سارے
سبھ وڈیائی اس نوں لائق بے پرواہ ہمیشہ
ہکناں تاج سعادت دیندا، ہکناں بد اندیشہ
عیب میرے پر پلا دیندا ہنر کریندا ظاہر
جدوں کرم دا واڑا کردا کوئی نہ رہندا باہر
ہر عاجز پر رحمت کردا کرے قبول دعائیں
دِن منگے لکھ دان دوائے محرم دل دا سائیں!

(30)

ساری عمر گنوائی!

توں آہو کت وللی نی کڑیے، آہو کت وللی
ساری عمر گنوائی آ اینویں، پچھی نہ گھتی آ چھلی
گلیاں وچ پھریں لٹکیندی، ایہہ گل ناہیوں بھلی
کہے حسین فقیر سائیں دا، داج وِہونی چلی

الفاظ و معنی:

وللی ـــــ بے وقوف، سادہ نا سمجھ، نادان
پچھی ـــــ ٹوکری
گھتی ـــــ ڈالی
چھلی ـــــ سُوت کی اٹی جو بھٹے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس لئے اُسے چھلی کہا جاتا ہے
لٹکیندی ـــــ شوخ انداز میں چلنا۔ مٹک مٹک کر چلنا، ٹہلنے کے انداز میں چلنا
داج ـــــ جہیز
وِہونی ـــــ بغیر، نہ ہونا

ترجمہ:

شاہ حسینؒ ایک اونچے مقام پر کھڑے بار بار ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے لوگو! اپنی زندگی کو یونہی ضائع مت کرو ادھر اُدھر کی بے معنی اور بے مقصد باتوں میں اس

قیمتی وقت کو کھو دینا عقل مندی نہیں کوئی نیکی کرلو کہ نیکی سمانے کی جگہ بالکل خالی پڑی ہے اور جب تم اپنے اللہ کے پاس بغیر کوئی اچھا عمل کیے جاؤ گے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی دلہن بغیر جہیز کے سسرال جائے اور ایسی دلہن کی قبولیت کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔

تشریح:

اس میں شبہ نہیں کہ شاہ حسین ہمارا لب ولہجہ اپناتے ہوئے ہمارے ہی لفظوں میں ہمارے اندر کے انسان کو چٹکیاں بھرتے ہیں اور یوں ہمارے سوئے ہوئے اُن سچے جذبوں کو بیدار کرتے ہیں جن کی وساطت سے ہم شعوری سطح پر زندگی کو اس کی روایات سمیت گذارنے سنوارنے اور پرکھنے کی تمنا کے احساس کا ادراک حاصل کرتے ہیں یہ ادراک ہمیں شاہ حسین کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار کے صوفی اور اُن کے افکار کی دلآویزیوں سے روشناس کروانے میں مدد دیتا ہے۔ اور اسی کے تحت ہی ہم اپنی پسندیدگی کے احاطے کو وسیع کرتے ہوئے اپنے لئے کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر کسی حد تک زندگی کے طور طریقے وضع کرتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کو اچھائی اور بُرائی دو خانوں میں تقسیم کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ دو خانے شاید اس لئے بن جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا استعمال اور اُن میں اپنی من پسند کی آمیزش سے تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا ''کریڈٹ'' بھی چاہتے ہیں اور یہ دراصل ہماری کم عقلی کی دلیل ہے کیوں کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت ایک مکمل اور اعلیٰ اچھائی ہے جسے ہم اپنے غلط استعمال سے اُس خانے میں ڈال دیتے ہیں جو ہماری برائیوں کے لئے مختص ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اس طرح ہمارا وہ خانہ جو اچھائیوں کے لئے بنا ہوتا ہے خالی رہ جاتا ہے اور ہم یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمیں اس کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ شاہ حسین کی اس کافی میں کچھ ایسے ہی اشارے پائے جاتے ہیں جو ہمیں اس فکر کی دعوت دے رہے ہیں کہ ہم ناسمجھی کا مظاہرہ کرنے سے باز رہیں اور اپنی عمر جو ہمیں قدرت کی طرف سے بطور نعمت عطا کی گئی ہے اسے گنوا نہ دیں۔ اسے بے کار نہ گزار دیں بلکہ اللہ کے شکر اور اُس کی عبادت

سے اسے سنواریں، اس کا حق ادا کریں۔ اور ایسے اعمال کریں جو ہماری اچھائی کے خانے میں جمع ہوں یہ ہماری کمائی ہمارے آئندہ کام آنے والی ہے اور اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو ظاہر ہے ہم اپنی عزت اپنا مان کھونے کے صرف اور صرف خود ذمہ دار ہوں گے اور پھر نہ تو کوئی ہمارا پرسانِ حال ہوگا اور نہ ہی ہم کسی کی توجہ کے حق دار ٹھہرائے جائیں گے۔

شاہ حسین نے انتہائی خوبصورت مثال بیان فرماتے ہوئے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے کہ اگر کوئی دلہن بغیر جہیز کے سسرال روانہ کردی جائے تو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے نہ تو کوئی سیدھے منہ اُس سے بات کرتا ہے نہ کوئی اُس کی خاطر داری میں اپنے آپ کو مصروف کرتا ہے بلکہ ہر طرف سے لعن طعن اور طرح طرح کی باتیں سُننے میں آتی ہیں اور اُس کا خاوند اُس کے اس طرح خالی ہاتھ آنے پر اُس کی باقی ماندہ تمام تر رعنائیوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ غرض کہ اُس کی سسرال کی زندگی عذابوں میں گھر جاتی ہے اور ہر لحہ اُس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر ہم اپنی میکے کی زندگی یعنی دنیا میں اپنی سسرال کی زندگی یعنی آخرت کے لئے ایسے اعمال نہیں کریں گے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور اُس کے حکم کے عین مطابق ہوں گے تو ہماری وہاں کیا وقعت ہوگی۔

اس مثال سے مذکورہ کافی لافانی حیثیت اختیار کرتی محسوس ہوتی ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے شادی ہونے کے عمل کی اور میکے سے سسرال روانگی کے سلسلہ کی ازل سے ابد تک جاری وساری رہنے کی مکمل یقین دہانی ہے۔ جو نہ صرف زندگی کی بقا اور بقائے نسلِ انسانی کے فریضہ کی تکمیل کا باعث ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری بھی، اس حوالے سے یہ ایک احسن عمل کے طور پر ہماری زندگی کا اہم حصہ قرار پاتا ہے جو نہ صرف ہماری زندگی کو رعنائیوں سے وابستہ کرتا ہے بلکہ ہمیں قدرت کی بخشی ہوئی لطافتوں کے حقیقی حسن سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے بشرطیکہ ہم اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں جو شاہ حسین نے اس کافی کے ذریعہ ہمیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہمیں دعوتِ فکر دے رہی ہیں آیئے دیکھتے ہیں بابا

فرید الدین گنج شکر اپنے اس شلوک میں ہمیں کیا سمجھا رہے ہیں

جاں توں کھٹن ویلا، تاں توں رتا دُنی سیوں
مرگ سوائی نیہہ، جاں بھریا تاں لدھا!

جی ہاں کچھ کمانے کا وقت ہم نے دنیا کی عیش و عشرت میں گزار دیا، جو ہمارے مرنے کے بعد ہمارے کسی کام نہ آئیں گی۔ اور مرنے سے چھٹکارا نہیں۔

مرزا غالب بھی یہی فرما رہے ہیں۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے!

اور

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
(غالبؔ)

بے شک حق کی ادائیگی کا فریضہ ادا ہونا ہی کامیاب زندگی کی نشانی ہے۔

(31)

میں گولی آں نی!

وارے وارے جانی آں، میں گھولی آں نی

جس ساجن وادیوسیں میہنا، تس ساجن دی گولی آں نی

اچاچیتی گھل بھلاوے، بابل دے گھر بھولی آں نی

کہے حسین فقیر نمانا، خاک پیراں دی رولی آں نی

خاک پیراں دی رولی آں نی

الفاظ و معنی:

وارے جانی آں ــــــ قربان ہوتی ہوں۔ جان نچھاور کرتی ہوں

میہنا ــــــ برائی، طعنہ، ملامت، طنز

گولی ــــــ نوکر، خادمہ، حکم بجالانے والی

اچاچیتی ــــــ بے خبری میں، اچانک، بغیر سوچے سمجھے

نمانا ــــــ عاجز و بے بس

رولی ــــــ مسلے جانا، روندا جانا، خوار ہونا

ترجمہ:

لوگ جس محبوب کے مجھے طعنے دے رہے ہیں میں اُس پر قربان کہ میں تو اُس کا غلام ہوں جس نے اچانک مجھے بابل کے گھر بھیج دیا ہے یعنی دنیا میں بھیج دیا ہے۔ اے میرے محبوب تیرا یہ عاجز بندہ تیرے پاؤں کی خاک ہے اسے اپنے سے الگ نہ کر اور میری قربانی کو ضائع ہونے سے بچالے کہ میں تیری عبادت کرنے کا عادی ہوں۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں جذبۂ محبت سے گوندھی ہوئی مٹی کا استعمال کیا ہوگا جبھی تو محبت کا جذبہ تمام جذبوں سے زیادہ اہم اور قوی تصور کیا جاتا ہے اور اس جذبے کے تحت کئی دوسرے امور اور معمولات صرفِ نظر کر دیئے جاتے ہیں گویا محبت کا جذبہ ہی باقی ماندہ جذبوں کا منبع قرار دیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ بھی انسانی عمل میں آتا ہے اسی جذبے کی بدولت آتا ہے ہاں البتہ اس کی شدت مختلف ضرور ہوتی ہے کیوں کہ ہر انسان کا سوچنے اور محسوس کرنے کا انداز اور شدت کی سکیل اپنی اپنی ہوتی ہے۔ جس سے کافی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون اس جذبے کی کتنی شدت سے مستفید ہو رہا ہے۔ دنیاوی سطح پر اس کی شدت کا گراف کسی اور انداز میں اوپر نیچے ہوتا ہے اور روحانی سطح پر اس کے گراف کو صرف اوپر ہی اوپر ہونا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی شدت انسانی قلوب پر انتہائی نرم ہو کر اثر انداز ہوتی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جو سب جہانوں کا خالق اور پالنے والا ہے کے مقابلے میں بندہ کی حیثیت ایک ذرہ یا شاید اُس سے بھی کہیں حقیر ترین اور جذبۂ رب العزت سے محبت کا، عشق کا یہی جذبہ اسے اشرف المخلوقات کے زمرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اور اس مقام پر نہ تو اردگرد کی خبر رہتی ہے اور نہ اپنی، صرف اور صرف خالقِ کائنات کے جلووں میں ڈوبی آنکھیں اور ذکرِ الٰہی سے سرشار دل باقی سب باطل، اور یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر شاہ حسین فرماتے ہیں کہ میں نے تجھ پر اپنے آپ کو وار دیا ہے۔ میں تیری نوکر ہوں یعنی حقیر ترین میری کوئی حیثیت نہیں*، اور مجھے اس عجز پر فخر ہے کہ میرا تعلق تیرے ساتھ ہے مجھے دنیا کی اور اس کے طعنوں کی پرواہ نہیں۔ مگر اے میرے مالک مجھے دنیا میں اچانک کیوں بھیج دیا میں تو تیری خادمہ تھی میرا یہاں کیا کام، میرا اعزاز تو یہ تھا کہ میں تیرے قدموں کی خاک بنی رہتی۔ اب یہاں ایک صورتِ حال وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ جہاں عجز کا مقام ہے وہیں

---

* اور یاد رہے کہ صوفیا نے اکثر اپنے آپ کو اپنی منکسرانہ طبیعت کے تحت مؤنث کے لہجے میں بات کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو کمزور سے کمزور ترین قرار دے سکیں۔ یہاں کمزوری سے مراد عجز ہے۔ (مثالی)

دوسرے کی خدمت (عبادت) اپنے آپ کو نمایاں حیثیت میں ظاہر کرتی ہے۔ گویا جب شاہ حسین یہ کہتے ہیں کہ میں تیرے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاؤں کی خاک ہوں تو مراد اللہ کی انتہائی درجہ کی عبادت ہے جسے شاہ حسین کے اللہ سے عشق کی دلیل کہنا غلط نہ ہوگا۔ یعنی جذبۂ محبت سے گوندھی گئی مٹی اپنے کمال عروج کو اُس وقت ظاہر کرتی ہے یا اُس وقت قابل تعریف گردانی جاسکتی ہے جب وہ اس عطا کا جائز انداز میں شکر ادا کرے یعنی اپنے رب جس نے اُسے اس جذبے سے سرشار کیا اُس کے آگے سجدہ کرے اُس کی عبادت میں دن رات ایک کردے تاکہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو اور اپنے اللہ کی بارگاہ اقدس میں پہنچے تو اس بات کا شکر ادا کرنے کے اہل ہو کہ اُس کے رب نے اُسے اپنی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا موقع دیا اور اُسے توفیق دی کہ وہ دُنیا میں اچھی زندگی گذارے، اپنے چاہے جانے کے دکھ سے ماورا ہو کر اپنی چاہتیں بانٹے، دوسروں میں پیار تقسیم کرے انسانوں سے محبت کرے کہ یہ عمل بھی احسن اعمال کی طرح اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔

عارف عبدالمتین کا ایک شعر ہے۔

فرماتے ہیں۔

بانٹ جی بھر کے اسے دہر کے محروموں میں
پیار دولت تو نہیں ہے کہ جو گھٹ جائے گی!

بے شک پیار بانٹنے سے بڑھے گا جیسی تو یہ کہنا پڑتا ہے۔

وہ جس کے پیار نے بخشا ہے زندگی کا شعور
میں اُس کا نام بھی لیتا ہوں باوضو ہو کر!

(یوسف مثالی)

پیار' سچا پیار' جو ڈھیروں خوشیوں، اطمینان اور بھروسے جیسی خصوصیات کو یکجا کرنے سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

(32)

اسیں بوہڑ نہ دنیا آونا!

اسیں بوہڑ نہ دنیا آونا
سدا نہ پھلّن توریا، سدا نہ لگدے نی ساونا
کیجے کم وچار کے، انت نہیں پچھتاونا
کہے حسین سنائے کے، خاک دے نال سماونا

الفاظ و معنی:

بوہڑ ــــــ واپس، مڑ کے۔ پلٹنا۔ دوبارہ
پھلّن توریا ــــــ سرسوں کی طرح کی ایک فصل جس کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں اور کھلے ہوئے انتہائی خوشنما لگتے ہیں۔
ان کا کھلنا موسم بہار کی آمد کی خبر دیتا ہے
لگدے ــــــ یہاں مراد ہے مسلسل رہنا
ساونا ــــــ ساون کی جھڑی
وچار ــــــ سوچ۔ سمجھ
انت ــــــ آخر میں۔ آخرکار
سنائے کے ــــــ باآواز بلند، متوجہ کر کے کسی بات کا کہنا

ترجمہ:

ہم نے اس دنیا میں دوبارہ نہیں آنا اور یہ بات طے شدہ ہے ہمیشہ بہار نہیں رہتی اور پھول نہیں کھلتے اور نہ ہی ساون کی جھڑیاں روز روز لگتی ہیں سب کام سوچ سمجھ کر کرنا

چاہیے تا کہ اس کے انجام پر نقصان اُٹھانا پڑے اور نہ ہی پچھتانا پڑے اسی لئے شاہ حسین پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارا ٹھکانہ قبر ہی ہے اس میں جانے سے پہلے ایسے کام کر کہ وہاں جا کر پچھتانا نہ پڑے۔

تشریح:

بار بار ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے مرنا بھی ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں جب کہ شاہ حسین بار بار ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ ایسے کام مت کرو کہ تمہیں نقصان ہو بلکہ وہ کام کرو جس سے تمہیں فائدہ حاصل ہو تمہاری عاقبت سنور جائے اور تمہیں قبر کے اندھیرے میں اپنے روشن اعمال سے روشنی میسر آئے۔ کیوں کہ سدا نہ تو یہ موسم رہے گا نہ ہی تمہاری سُوجھ بُوجھ اور نہ ہی یہ جوانی اور جسمانی طاقت اس وقت تمہیں تمہارے رب نے اختیار دے رکھا ہے کہ تم نیک اعمال سے اپنے لئے بہتریاں کما لو ایسا نہ ہو کہ۔ یہ اختیار، جسے زندگی کہنا غلط نہ ہو گا، تم سے چھین لیا جائے اور پھر تم ایسی پچھتاوے کی آگ میں گر جاؤ جہاں سے نکلنا ممکن نہ ہو۔

شاہ حسین جہاں موسموں کی تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں وہاں انسانی خواہشیں، جسمانی ردو بدل کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہ دونوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس کی تبدیلی محسوس کرتے ہیں یعنی موسم اور انسان دونوں اپنے اندر تغیرات کی عادتیں رکھتے ہیں اس عادت کے حوالے سے ان میں جو رشتہ اور مماثلت پیدا ہوتی ہے وہ ان کے وقت گزرنے کے تاثرات کا مرتب ہونا ہے اس لئے شاہ حسین پورے اعتماد اور وثوق سے یہ بات بار بار اپنی کافیوں میں دہرا رہے ہیں کہ انسان کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بیرونی عوامل اور محرکات کا بدلنا بھی قدرتی امر ہے۔ یہ ماحول، یہ تحریک اور یہ اختیارات تجھے اس وقت کی مناسبت سے عطا کئے گئے ہیں اس کے بدلتے ہی نہ صرف تناسب بھی بدل جائے گا بلکہ اختیارات بھی تیری گرفت سے باہر ہو جائیں گے، اس موقع سے فائدہ اُٹھا لینا چاہیے اور عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غلط راستہ چلنے کی بجائے

اپنے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہیے جو تمہیں تمہاری اُس منزل پر لے جائے گا جہاں ربِ کائنات نے تیرے لئے انعام واکرام رکھے ہوئے ہیں۔

قارئین! اس دور میں جہاں زندگی محض مفاد پرستی کا نام ہے اور اختیارات جبر اور ظلم کے حوالوں سے تسلیم کروائے جاتے ہیں کسی مقام پر تبدیلیاں موافق نہیں ہم ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں اپنے رات دن گذارے چلے جا رہے ہیں ہماری سوچیں ایک خاص دائرے میں گھومتے گھومتے تھک چکی ہیں ایسا دائرہ جس میں آئی ہوئی ہر چیز صرف ہماری خواہشات اور نفسانفسی کی ترویج کی ضمانت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا اصل کنٹرول ہمارے پیدا کرنے والے کے ہاتھ میں ہے۔

جو چاہے کرتے پھرتے ہیں کوئی ٹھوکر ہمیں وقتی طور پر جگانے کا کام کرتی ہے تو دوسرے ہی لمحے ہماری بے حسی ہم پر دوبارہ مسلط ہو جاتی ہے اور ہم اپنی سوچوں سمیت اپنے طے کئے ہوئے دائرے میں اپنے آپ کو رواں دواں کر لیتے ہیں اور اس بات کا خیال ہی نہیں کرتے کہ راستہ جس پر ہم چل رہے ہیں یہ کہیں نہیں جاتا یہ لوٹ کر ہماری ہی طرف آجاتا ہے اس راہ کی کوئی منزل نہیں جب اس راہ کی کوئی منزل نہیں تو ہمارا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ اور اگر اس صورتِ حال میں اسی گردش میں ہم غور کریں تو ہمارا نفس ہمیں مجروح نظر آئے گا۔ ہم جو دوسروں کے لئے بھلائی کا ایک فقرہ تک کہنے کے قائل نہیں رہے ہمارا اپنا آپ دراصل ہم سے زخمی ہو چکا ہے صرف ہم نے دیکھا ہی نہیں ہم نے اپنے آپ کو دیکھنے والی آنکھیں خود ہی نوچ لیں ہیں اور صرف وہ نظر جو ہماری مفادانہ حس کی دھند میں الجھی ہوئی ہے جو ہمیں ہمارا عکس دکھانے سے قاصر ہے اُسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں مگر کب تک آخران سب کے پیچھے ایک پچھتاوا ہمارا منتظر ہے۔ جو صرف پچھتاوا ہی ہے اس کا دوسرا کوئی پہلو نہیں اس کی کوئی کروٹ ہمارے مفاد میں نہیں ہے۔ پھر ہماری مفاد پرستیاں بھی کوئی رنگ نہ لاسکیں گی تو ایسے مفاد پرست ہونے سے بہتر نہیں کہ ہم دوسروں کے لئے سوچیں اور ہماری سوچیں منعکس ہو کر ہمارے لئے مثبت سبب فراہم کریں اور ہم نیک لوگوں میں شمار کئے جائیں۔

(33)

سانوں کھیڈن دے!

نی مائے نی سانوں کھیڈن دے، میرا وت کھیڈن کون آسی
اک رکیری بیا درس بھلیرا، تھر ہر کنبے کوئی ایہہ جیا میرا
شوہ گُن وننا، بیا روپ چنگیرا، انگ لاوے کہ مول نہ لاسی
ایہہ جگ جھوٹھا، دنیا فانی، ایویں گئی مری اہل جوانی
غفلت نال مری عمر وہانی، جو لکھیا سو ای ہوسی
شاہ حسین فقیر ربانا، سو ہوسی جو رب دا بھانا
اوڑک ایتھوں اوتھے جانا، اس ویلے نوں پچھوتاسی

الفاظ و معنی:

وت ——— پھر، دوبارہ
کیری ——— ناچیز۔ احقر۔ حقیر
بیا ——— دوجا۔ دوسرا
کنبے ——— کانپے۔ گھبرائے
شوہ گُن ——— ہمہ صفت۔ جس میں تمام صفتیں اکٹھی ہوں۔ اوصاف حمیدہ کا مالک
چنگیرا ——— اچھا۔ اعلیٰ۔ خوبیوں کا مالک
انگ ——— جسم کا حصہ
عمر وہانی ——— عمر گذارنی

رب دا بھانا ——— جو اللہ کو منظور۔ جو اللہ چاہے

اوڑک ——— آخر

پچھوتا سی ——— پچھتانا

ترجمہ:

ماں! مجھے کھیلنے دے دوبارہ یہ موقع نہیں ملے گا اور نہ ہی میں کھیلنے آؤں گا میں ناچیز اور دوسرا میں نے فرائض میں کوتاہی بھی کی ہے اور میرا دل اس خوف سے کانپ رہا ہے کہ میں نے اپنے کام کو پورا نہیں کیا۔ میرا محبوب یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصافِ حمیدہ کا مالک ہے اور اپنے حسن میں بھی یکتا ہے معلوم نہیں وہ مجھے قبول بھی کرتا ہے یا نہیں میں اُس کے اہل بھی ہوں یا نہیں۔ یہ دنیا فانی اور جھوٹی ہے جس کی وجہ سے میں نے اپنی جوانی برباد کر دی ہے میں نے اس کے کہنے میں آ کر کوئی اچھا عمل نہیں کیا جس کے سبب مجھے خدشہ لاحق ہے کہ وہ مجھے قبول بھی کرتا ہے یا نہیں۔ کیوں کہ میں نے زندگی بے مقصد گزار دی ہے شاید میری تقدیر میں یہی لکھا تھا اور جو کچھ تقدیر میں لکھ دیا جاتا ہے اُسے بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا وہ ہو کر ہی رہتا ہے، اے شاہ حسین اللہ کا بندہ وہ ہی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا ہو اُسے منظور ہو کہ اُس کے حکم کے بغیر پتا تک نہیں ہل سکتا۔ آخر کار یہاں سے یعنی دنیا سے رخصت ہو کر اُسی رب کے پاس جانا ہے پھر اس وقت کو پچھتانے سے کیا ہو گا کہ یہ وقت تو ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین نے ایمان کی پختگی کا ایک کلیہ بیان فرماتے ہوئے ہمیں صحیح راستہ اختیار کرنے کا سبق دیا ہے۔ اور وہ کلیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ بے شک ایسا ہی ہے کیوں کہ وہ مالکِ کُل ہے اور تمام اختیارات اُسی کو حاصل ہیں اور جب تمام اختیارات اُسی کو حاصل ہیں تو پھر تمام اوصاف کا مالک بھی وہی

ہے۔۔۔۔ بندہ جو اُس کے حسنِ تخلیق کا نمونہ قرار دیا جاتا ہے وہ معتبر ہے تو اپنے خالق سے محبت کے حوالے سے، ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا اگر بندہ اپنے رب کی عبادت میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس کی کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہتی اور ہم تقدیر کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے میں ذرا تامل سے کام نہیں لیتے اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس میں تمام قصور ہمارا ہے ہمارے اپنے عمل نے ہی ہمارا سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ قدرت تو قدرت ہے۔ وہ اپنی رحمت سے بندے کی تقصیروں کو درگزر بھی کر سکتی ہے۔ پھر وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر چیز اُس کے اشارے کی منتظر ہے۔ اور جب وہ ہمیں اپنے پاس بلائے گا تو کوئی روکنے والا نہ ہوگا پھر ہمارے پاس ایسی کون سی شے ہوگی جو ہمارے لئے ہمارے رب کی رحمتوں سے التجا کرے گی۔ ہماری معافی کی درخواست ہمارے رب کے حضور پیش کرے گی، وہ صرف ہمارے نیک اعمال ہی ہوں گے جن سے آج ہم نظریں چرائے پھرتے ہیں۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ اُس کے احکامات اور اُس کی عبادت کئے بغیر گزار رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اگر سوچیں تو کئی عوامل ہمارے اردگرد ہمیں دنیاوی آسائشوں کے حصول، نمود و نمائش، ذاتی غرض مندی اور غیر مہذبانہ رویوں کی طرف راغب کرتے دکھائی دیں گے جو ہماری قبولیت کے منتظر ہوں گے اور ہمیں لالچ و ہوس کاری میں مبتلا کرنے کی ازحد کوشش میں ہونگے ہم چونکہ پہلے ہی سے کافی حد تک انہی غلاظتوں کا شکار ہو چکے ہیں اس لئے ہماری رغبت کا میلان بھی انہیں کی طرف جھکنے کا نتیجہ یہ کہ وہ عمل جو خوبصورت عمل کہلاتا ہے وہ کام جسے کر کے روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک اُس کے بندہ کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے پسِ پشت ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ایسا ہم خود کرتے ہیں یہ ہمارا اپنا کردار ہے جو ہم ادا کر رہے ہوتے ہیں پھر کسی دوسری شے کو الزام دینا گناہ پر گناہ کئے جانے کے مترادف ہوگا۔ اور ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں توفیق ملتے

ہوئے بھی راستہ بدل لیتے ہیں جبکہ اللہ کی کتاب کا مضبوط سہارا ہمارے پاس موجود ہے اُسکے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ایک اعلیٰ ترین نمونے کے طور پر ہمارے سامنے ہے مگر افسوس ہم وہ زندگی جینا ہی نہیں چاہتے جو ہمارے لئے ہے ہم اپنا بھلا کرنے سے گریزاں ہیں اور جب یہ صورتِ حال ہو تو پھر ہمارا بھلا کون کرے گا۔ کیا ہم کسی سے بھلائی کی توقع کرسکیں گے۔ ہم خود ہی اپنے نہ ہوئے تو کون ہمارا ہوگا مگر پھر بھی

گنہگاروں کا بیڑا پار ہو جائے گا محشر میں
جو آیا جوش غفاری میں دریا اُن کی رحمت کا (حسرت موہانی)

(34)

سبھّے جاتی وڈی!

اینویں گزری رات کھیڈن نہ تھیا
سبھے جاتی وڈی، نیانی فقیراں دی ذات
کھیڈ کھڈائے گھنوں، تھی گئی پربھات
کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپّر وات
شاہ حسین دی عاجزی، کاٹھ کہاڑے وات

الفاظ و معنی:

تھیا ـــــ گیا۔ ہوا
جاتی ـــــ ذات
نیانی ـــــ چھوٹی
گھنوں ـــــ کرنا
تھی گئی ـــــ ہوگئی
پربھات ـــــ سویرے۔ صبح
پاتنی ـــــ کنارے پر
کپّر ـــــ گرداب۔ بھنور
وات ـــــ منہ۔ طرف

ترجمہ:

اے بندے تیری رات ایسے ہی گزر گئی اور تُو نے اپنے رب کی عبادت نہ

سب کی ذاتیں بڑی بڑی ہیں مگر فقیر تو فقیر ہوتا ہے اس کی کیا ذات اگر ہے بھی تو چھوٹی ذات اے بندے صبح ہونے سے پہلے اپنے رب کو یاد کر لے اُس کا ذکر کر لے۔ کہ تیرا مرشد تجھے کنارے سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ تیری کشتی کا رخ بھنور کی طرف ہے ایسا نہ ہو تو غرق ہو جائے شاہ حسین کی عاجزی لکڑی کے کلہاڑے کی طرح ہے۔

تشریح:

صوفیا نے دن کی عبادت کی نسبت رات کی عبادت کو ترجیح دی ہے اور شاہ حسین نے بھی اس کافی میں رات کی عبادت کا تذکرہ کیا ہے جسے اُنہوں نے کھیل سے تشبیہ دی ہے اور تلقین کی ہے کہ دوسروں کو بھی اس کھیل میں شامل کرنا چاہیے یعنی عبادت میں دوسروں کی شرکت بھی ایک احسن عمل ہے۔ رات کو عبادت کرنے کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ رات خموشی کی علامت بن جاتی ہے اور یکسوئی سے بندہ اپنے اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ رات کے پچھلے پہر خاص طور پر اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ اور اُن کے گناہوں کو معاف فرما کر اپنی بخشش سے ان کو اُن کے نیک اعمال کا بدلہ کئی گنا زیادہ دے کر اپنا قرب عطا فرماتا ہے اور صبح کو شاہ حسین نے وقت کے گذر جانے سے تعبیر کیا ہے یعنی رات عبادت کے لئے موزوں ترین قرار دیتے ہوئے وہ ہمیں بتا رہے ہیں کہ تمہاری زندگی کی کشتی گرداب کی جانب رواں دواں ہے نجانے کب موت کا بھنور اسے اپنی گرفت میں لے لے اور تم سے تمام مواقع جو تمہیں حاصل ہیں ضائع ہو جائیں اور تم اللہ کی عبادت سے محروم ہو جاؤ بہتر ہے صبح ہونے سے پہلے اپنے اندر عجز پیدا کرو اور گڑگڑا کر اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو کہ اس عجز سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر تمہیں بخش دے گا۔

بلھے شاہ کی ایک کافی یاد آرہی ہے جس میں عجز کو انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

راتیں جاگیں کریں عبادت،
راتیں جاگن کُتے
تیتھوں اُتے

بھوکوں بند مُول نہ ہندے
جا رُوڑی تے سُتے
تیتھوں اُتے

خصم اپنے دا در نہ چھڈ دے
بھانویں وجن جُتے
تیتھوں اُتے

بُلھے شاہ کوئی رخت ویہاج لے
نہیں تے بازی لے گئے کُتے
تیتھوں اُتے

(35)

تیہناں نوں غم کیہا!

تیہناں نوں غم کیہا، سائیں جیہناں دے ول
سوہنی صورت دلبر والی، رہی اکھیں وچ گل
اک پل سجن جدا نہ تھیوے، بیٹھا اندر مل
کہے حسین فقیر سائیں دا، چلن اج کہ کل

الفاظ و معنی:

تیہناں ——— اُن کو
سائیں ——— اللہ تعالیٰ۔ مالک حقیقی۔ خالق
ول ——— طرف، ساتھ
تھیوے ——— ہوئے
مَل ——— قابض ہونا

ترجمہ:

اُن کو کس بات کا غم جن کا رب اُن کے ساتھ ہو اور اُس کی خوبصورتی آنکھوں میں سما چکی ہو اور وہ ایک پل کے لئے بھی جدا نہ ہو بس دل میں آ کر بیٹھ جائے۔ شاہ حسین اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے کہ کس وقت اپنے محبوب سے ملنے جاتا ہے جس کا ساتھ اس قدر خوبصورت ہوگا۔

تشریح:

اس مضمون کو شاہ حسین نے اپنی کئی کافیوں میں باندھا ہے اور ہر بار اپنی بے پناہ

محبت اور عشق کا اظہار کرتے ہوئے اپنے خالق اپنے سچے محبوب کی طرف لوٹ جانے کی شدید خواہش کا اظہار کیا ہے جب کہ اس کے برعکس شاہ حسین یہ بھی فرما رہے ہیں کہ وہ ہمارے دل میں براجمان ہے اور ہم اُس سے ایک پل کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے پھر بھی قربِ الٰہی کی خواہش اُس زندگی کی خواہش ہے جہاں صرف اور صرف اپنے رب کی عبادت کے سوا کوئی دوسرا کام نہ ہوگا وہ زندگی جو ہمیشہ کی زندگی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے دیدار سے فیض یاب فرماتا رہے گا۔ شاہ حسین اس کافی میں اسی شدید ترین آرزو کے تحت اپنے دلبر کی دلبری کے متمنی ہیں دنیاوی زندگی جو اپنی تمام تر کششوں کے باوجود اُنہیں کسی بھی طرح اپنا قائل نہیں کر سکی۔ وہ جلد اُسے چھوڑ دینا چاہتے ہیں، وہ بے تاب ہیں اور اپنے آپ سے بار بار پوچھ رہے ہیں کہ کب چلنا ہے اُس منزل کی سمت جہاں محبوبِ حقیقی کے جلوے ہی جلوے ہیں جہاں اُس کا نور آنکھوں کی پتلیوں پر نقش ہو جائے گا۔

قدرت کا حسن ہمارے چاروں طرف اپنے پورے جاہ و جلال اور مکمل جمالیاتی آب و تاب سے اپنی بہار دکھا رہا ہے جسے دیکھنے والی آنکھیں لحہ بہ لحہ اُسے چومتی ہیں اور اپنے نور کو اُس تقویت سے روشناس کرواتی ہیں جو آنکھوں کے راستے روح کو ناقابلِ بیان تسکین سے ہم آغوش کرتی ہے ذرا دیکھئے تو یہ دودھیا جھرنے جو اپنے رب کی حمد و ثنا میں کس روانی سے مصروف ہیں، بادلوں کی ٹولیاں ہوا کے دوش پر بیٹھی تسبیح کر رہی ہیں اور اک اک دانہ ذکرِ الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وجدانی حالت میں رِحم جھم رم جھم زمین پر اُترتا چلا آ رہا ہے کہ وہ بھی حسنِ خداوندی زمین پر بکھرا دے، ہریالیاں بچھا دے اور خوبصورت پرندے جو اپنے رب کا نام جپتے ہوئے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر چہکتے پھر رہے ہیں انعام کے طور پر انہی ہریالیوں سے اپنا رزق چن رہے ہیں اور با آواز بلند اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ سرسبز پیڑوں سے چھنتی ہوئی چاندنی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول بن کر زمین پر اُتر رہی ہے۔ کاش ہم سب اس حسنِ لازوال سے اپنے لیے راحتوں کو سمیٹنے کے تمنائی بن سکیں کاش ہم محسوس کر سکیں کہ ہمارا رب ہر وقت ہمارے پاس ہے۔ وہ رب جو قادرِ مطلق

ہے جس کے قبضے میں کائنات کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی شے ہے۔ اور جس کی پناہ میں رہتے ہوئے کسی شے کا خوف نہیں ہوتا۔ مگر ہم آنکھوں کے اندھے اپنی خواہشات کے غلام نفسانفسی کے چھیتے، حسن حقیقی سے اپنے آپ کو معطر نہیں کر پاتے افسوس! صد افسوس!!

جب کہ ہمیں قدم قدم پر رہنمائی عطا کی گئی ہے آیئے ہم بھی اپنے دل میں اپنے رب کی سچی محبت کی جوت جگالیں اور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے رب العزت کی خوشنودی کے اہل بن جائیں اور سچل سرمست کی طرح ہماری طلب بھی پکار اُٹھے

حسن اساں تے ہلاں کیتیاں، کیکوں آکھاں حال
چت دا چولا تیڈی کارن رو رو کیتم لال
دوست تساڈے دردے باجھوں جیون سبھ محال
نظر اساں گوں کوئی نہ آیا پیار بنا بیا مال
نال سچل دے آن گذاریں من میڈا توں سوال

اور ہم اسی کیف و سرور میں اپنے خالق حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

ترا ہو کے دل اب نہ ہو گا کسی کا
چھٹے سب جو تجھ سے ہوئے آشنا ہم

(حسرت موہانی)

(36)

سمجھ نِدانڑیئے!

سمجھ نِدانڑیئے! تیرا ویندا وقت وِہاندا
ایہہ دنیا دو چار دیہاڑے، ویکھدیاں لد جاندا
دولت، دنیا، مال، خزینہ، سنگ نہ کوئی لے جاندا
مات، پِتا، بھائی، ست بنتا، نال نہ کوئی جاندا
کہے حسین فقیر نمانا، نام سائیں دا رَہندا

الفاظ و معنی:

نِدانڑیئے ——— نادان، ناسمجھ، بے وقوف لڑکی
ویندا ——— گزرتا
لد ——— گزر
سنگ ——— ساتھ۔ ہمراہ
مات ——— ماں
پِتا ——— باپ
ست بنتا ——— بیوی

ترجمہ:

اے نادان لڑکی عقل کر تیرا وقت گزرتا جا رہا ہے چار دن کی زندگی تیرے دیکھتے ہی دیکھتے گزر جائے گی اللہ کی طرف دھیان کر، عبادت کر، اُس کی پرستش میں اپنے آپ کو بھول جا اور اُس کی توجہ حاصل کر لے یہاں کی سمیٹی ہوئی دولت تیرے کام نہیں آ سکے گی کہ

آج تک کوئی دنیا سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاسکا ماں باپ بھائی بیوی کوئی تیرے ساتھ جانے والا نہیں تجھے اکیلا ہی اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔ تُو بھی فانی اور تیری طرح ہر شے فانی ہے صرف اور صرف اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

تشریح:

دولت دنیا کی ہوس میں زندگی کے چار دن دیکھتے ہی دیکھتے گزر جانا اور ہمارا نہ سمجھنا کہ ہم نے کیا کھویا ہے اس سے بڑھ کر ہماری بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے جب کہ صدیوں سے یہ عمل ہمارے سامنے ہوتا آرہا ہے جو ہمیں اس بات کی قدم قدم پر وضاحت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی ہر شے فانی ہے کسی کو بقا نہیں مگر پھر بھی ہم اپنے لئے ہر چیز کی تمنا، اور ہوس کو پختہ سے پختہ کیئے ہوئے زندگی کے الجھاؤ میں الجھتے جا رہے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہماری سنبھالی ہوئی کوئی چیز ہمارے ساتھ نہیں جانے والی۔ روپیہ، پیسہ، سونا، چاندی جسے آج ہم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانتے ہیں اور اپنے آپ سے بھی زیادہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اس کے لئے تمام رشتوں کو بھول جاتے ہیں اور مقدس سے مقدس رشتوں کو خاطر میں نہیں لاتے یہ سب کچھ ہم سے چھن جانے والا ہے یہ صرف اُس وقت تک ہمارے پاس ہے جب تک ہماری سانس چل رہی ہے یا شاید اُس وقت تک بھی نہیں پھر اس کا کیا مان اس کا کیا بھروسہ کیا ہم اپنا جمع کیا ہوا مال اپنے ساتھ لے جاسکیں گے کیا ہم سے پہلے کبھی ایسا ہوسکا ہے کیسے کیسے لوگ اُس دنیا میں آئے جو کئی کئی خزانوں کے مالک تھے مگر جب دنیا سے گئے تو دنیا نے اپنا سب کچھ اُن سے واپس لے لیا سوائے اُن کے اعمال کے کوئی شے اُن کے ساتھ نہ جاسکی۔ حتیٰ کہ انتہائی پیار کرنے والے ماں باپ بھائی بہن بیوی سب کے سب اپنی اپنی باریوں کے انتظار میں ہوتے ہیں کوئی کسی کے ساتھ نہیں جا سکا۔ کہ یہی نظام قدرت ہے۔ تو کیوں نہ وہ چیز سنبھالی جانی چاہیے جو ہمارے ساتھ جانے والی ہے اور ہمیں فائدہ پہنچانے والی ہے ہمیں شرمندگی سے بچا کر ہمارا ساتھ دینے والی ہے ہمیں رب العزت کی نگاہ میں سرخرو کرنے والی ہے۔ یعنی ہمارے نیک اعمال، اپنے رب کی

حمد و ثنا اُس کی عبادت اُس کے بھیجے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اُن کے بتائے ہوئے راستوں کا انتخاب اور اُس کے بندوں سے پیار، مگر یہ سب چیزیں تو ہم نے اکٹھی نہیں کیں ہم نے کوئی ایسا عمل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جس کی بدولت ہم ان نیکیوں سے جھولی بھر سکیں ہم نے ہمیشہ یہ سوچا کہ ہماری دولت ہی ہمارے کام آئے گی حالانکہ ہم جانتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا دُور کی بات نہیں اپنے اردگرد جھانکیے اور دیکھیے کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو سب سہولتیں ہر قسم کی دنیاوی آسائشیں میسر ہیں مگر اطمینان میسر نہیں کہ اطمینان تو ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ کتنی دولت سے تجوریاں بھری پڑی ہیں مگر کسی معمولی سے معمولی بیماری کی شفا حاصل کرنا اُن کے اختیار میں نہیں کہ شفا دینے والی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، کس قدر آرام دہ محل میسر ہیں غرض دنیا کی تمام اشیاً جو اُن کو مطلوب ہیں اُسے جب چاہے حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اُن کی طلب ختم نہیں ہوتی، ہوس بڑھتی ہی جاتی ہے اور ذرا غور تو فرمایئے کہیں یہ ہوس بھی ایک مہلک بیماری تو نہیں جو اندر ہی اندر سے انسان کو کھوکھلا کئے جا رہی ہے اُس کی سوچوں کو سلب کئے جا رہی ہے اُسے اُس کے رب سے دُور کر رہی ہے جو اُسے ہر مصیبت سے چھٹکارا دینے کا مکمل اختیار رکھتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے رب سے مانگ کر تو دیکھے اپنے جسم و روح پر جمی ہوئی غلاظتوں کو اپنے آنسوؤں سے دھونے کی کوشش تو کرے اپنے اللہ کے حضور سجدہ تو کرے، دُعا تو مانگے، توبہ تو کرے کہ وہ رحیم و رحمٰن ہے وہ غفور ہے کریم ہے اُسی کا نام باقی رہنے والا ہے اور بقول غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

پھر ہم اُس کا پلہ پکڑنے سے کیوں کتراتے ہیں جو دائی ہے ہمیشہ ہماری بگڑی سنوارنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہمیں اس طرح آنے سے کون روک رہا ہے۔ ہمارا نفس جو شیطان ہے ہم اس کو کیسے شکست دے سکتے ہیں ہم نے کبھی سوچا—— کیوں نہیں سوچا شاید اس لئے کہ ہم نے اس راہ کو کٹھن تصور کر لیا اپنے لئے آسانیاں تلاش کر لیں ایسی آسانیاں جو ہماری

دلچسپیوں اور ہمارے مفاد کے عین مطابق تھیں اور سیدھی راہ سے انحراف کر لیا جو ہمیں بھلائی کی منزلوں تک لے جانے والی تھی ——— ظلم کیا ہم نے اپنے ساتھ اور کسی کی ایک نہ سُنی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا دھوکہ کیا اپنے آپ کو فریب دیا اور دوسروں کو فریب دینے میں فخر محسوس کیا اپنی کاری گری گردانی

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں

تسبیح پھری تے دل نہ پھریا، کیہ لینا تسبیح پھڑ کے ہُو
پڑھیا علم تے ادب نہ سکھیا، کیہ لیا علم نوں پڑھ کے ہُو
چلّہ کٹیا کُجھ نہ کھٹیا، کیہ لیا چلیاں وڑھ کے ہُو
جاگ بِنا دُدھ جمدے ناہیں، لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہُو

اور بلھے شاہ اس رخ سے سمجھاتے ہیں

اپنا دس ٹکانا؟ کدھروں آیاں، کدھر جانا؟
جس ٹھانے دا ماں کریں توں
اوہنے تیرے نال نہ جانا
ظلم کریں تے لوک ستاویں
کسب پھڑیو لُٹ کھانا
کر لے چاوڑ چار دیہاڑے
اوڑک توں اُٹھ جانا
شہر خموشاں دے چل وسیئے
وچھے مُلک سمانا
بھر بھر پُور لنگھاوے ڈاہڈا
ملک الموت مُہانا

ایہناں سبھناں تھیں ہے بَلّھا

اوگن [illegible] ہار [illegible] پراتا

اپنا دس ٹکانا، کدھروں آیاں کدھر جانا؟

مگر افسوس ہم پھر بھی نہیں سمجھ پاتے اور اپنی زندگی کو تباہی کی ڈگر پر ڈال کر اپنا مذاق خود بننے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب صرف پچھتاوا ہی پچھتاوا ہمارا مقدر رہ جائے گا۔

عرضِ نیاز عشق کے قابل نہیں رہا

جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا!

(غالبؔ)

(37)

کیس باغے دی مولی!

کیس باغے دی مولی حسینا! توں کیس باغے دی مولی
باغاں دے وِچ پھُل عجائب، توں بھی اک گندھولی
اپنا آپ پچھانے ناہیں، اوراں دیکھ کیوں بھُولی
عشق دے در آ کراہیں، منصور قبولی سُولی
شاہ حسین پیا در اُتے، جو کر پوے قبولی

الفاظ و معنی:

کیس باغے دی مولی ——— تم کس کھیت کی مولی ہو۔ محاورہ ہے۔ یعنی تمہاری کیا حیثیت ہے

گندھولی ——— معمولی پھول یا کوئی خودرو بوٹی

قبولی ——— تسلیم کی۔ پسند کر لیا۔ اختیار کر لیا

ترجمہ:

شاہ حسین تُو کس کھیت کی مولی ہے تیری حیثیت ہی کیا ہے باغوں میں رنگا رنگ اعلیٰ سے اعلیٰ پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں تو تُو ایک معمولی سا پھول ہے۔ جسے جڑی بوٹی کہہ دیا جاتا ہے اپنے آپ کو پہچان دوسروں کو دیکھ کر کن خیالوں میں گم ہو گیا ہے عشق کے کھیل تو نرالے ہیں اس کو اپنا کر منصور کو بھی سُولی پر چڑھنا پڑا تھا۔

شاہ حسین تیرے دروازے پر آ گیا ہے اب تو اسے قبول کر لے اس پر اپنی عنایت کر دے اور اس کو اپنے فضل و کرم کے صدقے میں بخش دے۔

تشریح: اس کافی میں شاہ حسین اپنے عجز کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے شاہ حسین تو کس باغ کی مولی ہے (یہ محاورہ کسی کو اُس کی حیثیت یاددلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے) تیری حیثیت ہی کیا ہے کہ اس باغ میں ہر طرف تجھ سے کہیں زیادہ اپنے رب کی عبادت کرنے والے، سجدۂ شکر بجالانے والے اور ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں سرشار رہنے والے موجود ہیں اور جو تجھ سے مرتبہ میں بہت بہتر ہیں ہر لحاظ سے مرتبہ میں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں بلکہ نیک اعمال میں بھی وہ تجھ سے کہیں آگے ہیں تو اپنے آپ کو کیا تصور کررہا ہے تو کیا سمجھتا ہے کہ تو بہت آگے کی منازل طے کر چکا ہے ذرا نظر تو دوڑا تجھ سے آگے بھی ایک جم غفیر پہنچا ہوا ہے جو رب العزت کی شان بیان کررہا ہے اُس کی نعمتوں سے مالا مال ہے اور اُس کی رحمتوں کے نور سے منور ہے۔ تو کیسے اُن کا مقابلہ کرسکتا ہے کہ وہ تو باغِ معرفت کے حسین پھول ہیں اور تیری حقیقت جڑی بوٹیوں جیسی ہے نہ تو اس کی کچھ وقعت ہے نہ اس کا وقار اور نہ اہمیت اپنے آپ کو دیکھ اپنے گریبان میں جھانک کیا تو اُن کے روبرو کھڑا ہوسکتا ہے۔ تو اُن کو دیکھ کر اُن جیسا بننے کی سوچ تو سکتا ہے مگر وہ تجھ سے بہت آگے ہیں تو بس خیالوں ہی میں کھویا رہ کہ عشق کی منزل بہت مشکل ہے اس کی راستے بہت کٹھن اور دشوار ہیں تیرے بس کا روگ نہیں کہ تُو ان پر چل سکے اور عشق کی منزل تک رسائی حاصل کرسکے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ منصور نے عشق کی منزل کو پانے کے لئے اپنے لئے سولی قبول کرلی تھی اپنی جان تک قربان کرنے سے گریز تک نہیں کیا تھا۔ کیا تو ایسا کرسکتا ہے۔ نہیں تو پھر اپنے رب کے در پر پڑا رہ وہ جو بھی تیرے حق میں کردے گا وہی تیرے لئے بہتر ہوگا اور وہی تجھ کو قبول بھی ہوگا۔ کہ تیرا رب ہمیشہ ہمیشہ سے بہتری کرنے والا ہے ——

اپنے سارے فیصلے یوسفؔ خدا پر چھوڑ دے
وہ ہمیشہ بہتری کرتا ہے، تو سوچا نہ کر!

(یوسف مثالی)

(38)

لوں لوں عیب بھری!

ربا میرے اوگن چت نہ دھریں
اوگن ہاری نوں کوگن ناہیں، لُوں لُوں عیب بھرٹی
جیوں بھاوے تیوں راکھ پیاریا، تیرے دوار پڑی
کہے حسین فقیر نمانا، عدلوں فضل کریں!

الفاظ و معنی:

اوگن ——— گناہ۔خامیاں
چت ——— دل۔مراد خیال
اوگن ہاری ——— گناہ گار
گن ——— خوبی، طریقہ سلیقہ، اچھائیاں، ہنر
لُوں لُوں ——— سر سے پاؤں تک، ہر جگہ سے بکمل
جیوں بھاوے ——— پسند ہو۔ جیسے چاہے۔ جو تیری رضا ہو
راکھ ——— رکھ
دوار ——— دروازے پر۔ چوکھٹ پر

ترجمہ:

اے اللہ میرے گناہوں اور میری خطاؤں کو درگزر فرما میں بہت گناہ گار ہوں اور مجھ میں کوئی اچھائی نہیں میرا انگ انگ گناہ آلودہ ہے میں اپنے گناہ کی معافی مانگتا ہوں تو جس طرح چاہے میرے ساتھ سلوک کر میں تیرے در پر آ گرا ہوں مجھے اپنے فضل سے بخش

دے کہ میں تیرے عدل کا سامنا نہیں کر سکتا۔

تشریح:

شاہ حسین نے اس کافی میں دُعائیہ انداز اختیار کرتے ہوئے رب کائنات سے بخشش کی التجا کی ہے۔ اور اس دُعا میں اتنا یقین بھر دیا ہے کہ وہ پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کے گناہوں کو درگزر فرماتے ہوئے اُن کی توبہ قبول کر لے گا۔ اور اُنہیں اپنے برگزیدہ بندوں میں شمار کر لے گا۔

شاہ حسین اپنی کافیوں میں اپنے حوالے سے بات کرتے ہیں یعنی وہ صرف بطور شاعر ہی کافی کے تخلیق کار نہیں بلکہ اُن کی کافیاں اُن کی تمام تر ریاضت، تجربات ومشاہدات اور ارفع سوچ کے مثبت پہلو لئے ہوئے ہیں جو تخلیق ہوتے ہی اردگرد کے ماحول کا احاطہ کرنے کے ساتھ مختلف لوگوں کے جذبوں کی نمائندگی کا فریضہ بھی انجام دیتی ہیں اور ایک خوشبو کی طرح اپنی ترسیل کے ذریعے بھی خود ہی تلاش کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کی کافیاں ہر دور میں زندگی سے مربوط رہی ہیں ——— اقدار کی تبدیلی کے باوصف بھی شاہ حسین تروتازہ اور موجودہ ماحولیاتی مدوجزر کے عکاس محسوس ہوتے ہیں بہ الفاظِ دیگر وہ آج بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہے ہیں اور جہاں کہیں ہمیں ٹھوکر لگتی ہے ہمیں سہارا دے کر اُٹھاتے ہیں اور حوصلہ دے کر منزل حق کی جانب رَوانہ ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ اور کبھی وہ ہماری اندرونی کیفیات کو بھانپ کر اپنے اوپر وارد کرتے ہوئے رب کریم سے اُس کے کرم کے لیے التجا میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اُس سے عدل کی بجائے اُس کی رحمت کے لئے جھولی پھیلاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ کوئی بندہ اپنے رب کے انصاف پر پورا اُترنے کا اہل نہیں اور یہ اہلیت اس لئے نہیں کہ ہم نے اپنے اللہ کے لئے کیا کِیا ہے؟ کیا ہم نے کبھی اُس کے حکم کو مانا؟ اُس کی عبادت میں اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھا؟ کبھی یہ سوچا کہ ہمارا رب ہر وقت اپنے بندوں کا خیال رکھتا ہے اُنہیں رزق دیتا ہے اُنہیں آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اُن پر رحمتوں کا نزول کرتا ہے اور اُن کے لئے ہر طرح کی نعمتوں کو ذخیر

فرماتا ہے۔ نہیں سوچا۔ نہیں جانا کہ ہمارا رب ہمارے لئے بہتریاں ہی بہتریاں کرتا چلا جاتا ہے اور ہم اُس کا شکر ادا کرنے کے لئے بھی اُس کے سامنے نہیں جھکتے، اُس کی بڑائی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ہر مقام پر نمایاں کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں جب کہ ہم اپنے رب کے حکم کے بغیر حرکت تک نہیں کر سکتے۔ پھر بھی ہمیں دنیا پیاری ہے جو ہمیں برباد کر دینے والی ہے۔ ہمیں اپنے جال میں پھنسا کر ہماری قدر و قیمت کو گھٹا دینا چاہتی ہے۔ اپنی چمک دمک سے ہماری آنکھوں کو اندھا کر دینا چاہتی ہے غرض یہ کہ جس حد تک ممکن ہو سکتا ہے ہمیں ہم سے ہی نہیں سچائی کے راستوں سے دُور کر کے ہماری عاقبت خراب کر دینا چاہتی ہے —— مگر افسوس ہم پھر بھی اسی دنیا کا دم بھرتے ہیں جو ہمیں اللہ کے سچے عشق سے باز رکھنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اور اس کے چنگل میں گرفتار ہو کر ہم اپنے آپ کو نیکیوں کے لئے کیسے تیار کر سکتے ہیں —— بس ہم اپنے اللہ کے حضور دُعا گو ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں کو نہ دیکھے اپنی رحمت کو دیکھے جس میں بخشش ہی بخشش ہے۔ ہمیں انصاف کے ترازو میں نہ تولے بلکہ اپنے فضل سے ہمیں معاف فرما دے کہ رب العالمین کے رحم و کرم کا یہی شیوہ ہے۔

جسے شاہ حسین کی طرح دوسرے کئی صوفیا اور شعرا نے بھی اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایک دو مثالیں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ کہ شاید انہیں دعاؤں سے اللہ کے حضور ناچیز کی بخشش کی بھی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

مری کوتاہیوں سے اے خدا صرفِ نظر فرما
میں عصیاں کار و کج رو ہوں، نہیں اچھا چلن میرا

(رفیع الدین ذکی قریشی)

درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول
دستِ دُعا بلند تو کر، ہے دُعا قبول

[illegible] (آتش) [illegible]

اور

سائل نجات کا ہوں، خدائے کریم سے
رحمت بزرگ تر ہے گناہِ عظیم ہے

(آتش)

آغا حشر کاشمیری یوں دُعا گو ہیں

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو! ہٹ جاؤ، دے دو راہ جانے کے لئے
اے دُعا! ہاں عرض کر، عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا! اب پھیر دے رخ گردشِ ایام کے
رحم کر! اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا!
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تُو نہ ہم کو بھول جا
خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب ﷺ کی اُمت میں ہیں!

(آغا حشر کاشمیری)

(39)

امبڑ جو آکھدی!

میнوں امبڑ جو آکھدی کت نی، مینوں بھولی جو آکھدی کت نی

میں رت کتن نوں سِکھیاں

مینوں رہی نہ کائی مت نی

چرخا بھنیں، کھوہیں پونیاں

میں پچھی نوں ماراں لت نی

ہنجو روندا سبھ کوئی

عاشق روندے رت نی

کہے حسین سنائے کے

نہ اتھے آونا وت نی

الفاظ و معنی:

امبڑ ——— ماں

آکھدی ——— کہتی، سمجھاتی

بھولی ——— سیدھی سادھی۔ انجان

کت نی ——— مراد ہے نیک کام کر لے، محنت کر لے

رت ——— ہمیشہ

مت ——— عقل۔ سمجھ

تچھی ــــــ ٹوکری

رَت ــــــ خون۔لہو

وت ــــــ دوبارہ۔پلٹ کر۔واپس

ترجمہ:

ماں کہتی ہے چرخہ کات لے یعنی کوئی نیک کام کر لے یہاں ماں سے مراد شریعت ہے اور شریعت مجھے عبادت کی تلقین کر رہی ہے مگر میں تو ہمیشہ سے اس سے واقف ہوں مگر میں عشق الٰہی میں اس قدر غرق ہو چکا ہوں کہ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں میں عبادت کے سب سلیقے بھول گیا ہوں اور میری عبادت اعمال کی محتاج نہیں رہی میں تو عاشق ہوں میرا رونا بھی عام رونا نہیں کیوں کہ عاشق خون روتے ہیں۔شاہ حسین کہہ رہا ہے کہ دوبارہ یہاں نہیں آنا۔

تشریح:

شاہ حسین کے ہاں دنیا سے بے زاری کی شدت اس قدر ہے کہ وہ اپنی بیشتر کافیوں میں اس کا اظہار کر چکے ہیں اور ویسے بھی دنیا فانی ہے۔اس سے محبت اپنے آپ کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور اس سے دوری اپنے آپ سے محبت اور اپنے آپ سے محبت متقاضی ہے اُس عشق کی جو اپنے اصل محبوب اپنے خالق سے کیا جاتا ہے۔یاد رہے کہ خود سے محبت ہرگز ہرگز ذاتیات کے دنیاوی پہلوؤں کے حوالے سے نہیں بلکہ اپنی شناخت، اپنی پہچان اور اپنے خالق کی تخلیقانہ خوبصورتی کے شکر سے مماثل ہے۔اس لئے اپنے آپ سے محبت عشق حقیقی کے لئے راستہ ہموار کرنے کا ذریعہ بھی ضرور بن سکتی ہے۔دوسرے یہ کہ آپ کی خود سے محبت آپ کو برائیوں سے روکنے کا سبب فراہم کرتی ہے جیسے ہم یا آپ جس کسی سے محبت کرتے ہیں کیا کبھی اُسے کسی بُرائی کی طرف جاتے ہوئے یا اپناتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں، اُسے کس قسم کی تکلیف میں مبتلا ہوتے دیکھ سکتے ہیں نہیں ناں تو جب کسی دوسرے سے محبت کے تقاضے اس قدر نبھائے جاتے ہیں تو خود سے کیوں نہیں کہ اپنا آپ

سب سے زیادہ حقوق رکھتا ہے جنہیں پورا کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہی نہیں بلکہ ایک خاص کشش کے تحت ہم اپنے لئے کئی کام غیر شعوری طور پر بھی کر گزرتے ہیں جن کا ادراک ہمیں کچھ دیر بعد یا مدت بعد ہوتا ہے اور جب کوئی اپنے آپ سے بھی بڑھ کر اپنا ہو تو اُس کے لئے صرف محبت نہیں عشق درکار ہے ایسا عشق جو تمام تر قدروں سے بلند و بالا ہو کیوں کہ اپنے سے زیادہ اپنا صرف اللہ ہی ہو سکتا ہے کائنات کی دوسری کوئی بھی شے اس کمال درجہ کے احساس تک کا بوجھ نہیں سہار سکتی۔ یہ کمالات صرف رب العزت کی شان ہے ـــــ اور اللہ سے عشق اللہ کے حقوق کا متقاضی ہے۔ اُس کی رحمتوں کا طالب بھی ہے اور دلدادہ بھی۔ شاہ حسین اپنی اس کافی میں ایک طالب کی حیثیت سے بات کرنے کی بجائے دلدادہ کے روپ میں اپنے رب کی شان بیان کر رہے ہیں۔ اور وہ اپنے اللہ سے وصال کے شوق میں اپنے اعمال کی گٹھری تک چھوڑے جا رہے ہیں۔ اُنہیں اللہ سے اپنے عشق پر مان ہے جس کے سرُور میں وہ دنیا والوں کو بھی کہتے ہوئے جا رہے ہیں کہ یہاں دوبارہ نہیں آنا۔ یعنی یہ دنیا اس قابل نہیں کہ یہاں دوبارہ آیا جائے جب کہ ایسا ممکن بھی نہیں مگر چونکہ بندہ اپنے رب کے عشق میں اس قدر کھو چکا ہے کہ وہ اس حقیقت کو بھی فراموش کر چکا ہے۔ سوجھ بوجھ تو یہاں تک پہنچتے پہنچتے ویسے ہی دم توڑ دیتی ہے۔

عشق کے بارے میں میاں محمد فرماتے ہیں۔

جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری،
جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں، تاں تاں نبھے نہ یاری
جھاں درد عشق دا ناہیں کد پھل پان دیداروں
جے رب روگ عشق دا لاوے لوڑئیں کوئی داروں!

اور بلھے شاہ اپنی اس کافی میں شاہ حسین کے ہم خیال بن کر اپنے عشق کی لطافتوں سے مسرور ہو رہے ہیں فرماتے ہیں۔

بھینا! میں کتدی کتدی ہٹی
پچھی، پڑی پچھواڑے رہ گئی، ہتھ وچ رہ گئی جتی
اَگے چرخہ، پچھے پیڑھا، مرے ہتھوں تند تڑٹی
بھوندا بھوندا اورا ڈِگا، چُب اُلجھی تند ٹُٹی
بھلا ہویا میرا چرخہ ٹُٹا، مری جند عذابوں چھُٹی
داج دیج نوں اُس کیہ کرنا، جس پریم کٹوری مُٹھی
بُلھا شوہ نے ناچ نچائے، دُھم پئی کر کُٹی
میں کتدی کتدی ہٹی

آیئے اب سلطان باہو کے ایک دوہڑے سے بھی عشق ربی کی منازل طے ہوتی دیکھیں۔ فرماتے ہیں۔

عاشق پڑھن نماز پرم دی، جیں وچ حرف نہ کوئی ہُو
جیہا کیہا نیت نہ سکے درو مندے دِل ڈھوئی ہُو
اکھاں نیر تے خون جگر دا وضو پاک سزوئی ہُو
جیبھ نہ ہلے، ہونٹھ نہ پھڑکن، خاص نمازی سوئی ہُو

اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ اللہ سے عشق کی رعنائیوں سے آگاہ کرتے ہوئے عشق ربی کی دعوت دیتے ہیں۔

آپ سنواریں میں مِلاں، میں مِلیاں سُکھ ہوئے
جے تُوں میرا ہو رہیں، سبھ جگ تیرا ہوئے

بے شک ایسا ہی ہے جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ اُس کا ہو جاتا ہے تو پھر اُسے کسی شے کی حاجت نہیں رہتی کہ خالقِ کائنات مختارِ کل اور تمام قدرتیں رکھنے والا جو اُس کا ہو جاتا ہے۔

(40)

ہک، دوئے، ترن چار!

ہک دوئے، ترن چار پنج چھ سٹ، اسیں اٹھ نوں
چرخہ چا سبھے گھر گئیاں، رہی اکیلی ہوں
جیہا ریجا ٹھوک وٹایو، تیہی چادر تان کے سوں
کہے حسین فقیر سائیں دا، آئے لگی ہن چھک پوں

الفاظ و معنی:

ہک دوئے ——— ایک دو
چا ——— اُٹھا کر
سبھے ——— تمام۔ سب
ریجا ——— لال رنگ کا کپڑا
وٹایو ——— بنوایا۔ تیار کیا گیا
تیہی ——— وہی
چھک ——— کشش۔ طلب۔ جھکاؤ

ترجمہ:

جتنی بھی سکھیاں، سہیلیاں میرے ساتھ چرخہ کات رہی تھیں سب کی سب اپنے اپنے چرخے اُٹھا کر اپنے اپنے گھروں کو جا چکی ہیں میں اکیلی رہ گئی ہوں، جو سرخ رنگ کا کپڑا بنوایا گیا ہے اُسی کو تان کے سو جا شاہ حسین کا کہنا سن اب تیرا وقت پورا ہونے والا ہے۔

تشریح:

انسانی زندگی میں مختلف مدارج رکھے گئے ہیں ماں کے پیٹ سے لے کر قبر تک، بچپن میں جب کسی زندگی کے لوازمات پوری طرح اثر انداز نہیں ہوئے ہوتے اور بچہ اپنی تمام تر توجہ سیکھنے میں صرف کرتا ہے۔ شروع ہی سے قدرت کی عطا کردہ نعمتیں جو اُس کے حصے میں آچکی ہیں اُس کے لئے کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اُس کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں جن کے ذریعے بچے میں آوازوں کو شناخت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے آنکھیں دیکھنا شروع کرتی ہیں اور آواز کے ساتھ ساتھ چیزوں کی شکل وشباہت سے آشنائی حاصل کرنے کا کام کرتی ہیں۔ اور چیزوں کے رنگ اور اُن کی افادیت کا تجزیہ کرنے لگتی ہیں۔ ناک اپنی جگہ اہم ترین فریضہ سرانجام دیتا ہے ہمیں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کرنے اور آکسیجن کو اپنے اندر لے جانے کے لئے راستہ فراہم کرتا ہے اور ہم اس کے ذریعے ہی سانس لے کر زندگی کے دن جو ہمیں عطا کئے گئے پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا ہماری زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس نعمت سے فیض یاب فرمایا اور ہَوا جس کے بغیر زندگی کا ہونا ممکن نہیں اُس کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ ایک خاص مقدار میں تمام مخلوقِ خدا میں تقسیم ہوتی رہے۔ علاوہ ازیں ناک کو ایک کام اور بھی کرنا ہوتا ہے وہ یہ کہ بغیر آنکھوں کی مدد کے چیز کی خوشبو یا بدبُو سے اُس کی اصلیت کا اندازہ لگانا کہ وہ ہے کیا اور انسان کے کس کام آسکتی ہے؟ یا کام آبھی سکتی ہے کہ نہیں اب آیئے مُنہ کی جانب جس کو اللہ تعالیٰ نے ذائقہ شناس بنا دیا، اپنے ذکر کرنے کی اجازت نواز کر اس میں زبان رکھ دی۔ کھانے کے لئے دانت اور نجانے کن کن خوبیوں سے اس کو سنوارا گیا اور پھر آلات بول جو ہمارے اندر انڈیلی گئی مختلف کثافتوں کی مجموعی صورت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ہمارے جسم سے اخراج ہونے کے لئے راستہ دیتے ہیں۔ جنہیں ہم فُضلہ اور پیشاب کہتے ہیں۔ اس طرح یہ نو سوراخ ہمارے وجود میں رکھ دیئے گئے ہیں جو ہمیں باہر کی چیزوں کو اپنے اندر لے جانے اور پھر استعمال کے بعد انہیں مختلف حالتوں میں باہر نکالنے یا

خارج کرنے کے کام آتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے اندر ہی آپس میں اس طرح جوڑ دیا کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایک چیز اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو دوسری پر اثر انداز نہ ہو۔ تاکہ اُس کے اثرات سے انسان کے لئے زندگی پریشان کن نہ ہو جائے اور اپنے اصل معمولات سے مُنہ موڑنے کے لئے از خود کوشش نہ شروع کر دے۔

شاہ حسین کی اس کافی میں بھی انتہائی خوبی سے انسانی زندگی کے تمام تر امکانات کی تصویر کشی کی گئی ہے ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ یہ نو سوراخ جو انسان کے وجود کا حصہ ہیں، وجود نحیف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کام کی رفتار بھی سُست کرتے چلے جاتے ہیں شاہ حسین کی مذکورہ کافی ہمیں اسی حقیقت سے روشناس کرواتی ہے کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو یہ سہیلیاں یا دوست جو ہمیشہ سے اُس کے ساتھ رہتے آ رہے ہوتے ہیں ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو رخصت ہو جاتے ہیں یعنی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اُس وقت انسان اپنی تمام قوتوں سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ یعنی چرخہ جس سے ان قوتوں کا (سہیلیوں کا) کام مراد لیا گیا ہے وہ لے کر یعنی اپنا اپنا کیا ہوا کام (اعمال) رخصت ہو چکی ہیں۔ اور وجود کو بالکل اکیلا چھوڑ دیا ہے گویا جسم کے بھی رخصت ہونے کا وقت انتہائی قریب ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں ایک ایسی خواہش بیدار ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی دوسرا چارہ کار نہیں رہ جاتا اور وہ خواہش ہے موت کی، دنیا کی تمام کشا کش سے بے نیاز ہونے کی اب جو کچھ زندگی میں کمایا مراد ہے جو اعمال کئے اُن کی چادر تان کر رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اور موت کی کشش اپنی جگہ اپنا کام کر رہی ہے جس کے طفیل ہمیں اپنے خالق اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے مگر ہمارے پاس تو اُسے راضی کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز ہی نہیں جو ہمارے لئے باعثِ نجات بن سکے۔ جب کہ اس کے برعکس ذرا عام زندگی میں اپنے اپنے حوالے سے سوچیئے کہ اگر کوئی گھر میں آنے والا آپ کے لئے کوئی تحفہ یا کوئی دوسری ایسی چیز جو آپ کے کام آ سکے نہیں لاتا تو آپ اُس سے کیسا سلوک کرتے ہیں، اچھی طرح بولنا بھی گوارا نہیں کرتے حتیٰ کہ زندگی بھر کے لئے اُسے اُس مقام سے نیچے گرا دیتے ہیں جہاں وہ پہلے تھا یا جو مقام آپ کی سوچوں نے پہلے سے اُس کے لئے متعین کیا ہوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ تو

ہمارا خالق ہے ہم یہاں سے جاتے ہوئے اُس کے لئے کیا لے جا رہے ہیں کیا ہم نے کبھی سوچا کہ وہ حاجتوں سے ماورا ہے ہم جو کچھ بھی لے کر جائیں گے وہ ہمارے ہی کام آنے والا ہے پھر بھی ہم نے نیک اعمال سے ہاتھ کھینچ رکھا ہے پھر بھی ہم نیک رستوں سے گریزپا ہیں اور زندگی کے خاتمے کا وقت انتہائی قریب ہوتے ہوئے بھی یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ ابھی زندگی بہت پڑی ہے جب کہ ہم جانتے بھی ہیں کہ نجانے کون سے پل ہماری سانس رُک جائے ہمیں عطا کی گئی نعمتیں ہمارا ساتھ دینے سے انکار کر دیں اور ہم کوئی اچھا کام کیے بغیر اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو جائیں اور پھر ہماری شرمندگی ہمارے ماتھوں پر داغ دی جائے۔

شاہ حسین ہمیں اپنی اس کافی کے وسیلے سے یہی ادراک مہیا کر رہے ہیں کہ پھر یہ موقع نہیں ملے گا ان لمحوں کو غنیمت جانو اور اپنے اللہ کی عبادت کرو، اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو کہ وہ نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

سراپا میں معصیت ہوں، سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری، خطا پوشی ہے کام اُس کا

(مولانا ظفر علی خان)

(41)

کِت لگیں گی شوہ نوں پیاری!

کِت گُن لگیں گی شوہ نوں پیاری
اندر گوڑا وت گیو ای، مُول نہ دتی او بہاری
کتن سِکھ نی ولّلیے گُڑیے، چڑھیا لوڑیں کھاری
ٹُٹی تند، اٹیرن بھنا، چرخے دنی کر کاری
کہے حسین فقیر سائیں دا، عملاں باجھوں خواری

الفاظ و معنی:

کِت —— کون سے
گُن —— خوبی، بھلائی، اچھائی، ہنر، نیکی
شوہ —— محبوب، خاوند، خالقِ حقیقی
گوڑا —— گند۔ غلاظت
وَت گیو ای —— چلا گیا ہے۔ اکٹھا ہو گیا ہے
بہاری دینا —— جھاڑو لگانا۔ صفائی کرنا
کتن سِکھ —— کام کرنا سیکھ، یعنی اللہ کی عبادت کے طور طریقوں سے آگاہی حاصل کر
وَلّلیے —— بھولے، نادان، ناسمجھ، بے وقوف
کھاری —— شادی سے پہلے کی ایک رسم جس میں دولہا کو نہلایا جاتا ہے اور گھر کی عورتیں مل کر شگون کے گیت گاتی ہیں۔ (کھارے

چڑھنا مستعمل ہے)

تند ـــــــــ دھاگہ

اٹیرن ـــــــــ سُوت کی رسی کو اکٹھا کرنے والا آلہ

کاری ـــــــــ مرمت۔علاج۔درست کرنا

باجھ ـــــــــ بغیر۔علاوہ

ترجمہ:

شاہ حسین فرماتے ہیں تجھ میں کون سے خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے تو اپنے خاوند اپنے محبوب حقیقی کو پیاری لگے گی۔تیرے اندر تو کوڑا بھرا پڑا ہے جو تو نے آج تک صاف ہی نہیں کیا ابھی وقت ہے کچھ گن سیکھ لے کوئی ہنر سیکھ لے جس کی وجہ سے تو اپنے محبوب کو پسند آجائے، اُٹھ اور ہنر سیکھنے کے لئے چرخہ کو درست کر کہ اس کی درستگی کے بغیر تو کوئی ہنر نہیں سیکھ سکے گی۔

تشریح:

آپ نے غور کیا ہو گا کہ چرخہ صوفیا کے کلام میں شروع ہی سے ایک اہم Symbol کے طور پر رہا ہے اور اپنے کام کے حوالے سے انسان کے عبادت کرنے کے طور طریقوں سے مماثل رہا ہے۔جس کی ایک بڑی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ گذشتہ زمانے میں کام کاج کے لئے جس چیز کو زیادہ سے زیادہ کام میں لایا جاتا تھا وہ چرخہ ہی تھا اور چرخے کے ہر حصے کو اس کے استعمال کرنے والے اور دیکھنے والے جانتے تھے۔صوفیا نے اسی لئے چرخے کے حوالے سے انسانی زندگی کے رموز، کردار اور طریق کار کو واضح کیا تا کہ ان کے ارد گرد کے لوگ ان کی باتیں آسانی سے سمجھ کر اپنے لئے بہتری کے امکانات پیدا کرنے کے اہل ہو سکیں اور ایسا ہوا۔یہی وجہ ہے کہ چرخہ کا حوالہ کئی صوفیا کے کلام میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے۔اور استعاراتی پہلو سے بھی انسانی زندگی سے خاص مماثلت رکھتا ہے۔

شاہ حسین کی بیشتر کافیوں میں بھی چرخہ اپنے بھرپور معنوی انداز میں اپنے آپ کو

نمایاں کیئے ہوئے ہے جس کی وساطت سے شاہ حسین اپنی طے کی ہوئی منزلوں کی لطافتوں کو ہم تک پہنچانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

آیئے دیکھئے اب اس حوالے سے شاہ حسین ہمیں کیا سبق دے رہے ہیں اور ہمیں ہمارے عکس کا کون سا پہلو دکھا رہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ تو اپنے خاوند، محبوب حقیقی کو کس وجہ سے پیاری لگے گی کہ تُو نے اُس کے لئے کون سا سنگھار کیا ہے کونسا ہنر سیکھا ہے اپنے آپ میں کون سی خوبیاں پیدا کی ہیں کیا تو نے اپنے محبوب کی رضا اور خوشنودی کے لئے کبھی اُس کے حضور سر کو جھکایا، کبھی شکر ادا کیا، کبھی سوچا کہ تو جس راستے پر ہے یہ وہ راستہ نہیں جو سچائی اور ایمانداری کا راستہ ہے تُو نے اپنے اندر کوڑا کرکٹ اکٹھا کر رکھا ہے۔ دنیا کی تمام برائیاں اپنے اندر جمع کی ہوئی ہیں ہوس کاری تیری نس نس میں سرائت کر چکی ہے مال و دولت کی طلب نے تجھ سے حقوق ربانی کا شعور بھی چھین لیا ہے تیرے ہاتھوں میں کوئی ایسا ہنر نہیں کہ تو دوسروں کی بھلائی کر سکے تیرے شر سے کوئی دوسرا محفوظ نہیں تو پھر تجھ میں کیا محاسن ہیں کہ تیرا رب (شوہ) تجھے پیار کرے تجھے اپنے نیک بندوں میں شمار کرے جب کہ اُس نے تجھے مواقع وسبب فراہم کئے مگر تم نے اپنے اندر کی صفائی نہ کی خود کو ان غلاظتوں سے پاک کرنے کی طرف دھیان تک نہ دیا اور اب یہ غلاظتیں اس قدر پھیل چکی ہیں کہ ان کے تعفن سے تیری کرتوتوں کا پردہ چاک ہونے لگا ہے ہاں اگر تو شاہ حسین کا کہا مان لے تو اب بھی بھلائی کا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے اب بھی سنبھلا جا سکتا ہے ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تیرا رب تیری خطائیں درگزر کرنے پر قادر ہے وہ اپنی رحمت سے تجھے بخش سکتا ہے مگر تُو اس کی طرف دھیان تو کر اُسے پکار تو سہی گڑگڑا کر دعائیں تو مانگ اپنے آپ کو اُس کے سامنے جھکا اور اُس سے رحم کی بھیک مانگ اُسے واسطہ دے اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس وسیلے سے وہ تجھ پر کرم فرما دے اور تو اپنے رب کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

از طفیل مصطفےٰ و مجتبےٰ
در دو عالم حاجتِ ما کن روا

(غلام محمد ایرانی)

اور اگر تو ایسا نہیں کر پائی تو ذلت تیرا مقدر بن جائے گی تو اپنے اللہ کو کیا منہ دکھائے گی کہ تو نے سنگھار ہی نہیں کیا ہوا، نیک اعمال ہی نہیں کئے ہوئے جو تیرا اصل رنگ روپ اور سنگھار ہیں جو تیرے چہرے کو نورانی کرنوں سے جگمگا سکتے ہیں اور جن کی بدولت تو اپنے محبوب کی محبوبیت کا اعزاز حاصل کر سکتی ہے ــــــ اے لڑکی سنبھل جا کہ یہ وقت پھر نہیں ملنے والا اور نہ ہی وقت لوٹا کرتا ہے اچھے اعمال کی فکر کر اور اپنے رب کی رضا کے لئے نیکی کی راہ اختیار کر، تقویٰ اپنا۔ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں پر اپنی زندگی گذارنے کی کوشش کر اللہ تیری مدد کرے!

(42)

تیری کتن والی جیوے!

گھم چرخریا! تیری کتن والی جیوے، نلیاں وٹن والی جیوے
بڈھا ہویوں شاہ حسینا، دندیں جھیراں پییاں
اُٹھ سویرے ڈھونڈن لگوں، سنجھ دیاں جو گئیاں
ہر دم نام سمھال سائیں دا، تاں توں اُستھر تھیویں
چرخا بولے سائیں سائیں، بائڑ بولے توں
کہے حسین فقیر سائیں دا، میں ناہیں سبھ توں!

الفاظ و معنی:

گھم ـــــ چکر لگا۔ چل۔ اپنا کام کر (نیک عمل کر)
چرخریا ـــــ جیسے پیار سے کسی کا نام بگاڑ کر لیا جاتا ہے چرخے سے اس لفظ کو بنایا گیا ہے۔ یہاں چرخے سے مراد انسانی جسم ہے
وٹن ـــــ لپیٹنا۔ سوت لپیٹنا
جھیراں ـــــ فاصلے۔ فرق
سنجھ ـــــ شام
دم ـــــ سانس
سمھال ـــــ سنبھال۔ محفوظ کر، حفاظت کر
اُستھر ـــــ ثابت قدم۔ اپنی بات پر قائم ہے
تھیویں ـــــ ہونا

بائو ——— چرخے کی وہ ڈوری جو اُسے چلاتی ہے

ترجمہ:

اے چرخے اے انسان نیک عمل کر شریعت کا حکم ہے کہ اپنے آپ کو سنوار لے اپنے رب کو پہچان لے آخری وقت آ پہنچا ہے دانت گرنے لگ گئے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی ہلنے لگے ہیں صبح اُٹھ کر کیا تلاش کر رہا ہے تیرے ساتھی تو شام ہوتے ہی چلے گئے تھے اپنی ہر سانس کے ساتھ اپنے اللہ کا ذکر کر لے اپنے آپ کو ذکرِ الٰہی کی عادت ڈال لے تا کہ تُو ثابت قدم ہو جائے، چرخہ یعنی جسم ہر وقت اللہ اللہ کرتا رہتا ہے اور چرخے کی حرکت کو قائم رکھنے والا دھاگہ بھی اللہ ہی کا نام لے رہا ہے مراد ہے سانس شاہ حسین فقیر ہے تیرا اور یہ جانتا ہے کہ میں نہیں ہوں میری کوئی حیثیت نہیں سب کچھ تُو ہے۔

تشریح:

مختلف روحانی مدارج طے کرتے ہوئے جب کوئی اللہ کا نیک بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں اُسے اپنا آپ دکھائی نہیں دیتا اور اُس کے بدلے اپنا مالک، رب کائنات کو ہر جگہ پاتا ہے جو ازل سے ہر جگہ موجود ہے تو اپنی طرف دھیان دینے کی سوچ تک نہیں آتی۔ کہ ربِ کائنات کا حسن، اُس کے جلوے اس کی رحمتیں اس قدر حسین ہیں۔ کہ آنکھ جھپکنے کا خیال تک نہیں آتا۔ یہ عشق کی معراج ہے۔ جو بندے کو اپنے اللہ کی طرف سے ہی عطا کی جاتی ہے۔

شاہ حسینؒ اپنے حوالے سے گویا ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب تو نحیف اور کمزور ہو چکا ہے تیری عمر کا یہ آخری حصہ ہے اب تجھ میں محنت مشقت کی طاقت باقی نہیں رہی مگر پھر بھی تجھے اپنے رب کی عبادت ہر حال میں کرنی ہے کہ جو بھی کوشش اور ہمت کا جذبہ تیرے وجود میں ہے یا جو حوصلہ بھی تیرے پاس ہے وہ تیرے رب کی طرف سے ہے اُس نے اپنی شریعت میں تیرے لئے آسانیاں پیدا فرما دی ہیں بے شک تُو پہلے کی طرح توانا نہیں ہے مگر تجھے اللہ نے توفیق دے رکھی ہے کہ تو اُس کے سامنے جھک جائے اُس کی

رحمتوں کا طالب بن جا اور ایسے سہاروں کا خیال نہ کر اُٹھ کر اُنہیں تلاش نہ کر جو شام ہی سے ختم ہو چکے ہیں جا چکے ہیں تو ان کو اپنا ساتھی اور مددگار تصور کرتا تھا ــــــ تو اپنے اللہ کا شکر ادا کر اور اپنے ہر سانس کے ساتھ اپنے رب کا نام لیے جا، ذکرِ الٰہی کو اپنے سانسوں میں پرو لے تا کہ جب تک تیری سانس چلتی رہے خود بخود تیرے اللہ کا ذکر ہوتا رہے۔ اور تیرا بڑھاپا تیری کسی عبادت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے یہی عمل ہے جس سے تو سرخرو ہو سکے گا۔ اور ثابت قدم ہونے کا ثبوت دے سکے گا جیسے تیرا بدن تیرے بدن کے مختلف حصے تیرے رب کی ثنا میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ اور ہوا جو تیری سانسیں چلانے کی ذمہ دار ہے تیرے رب کی حمد بیان کرتی رہتی ہے تو بھی اپنے پروردگار کی بڑھائی بیان کر کہ اس کے سوا کوئی دوسرا اس قابل نہیں کہ اُس کی تعریف کی جا سکے۔ اور جب تو تمام کا تمام اس کے ذکر میں پرو دیا جائے گا تو پھر نہ تو تیرا وجود باقی رہے گا نہ تُو۔ مراد ہے انسانی نفس کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے تو پاک ہو جائے گا اُن بے مطلب و بے کار خواہشوں سے جو تجھے کوئی فائدہ دینے والی نہیں اور تو اپنے رب کے نور سے منور ہو جائے گا تیری یہ حیثیت ختم ہو جائے گی اور تو اپنے رب کے نور سے پہچانا جائے گا۔ جو لازوال ہے مگر یہ سب کچھ بروقت ہونا چاہیے نہ کہ حاصل شدہ وقت کو سوچوں میں گنوا دینا چاہیے۔

تیرا نامِ پاک دوائے دل، تیرا ذکرِ پاک غذائے دل
تیرا شکر کس سے ہُوا ادا، تیری شان جلِ جلالہ

(امیر مینائی)

شاہ حسین کی اس کافی کا انداز ہمارے دوسرے صوفی شاعروں نے بھی اپنے اپنے الفاظ میں پرُو دیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان سب نے اپنے اپنے دور میں انہی چیزوں کو اپنا ماسٹر سمبل (Master Symbol) بنایا جو ہمارے تمدنی و تہذیبی ترقی کی اکائی کے طور پر ہمارے بڑوں کے استعمال میں رہیں اور اُنہی حوالوں سے اپنے خیالات کی ترسیل کی ذمہ داری نبھائی اور اپنے اردگرد پھیلے لوگوں کو سچائی کے راستے پر گامزن

کرنے کے لئے اپنی ان تھک کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انسانی خدمت کا فریضہ انجام دیا جو آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہمیشہ اس کے وقار میں اضافہ ہی اضافہ ہوگا۔ کیوں کہ سانچ کو آنچ نہیں اور نہ ہی سچائی کا ساتھ دینے والے کی قدر و منزلت میں کمی کے آثار کبھی نمایاں ہوئے ہیں۔ ہم آپ، زمانہ، وقت سب اس بات کے گواہ ہیں۔ آیئے چند صوفیا کے سچے جذبات سے نکلتی ہوئی اُن کرنوں کے اُجالے سے اپنے اُجالے میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کریں جو شاہ حسین کی مذکورہ کافی سے مستفید ہونے کی صورت میں ہمیں نصیب ہوا ہے:

ہُو دا جامہ پہن کراہاں اسم کماون ذاتی ہُو
نہ اُتھ کفر اسلام دی منزل، نہ اُتھ موت حیاتی ہُو
نہ اُتھ مشرق نہ اُتھ مغرب، نہ اُتھ ڈیہہ نہ راتی ہُو
اوہ اساں وچ اسیں اُنہاں وچ، دُور رہی قُربانی ہُو

(سلطان باہُوؒ)

اور بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔

ایہہ تن سبھ رت ہے، رب بن تن نہ ہوئے
جو شوہ رتے آپنے تن تن لوبھ نہ ہوئے!

(43)

متراں دی مجمانی خاطر!

متراں دی مجمانی خاطر دل دا لوہو چھانی دا
کڈھ کلیجہ، کیتم بیرے، سو بھی لائق ناہیں تیرے
ہور توفیق نہیں کجھ میرے، پیو کٹورا پانی دا
متراں لکھ کتابت بھیجی، لگا بان پھراں تڑپھیندی
تن وچ طاقت رہی نہ مُولے، رو رو حرف پچھانی دا
تن من اپنا پُرزے کیتا، تینوں مہر نہ آئی آ مِیتا
اسانوں ہور عذر نہ کوئی، چارا کیہا نمانی دا
کہے حسین فقیر نمانا، تیں باجھوں کوئی ہور نہ جاناں
توں ای دانا، توں ای بِینا، توں ای تان نتانی دا

الفاظ و معنی:

متراں ——— دوستوں۔ یاروں۔ ہم رازوں
مجمانی ——— مہمانی۔ میزبانی۔ آؤ بھگت کے لئے
بیرے ——— ٹکڑے
بان ——— تیر
تڑپھیندی ——— تڑپتی۔ تکلیف میں
مہر ——— خیال۔ ترس۔ مہربانی

میتا ——— دوست۔ یار۔ دل میں رہنے والا

نمانی ——— بے بس۔ عاجز

تان ——— آسرا

نتانی ——— بے آسرا۔ کمزور۔ عاجز

ترجمہ:

دوستوں کی میزبانی اور آؤ بھگت کے لئے دل کا لہو چھانتا ہے میرے محبوب میں نے تیری خاطر اپنا دل نکال کر اُس کے ٹکڑے کر لئے مگر تیرے معیار پر پورا نہ اُتر سکا۔ مگر میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ میرے بس میں اور کچھ نہیں اب پانی کا پیالہ پی لیا، دوستوں نے خط لکھا ہے اور مجھے تیر کی طرح لگا ہے اور میں تڑپ رہا ہوں جس کی وجہ سے میرے وجود میں ذرا بھی طاقت نہیں رہی اور میں رو رو کر حرف کو پہچان پہچان کر پڑھ رہا ہوں۔ میں نے اپنا تن من ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے مگر تجھے میرا ذرا بھی خیال نہ آیا تو کیسا دوست ہے مجھے تمہاری اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ میں تو بے بس ہوں تیری مرضی کے آگے میری کیا بساط شاہ حسین اللہ کا فقیر بے بس ہے مگر تجھے بتا دینا چاہتا ہے کہ تیرے بغیر میرا کوئی شناسا نہیں میں نے تیرے بغیر کسی کو آنکھ اُٹھا کر کبھی نہیں دیکھا کہ تو ہی دانائی والا ہے اور تُو ہی بینائی والا ہے یعنی سب کچھ جاننے اور دیکھنے والا ہے کہ تیرے سوا بے سہاروں کا کوئی سہارا نہیں۔

تشریح:

محبوب کے آنے کی آس، انتظار کی شدت، اور چاہ کی بے تابی میں جیسے وقت کٹ رہا ہے ناقابلِ بیان ہے اور میں مہمان نوازی کے لئے دل کا لہو چھان رہا ہوں اُسے صاف کر رہا ہوں تاکہ اچھی سے اچھی چیز اپنے محبوب کی خاطر داری میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل کروں میں نے تو اپنے دل کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے مگر یہ بھی تیرے لائق نہیں۔ اور اس کے سوا مجھے مزید اور توفیق نہیں اور نہ ہی اور کچھ میرے بس میں ہے۔ اگر میرے بس

میں ہوتا تو شاید میں اپنے محبوب کی خاطر مدارت کے لئے اس سے بھی زیادہ کرتا——— مگر میری قسمت میں شاید تجھ سے دُور رہنا ہے اے میرے محبوب میں تجھ سے دور رہ کر جس عذاب میں مبتلا ہوں اور جو میری حالت ہو رہی ہے وہ کوئی نہیں جانتا۔ مگر میں بے بس ہوں نہ تو اپنی حالت کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ تیرا قرب حاصل کر سکتا ہوں۔ میں نے تیرے لئے کیا کیا تکلیفیں نہیں اُٹھائیں مگر تجھے میرا کوئی خیال نہ آیا حالانکہ تُو جانتا ہے کہ میرا تیرے سوا کوئی نہیں تُو ہی میری سوجھ بوجھ، میری آنکھیں میرا سہارا سب تُو ہی ہے میں تیرے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں۔

شاہ حسین اپنی اس کافی میں محبوب حقیقی سے دُوری کا گلہ کرتے ہیں اور خود کو بے بس اور اُسے مختارِ کل سمجھتے ہوئے جیسا کہ وہ ہے اُسے کہہ رہے ہیں کہ تجھے میرا کوئی خیال نہیں تو مجھ سے ملنے نہیں آتا حالانکہ تیرے لئے ایسا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں میں نے مانا کہ میں تیری خدمت گذاری کے لائق نہیں میرے پاس تیری میزبانی کے لئے تیرے شایانِ شان کوئی شے نہیں مگر پھر بھی مجھے تیری آرزو ہے اور تُو ہے کہ اس طرف کا رُخ نہیں کرتا، مجھے اپنے قرب سے نہیں نوازتا۔ میں تو تجھے اپنی آنکھیں، اپنی سوجھ بوجھ اپنا سہارا بنائے بیٹھا ہوں اے میرے محبوب میری میزبانی قبول فرما اور مجھے اپنی مہمانی کا شرف بخش۔

تنہا ہونا اور تنہائی کا احساس ہونا انسان کو ایسے کرب سے دوچار کر دیتا ہے کہ وہ اپنے ہی حواس کی حد سے اپنے آپ کو خارج کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا اور پھر جہاں عشق کے آخری کنارے پر کھڑا عاشق اپنے محبوب کا منتظر ہو وہاں تنہائی کی اتھاہ کو سوائے اس کے کون پہچانے گا۔ اس ناقابلِ بیان دُکھ کو الفاظ میں ڈھالنے کے لئے دل کو بھی لہو کرنا پڑتا ہے، جگر کے ٹکڑے بھی کرنے پڑتے ہیں اور اُن گِلوں کا حساب بھی رکھنا پڑتا ہے جو کراہوں میں ڈھل کر رگوں کو چیرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ اور شاہ حسین اپنی اس کافی میں انہی کیفیات سے زخمائے ہوئے ہیں۔ یہاں سلطان باہوؒ کا ایک دوہڑا یاد آ رہا ہے سو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

عشق دی بھاہ، ہڈاں دا بالن، عاشق بہہ سکیندے ہُو
گھت کے جان جگر وچ آرہ، ویکھ، کباب تلیندے ہُو
سرگردان پھرن ہر ویلے خون جگر دا پیندے ہُو
ہوئے ہزاراں عاشق باہُو پر عشق نصیب کہیندے ہُو

(سلطان باہُو)

آیئے دیکھئے بلھے شاہ اپنے محبوب کے انتظار میں کیا فرماتے ہیں۔

بوڑھیں وے طبیبا میندھی خبر گئیا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
عشق ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ میں پیتا
جھبدے آنویں وے طبیبا نئیں تے میں مر گئیا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
چھپ گیا سورج باہر رہ گئیا لالی
ہو واں میں صدقے مُڑ جے دیں وکھالی
میں بھُل گئیا تیرے نال نہ گئیا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا

تیرے عشق دی سار وے میں نہ جاناں
ایہہ سر آیا اے میرا بیٹھ ودانان
سٹ پئی عشق دی تاں کوکاں دیتا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا!

(بلھے شاہ)

اور بہادر شاہ ظفر یوں فرماتے ہیں۔

عُمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دِن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں!

(44)

جاں جیویں تاں ڈردا!

جاں جیویں تاں ڈردا رہو وو

باندر بازی کرے بزاری، سہل نہیں اوتھے لاون یاری
رہ وو اڑک وچھیرا تاری، کڈھ نہ گردن سدھا ہو وو
نینہی سر تے ناؤں دھراون، بلدی آتش نوں ہتھ پاون
آہیں کڈھن تے کوک سناون، گل نہ تینوں بندی ہو وو
در میدان محبت جاتی، سہل نہیں اوتھے پاون جھاتی
جیں تے برہوں وگا وے کاتی، مڈھ کلیجے اندر ڈھو وو
اصلی عشق متراں دا ایہا، پہلے مار مکان دیہا
سہل نہیں اوتھے لاون نیہا، جے لائی تے کسے نہ کہو وہ
توں باجھوں سبھ جھوٹھی بازی، کوڑی دنیا پھرے غمازی
نہوں حقیقت گھن مجازی، دوویں گلاں سٹ نہ بہو وو
کہے حسین فقیر گدائی، دم نہ مارے بے پرواہی
سو جانیں جن آپے لائی، ویکھ اوہ جانجی آئے ہو وو

الفاظ و معنی:

جاں ــــــ جب تک

جیویں ــــــ زندہ رہے

اَڑک ——— ضدی۔ہٹ دھرم

وچھیرا ——— بچھڑا

کڈھ ——— نکال

نیہی ——— عاشق۔محبت کرنے والے

ناؤں ——— نام

آہیں کڈھن ——— کراہیں۔آہیں بھریں

جھاتی ——— دھیان۔دیکھنا

وگاوے ——— چلائے

کاتی ——— چھری

مُڈھ ——— شروع۔آغاز

متراں ——— دوست،یار۔غم خوار

دیہا ——— جسم۔بدن۔وجود

سہل ——— آسان

نیہا ——— محبت،پیار۔تعلق،عشق

کوڑی ——— جھوٹی

غمازی ——— چغل خوری

گدائی ——— فقیر

جانجی ——— برائی

ترجمہ:

شاہ حسینؒ اپنی اس کافی میں انسان کو خبردار کرتے نظر آ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ اے انسان جب تک تیری زندگی ہے اپنے اللہ سے ڈرتا رہ کہ وہاں یاری لگانا آسان کام نہیں۔کیوں کہ اس عشق میں بندر کی طرح ناچ نچایا جاتا ہے۔تُو اپنے آپ کو اس عشق کی

بدنامی سے بچا میں کیوں کہ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے جلتی آگ میں ہاتھ ڈال دینا تیرا آہیں بھرنا اور چیخ و پکار کرنا درست نہیں اور نہ ہی محبت کی طرف دھیان کرنا صحیح ہے جس پر جدائی کے وار ہو چکے ہوں اُسے ضبط کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے کہ حقیقی عشق میں مرنے سے پہلے مرنا پڑتا ہے، نفس کشی کرنی پڑتی ہے۔ اسی لئے حقیقی عشق کی راہ پر چلنا ہر ایک کے بس میں نہیں اور اگر تجھے عشق ہو جائے تو کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ دنیا تجھے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گی کیوں کہ دنیا جھوٹی ہے تجھ پر بھی طرح طرح کے بہتان لگانے سے گریز نہیں کرے گی البتہ سچے عشق کی راہ میں مجازی عشق بھی آتا ہے اور یہ باتیں تج دینے والی نہیں شاہ حسین فقیر کی بات سن اللہ بے پرواہ ہے کسی کی کیا مجال کہ اُس کے سامنے من مانی کرے اور اُس کی بے پرواہی کے بارے میں وہی جان سکتا ہے جو اُس کے سچے عشق میں مبتلا ہو اور ہر وقت اپنے رب سے ملنے کا تمنائی ہو۔ یعنی زندگی پر موت کو ترجیح دے اور اُسے حضرت عزرائیل علیہ السلام براتی نظر آئیں جو اُسے لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں یعنی موت کی طلب اور موت کو ہر وقت محسوس کرنا۔

تشریح:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں عشق حقیقی کی تکلیفوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور بتا رہے ہیں کہ عشق آسان کام نہیں اس میں دنیاوی خواہشوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اپنے نفس کو کچل دینا تو پہلی شرط ہے، مرنے سے پہلے مرنا اور زندگی کی رعنائیوں سے مُنہ پھیر لینا عشق کی منزل کی طرف پہلا قدم ہے اور یہ قدم وہی اُٹھا سکتا ہے جس میں حوصلہ ہو جس میں غیر موافق حالات سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہو۔ مخالفتوں کی کرب ناکیوں کو اور جھوٹی تہمتوں کی اذیتوں کے وار دل پر سہنے کی ہمت ہو کہ یہ عشق تو ایسے ایسے امتحان لے سکتا ہے جو انسانی وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ سب سے پہلے تو اللہ کا ڈر اپنے دل میں پیدا کر کہ تیری زندگی اور موت دونوں تیرے رب کے اختیار میں ہیں یہ تیرے سچے عشق کا ایک پہلو بھی ہو سکتا ہے کہ تو اس ڈر کی وجہ سے کئی گناہوں سے بچ جائے گا۔ اور یاد رکھ تیرا یہ عشق تجھے چین

سے بیٹھنے نہیں دے گا بلکہ تجھے ناچ نچواتا پھرے گا۔ اور تجھے جگہ جگہ بدنام کر کے چھوڑے گا ـــــــ ظاہر ہے عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے ساری کوششیں بے کار رہ جاتی ہیں اور انسان اپنے اردگرد سے بے خبر اپنی دھن میں اپنے محبوب کی توصیف میں کھویا ہوتا ہے دیکھنے والے لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں مگر عاشق کے دل کا حال کوئی نہیں جانتا کوئی یہ سوچنا گوارا نہیں کرتا کہ عاشق لوگوں کا کچھ بھی اختیار میں نہیں ہوتا۔ اُن کے تمام تر اختیارات محبوب کو ہوتے ہیں اسی لئے تو وہ موت سے پہلے مر جاتے ہیں اُن کی خواہشیں خود بخود دم توڑ دیتی ہیں ان کے جذبے جو اسی دنیا سے مستعار ہوتے ہیں دنیا ہی کی نذر ہو جاتے ہیں اور وہ محبوب حقیقی کی کشش اور طلب سے اپنے آپ کو آسودہ پاتے ہیں۔ اور لحہ بہ لحہ عزرائیلؑ کے منتظر رہتے ہیں۔

عشق ہمیشہ بے لوث سچے جذبوں پر اپنی اساس رکھتا ہے اور یہ جذبے دل کی پاکیزگی نظر کی طہارت، سوچ کی متانت اور نفس کی شرافت سے جنم لیتے ہیں ان میں سے اگر ایک بھی وصف نامکمل ہو تو عشق جو حقیقت کی شناخت کا دعویٰ کرتا ہے اپنے دعویٰ میں ٹھوس اور جامع دلائل سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور ایک ایسی ڈگر پر رواں ہو جاتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی اس کے برعکس اگر متذکرہ اوصاف اپنی پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہوں تو عشق پورے جاہ وجلال اور وقار سے اپنے اثرات مرتب کرتا چلا جاتا ہے اور جب عشق کی بنیاد یہ ہو وہ عشق حقیقی ہی ہو سکتا ہے جو صرف اور صرف اوصاف حمیدہ کو عطا کرنے والے رب العزت پاک پروردگار کے لئے وقف ہے کہ ایسی سچی کشش، بندے کی اپنے خالق ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ ان سب خصوصیات کو سنبھالنے کا کام جان جوکھوں میں ڈالنے والا کام ہے بہ الفاظِ دیگر یہ خصوصیات اللہ کی دین ہیں اور ان کو بصد احترام انسانی وجود میں محفوظ رکھنا خاصا مشکل اس لئے ہے کہ دنیاوی عوامل یقینی فتحیابی کے ساتھ تمام تر قوتوں سے انسانی ذہن ودل پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ایسے میں انسان کو بچانے والی طاقت صرف ذکرِ الٰہی ہے جو اللہ پاک سے عشق کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ والے دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہوتے اُن کی تعلق داری صرف اپنے رب کے لئے ہوتی ہے اُن کی سوچوں کا محور حکم ربی اور قرآن وحدیث کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں جس خوبی سے عشق کے مدارج کی تصویر کشی کی ہے وہ نہ صرف قابلِ ستائش ہے بلکہ ہمارے سامنے عشقِ حقیقی کی جاذبیت کو مزید اُجاگر کرنے کی کوشش بھی ہے۔

عشق انسان اور اللہ تعالیٰ کے روابط کی بنیادی اکائی کا درجہ رکھتا ہے اس لئے صاحب اظہار لوگوں نے عشق کی کیفیت کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔

عشق حقیقی جھاں پایا مُونہوں نہیں الاون ہُو
دم دم دے وچ آکھن مولا دم نُوں قید لگاون ہُو
خفی خفائی حق حقانی، بسر سی ذِکر کماون ہُو
میں قُربان تنھاں توں جیہڑے ہِک نگاہ وچ آون ہُو

عاشق ہوتے عشق کما، دل رکھیں وانگ پہاڑاں ہُو
سَے سَے بدیاں لکھ اُلاہمے جانیں باغ بہاراں ہُو
چا سُولی منصور دتا جو واقف کُل اسراراں ہُو
سجدیوں سر نہ چایئے توڑے کافر کہن ہزاراں ہُو

(سلطان باہوؒ)

آیئے دیکھیے بلھے شاہ عشق کو کس نظر سے دیکھتے ہیں

نی مینوں لگڑا عشق اوّل دا
اول دا روز ازل دا

وچ کڑاہی تل تل جاوے
تلیاں نُوں چا تل دا

نی مینوں لگڑا عشق اوّل دا

مویاں نوں ایہہ ول ول مارے
ولیاں نوں چا وَل دا
نی مینوں لگڑا عشق اوّل دا

کیا جاناں کوئی چنگ لکھی اے
نت سُول کلیجے سل دا
تیر جگر وچ لگا عشقوں
نہیں ہلایاں ہل دا
بلّھا شوہ دا نیوں انوکھا
نہیں رلایاں رل دا
نی مینوں لگڑا عشق اول دا
اول دا روز ازل دا

(بلّھے شاہؒ)

جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کردے صابر بھکھے ننگے
عشقوں باجھ ایمان کویہا، کہن ایمان سلامت
مر کے جیون صفت عشق دی دم دم روز قیامت
پُل صراط عشق دا پینڈا سو جانے سو مُردا
آس بہشت دلیری دیندا نرگ وچھوڑا گھر دا

(میاں محمد بخش)

(45)

ویکھ نہ میںڈے اوگن!

ویکھ نہ میںڈے اوگن ڈاہوں، تیرا نام ستاری دا
ٹوں سلطان سبھو کجھ سردا، مالم ہے تینوں حال جگر دا
تیں کولوں کجھ ناہیں پردا، بھول نہ عیب وچاری دا
توں ہی عاقل، تو ہی دانا، توں ہی میرا کرکھسمانا
جو کجھ دل میرے وچ گذرے، توں محرم گل ساری دا
توں ہیں داتا، توں ہی بھگتا، سبھ کجھ دیندا مول نہ چکدا
توں دریاؤ مہر دا وہندا، مانگن قرب بھکھاری دا
ایہو عرض حسین سناوے، تیرا کیتا میں من بھاوے
دکھ درد کجھ نیڑ نہ آوے، ہر دم شکر گزاری دا

الفاظ و معنی:

اوگن ـــــ گناہ۔ خطائیں۔ خامیاں

ڈاہوں ـــــ طرف۔ جانب

ستاری ـــــ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام (ستار) چھپانے والا۔ پردہ پوشی کرنے والا

مالم ـــــ معلوم۔ خبر۔ جاننا

کھسمانا ـــــ رکھوالا۔ حفاظت کرنے والا

محرم ـــــ جاننے والا۔آشنا۔واقف کار

بھگتا ـــــ بخشش کرنے والا۔دینے والا۔عطا کرنے والا

مُول ـــــ بالکل

چکدا ـــــ جھجکتا۔شرماتا

مہر ـــــ مہربانیاں۔کرم۔رحم۔احسان

وہندا ـــــ جانا۔بہنا۔گذرنا

بھکھاری ـــــ بھکاری۔مانگنے والا۔طالب

بھاوے ـــــ پسند آئے

نیڑ ـــــ نزدیک۔قریب۔پاس

ترجمہ:

شاہ حسین رب ذوالجلال سے دُعا کرتے ہوئے ملتجی ہیں کہ اے رب میں بہت گناہ گار ہوں تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما کہ تو اس پر قادر ہے اور تیرا یہ وصف ہے کہ تو اپنے بندوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اُن کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے تو میری تمام حالت سے واقف ہے اور تو ہی میرا رکھوالا ہے کہ تو دلوں کے حال جانتا ہے اور تو سب کا رازق ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے تیرا منگتا تجھ سے تیرے قرب کا سوالی ہے۔ بے شک تو جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے میں ہر حال میں تیرا شکر گزار ہوں اسی وجہ سے کوئی دکھ تکلیف میرے نزدیک نہیں آتے۔

تشریح:

شاہ حسین نے رب العزت کے توصیفی اسمائے گرامی کی وساطت سے اپنی اس کافی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے اور دُعا کی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اس لئے اے میرے رب میرے گناہوں کو نہ دیکھ میری پردہ پوشی فرما اور مجھے ہر وقت شکر کی توفیق دیئے رکھ جس کی وجہ سے میں ہر دکھ تکلیف سے آزاد رہتا ہوں شاہ حسین نے اللہ تعالیٰ کے

جن اوصاف سے اس کافی میں استفادہ کیا اور اس کے حُسن کو چار چاند لگا دیئے راقم کی خواہش ہے کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ورد سے اپنے دل و روح کو طمانیت بخشیں اللہ ہم سب کو اپنے ذِکر کی توفیق سے نوازے اور اس کے بدلے میں ہمیں شکر کرنے کے اعزاز سے بھی مستفید فرمائے آمین۔

احمد رضا خان بریلوی کا اسی کافی سے مماثل ایک خوبصورت شعر ملاحظہ فرمایئے

یا الٰہی! نامۂ اعمال جب کھلنے لگے
عیب پوشِ خلق، ستارِ ﷺ خطا کا ساتھ ہو

(احمد رضا خان بریلوی)

اللہ تعالیٰ کے ناموں کے حوالوں سے چند مختلف حمدیہ اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ کا ذکر وہ ذکر ہے جس سے تھکن دُور ہوتی ہے۔ اور قلبی سکون میسر آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ تو ملاحظہ فرمایئے۔

وہ خوش نصیب ہیں جن پر تری عنایت ہو
ترا خیال کرم ہے، تیری نظر انعام

(باقی صدیقی)

تُو رحیم و کریم خالق ہے
سب کے لب پر ہے داستاں تیری
ابتدا تُو، محیطِ کُل ہے تُو
یاد آتی ہے ہر زماں تیری

(بہزاد لکھنوی)

اے خدائے کریم! اے ستار!
کس سے ہو تیری نعمتوں کا شمار

تُو ہی رحمان ہے، رحیم ہے تُو
بے طلب دے جو، وہ کریم ہے تُو
حی و قیوم، لا شریک لہ
ہے ترا ذکر ہر کہیں، ہر سُو
تُو ہی معبود ہے، تُو ہی مسجود
ہے تری ذاتِ پاک لا محدود
بے نواؤں کو بے نیاز کرے
تُو جسے چاہے سرفراز کرے
تیرے لطف و کرم پہ نازاں ہوں
تیرے محبوب ﷺ کا ثنا خواں ہوں
عشقِ خیر البشر ﷺ عطا کر دے
دامنِ دل کو نور سے بھر دے

(حافظ لدھیانوی)

پیکرِ جرم ہوں میں، ایزدِ غفار ہے تُو
میں بد اعمال و بد افعال ہوں، ستار ہے تُو
کون ہے تیرے سوا تُو ہی تُو ہے ربِ کریم
اپنی مخلوق پہ ہر آن تُو ہی تُو ہے رحیم

(سجاد یزدانی)

(46)

جہاں دیکھو تہاں کپٹ ہے!

جہاں دیکھو تہاں کپٹ ہے، کھوں نہ پیو چین
دغا باز سنسار تے، گوشہ پکڑ حسین
من چاہے محبوب کو، تن چاہے سکھ چین
دوئے راجے کی سیدھ میں، کیسے بنے حسین

الفاظ و معنی:

کپٹ ـــــ دھوکا۔فریب۔مکاری
گوشہ پکڑ ـــــ علیحدگی پسند۔ایک کونے میں بیٹھ رہنے والا۔الگ تھلگ
دوئے ـــــ دونوں
سیدھ ـــــ درمیان میں۔بیچ میں

ترجمہ:

جدھر بھی دیکھتا ہوں دھوکا ہی دھوکا ہے اور ذرا سکون نہیں دنیا دغاباز ہے اس سے کنارا کرنا ضروری ہے۔دل تو تیرا محبوب کا طالب ہے اور تن سکھ چین کا طالب یعنی تُو اندر سے کچھ ہے اور باہر سے کچھ کہ محبوب کے طالب کو چین نصیب نہیں ہوتا ان دونوں کے درمیان پھنس کر انسان انسان نہیں رہ سکتا اُسے کسی ایک طرف ہونا پڑے گا۔

تشریح:

شاہ حسین کی بلیغ نظروں نے دنیا کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے انسانی جبلت

(47)

تن میں کیوں آئی!

تن میں کیوں آئی ساں، موری تند نہ پئی اکائے
آوندیاں اُٹھ کھیڈن لگی، چرخا چھڈ اجائے
کتن کارن گوہڑے آندے، گیا بلیدا کھائے
ہورناں دیاں اڑیاں اٹیاں، نمانی اڑی کپاہے
ہورناں کیتیاں پنج ست پُونیاں، میں کیہ آکھاں جائے
کہے حسینؔ سچجیاں ناریں، لیسن شوہ گل لائے

الفاظ و معنی:

تن ــــــ ترنجن۔ جہاں لڑکیاں مل کر چرخہ کاتتی ہیں۔ محفل
موری ــــــ میری
گوہڑے ــــــ پُونیاں
بلیدا ــــــ بیل
سچجیاں ــــــ سلیقہ مند، ہنرمند

ترجمہ:

میں یہاں کیوں آیا جب کہ میں کوئی عبادت نہ کر سکا۔ کھیل کود میں وقت گنوا دیا اور نیک اعمال کی کوشش ترک کر دی جو سانسیں مجھے عطا کی گئیں وہ ضائع ہو گئیں اور جس کام کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا وہ بھی نفس کی نذر ہو گئے اور میری زندگی بے کار ہو گئی دوسرے لوگوں نے تو نماز قائم کی اور تہجد اور اشراق کی نماز میں بھی کوتاہی نہیں کی میں جا کر کیا کہوں گا

کیا جواب دوں گا۔ جن لوگوں نے اللہ کی عبادت میں رات دن گزارے انہیں اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔

تشریح:

جیسا کہ آپ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ چرخہ صوفیائے کرام نے خاص سمبل (symbol) کے طور پر ہی استعمال کیا ہے جس سے زندگی کے تمام تر حوالے مربوط کئے گئے ہیں یعنی چرخے کی ساخت سے لے کر اُس کے کاتنے تک جتنے بھی مرحلے ہیں ان کو زندگی سے نتھی کیا گیا ہے اور اسی سے نیکی و بدی کے مفہوم کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی وجہ میں نے پہلے بھی کسی کافی میں آپ کی خدمت میں عرض کی ہے کہ پرانے وقتوں میں چرخہ ایک ایسی اہم بنیادی ضرورت کا درجہ اختیار کر گیا تھا جو آج کل کسی انڈسٹری کو ہوتی ہے جو انسانی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے میں ہماری مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں چرخہ کات کر روزگار بھی کمایا جاتا تھا اور اس کی وساطت سے لباس تیار کر کے .... پہنا بھی جاتا تھا۔ ممکن ہے آج کا نوجوان قاری اس سے آشنا نہ ہو یا چرخہ کی شکل و شباہت سے واقف نہ ہو مگر چرخہ کو موجودہ انڈسٹری (جو بنیادی ضروریات میں اہم کردار ادا کرتی ہے) کا محرک کہنا غلط نہ ہوگا۔ شروع شروع میں جس گھر میں چرخہ ہوتا تھا اُسے اچھے سے بہتر خیال کیا جاتا اور کپاس کی فصل کے دنوں میں لڑکیاں کپاس کے پھول چننے کے بعد اکٹھی ہو کر اُس گھر میں جمع ہو جاتیں جہاں چرخہ ہوتا تھا اور روئی کے اُن گالوں کو چرخے کی مدد سے دھاگہ میں منتقل کرتیں اس دوران کام کاج کے ساتھ ساتھ اپنا دل بہلانے کے لئے جہاں مختلف باتیں ہوتی رہتیں وہاں گیت، ماہیا، ٹپہ، بولیاں، گھوڑیاں، دوہڑے اور ڈھولے بھی گائے جاتے تاکہ وقت کو بہتر انداز میں گذارا جائے اور مسلسل کام سے اکتاہٹ کا احساس نہ ہو۔ مذکورہ بالا اصناف انہی ادوار کی یادگار ہیں جو لوک ورثہ کے حوالے سے ہماری اساس کی پہچان ہیں۔ اور سینہ بہ سینہ سفر کرتے ہوئے آج بھی ہمارے دل و روح کو اپنی خوشبو سے معطر کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تخلیق پانے والے فن پارے اپنے

خالق کے نام سے محرومی کا شکار رہے ہیں جنہیں بعد میں کئی ایک لوگوں نے اپنے جذبات کی ترسیل کا وسیلہ بنا کر اپنی تخلیق کا حصہ بنا لیا تب سے بعض تخلیقات کسی نہ کسی کے حوالے سے مختلف جگہوں پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہر کیف بر سبیل تذکرہ اس بات کو صرف نظر کرتے ہوئے ہم مذکورہ بالا کافی کے محاسن کی طرف آتے ہیں۔

شاہ حسینؒ نے چونکہ زندگی کا بغور مطالعہ کیا جو اُن کی کافیوں سے واضح ہے اس لئے عوامی سطح پر اُن کی نگاہ گہری رہی اور اُنہوں نے ہر اُس بات کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر لوگوں کو ہدایت دینے کا احسن ترین کام سرانجام دیا جو رب العزت نے اُن کے ذمے لگایا تھا۔ اور چونکہ اُنہوں نے اکثر و بیشتر کافیوں میں اپنے حوالوں سے بات کی ہے اس لئے اُن کے مشاہدات اور تجربات کا یکجا ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے جو ایک اعلیٰ ترین فن پارے کی تخلیق کا بہترین وسیلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کسی فنکار کا کسی کام میں بنیادی کردار ادا کرنا متذکرہ بالا زمرے میں آتا ہے ——— اسی لئے شاہ حسین لطیف سے لطیف نکتہ کو با آسانی اپنی کافی کا حصہ بنانے پر قادر ہیں۔ اور یہ آپ دیکھ چکے ہیں ——— اس کافی میں بھی شاہ حسین ہمیں انسان کی پیدائش اور اُس کے فرائض اور فرائض سے روگردانی کے بارے میں فرما رہے ہیں اور اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر تصور کر رہے ہیں، چونکہ انسان کی نگاہ ایک محدود حد تک دیکھ سکتی ہے اس لئے ہم دوسرے کے اعمال کا مکمل جائزہ لینے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور اس محرومی کے تحت ہم کسی بھی طرح دوسرے کو اپنے آپ سے کم تر تصور کرنے کے مجاز نہیں رہتے کیوں دوسرے میں چھپے ہوئے اوصاف صرف اور صرف اللہ ہی جانتا ہے انسانی قوتیں اُس شناسائی کا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں لہٰذا شاہ حسین بھی اس کے برعکس اپنے آپ کو سبک خیال کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے گو دنیا میں آ کر کوئی نیک عمل نہیں کیا جب کہ دوسرے لوگوں نے اپنے فرائض میں کوتاہی سے اجتناب کیا اور اللہ کے حضور اُسکے حکم کے مطابق نمازِ پنجگانہ ادا کیں بلکہ تہجد اور اشراق کی نماز کے اضافے سے اپنے اعمال کو نکھارنے میں از حد کوشش کی جبکہ میری نمازیں اور میری نیکیوں کی خواہشات میری نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھ

گئیں اور اس طرح میں اپنے رب کا حکم نہ ماننے والوں میں شمار ہو گیا میں نے سوچا ہی نہیں کہ مجھے اپنے اللہ کی عبادت سے اُسے خوش کرنا چاہیے بلکہ اِدھر اُدھر کے کاموں میں جو صرف میرے دنیاوی مفاد کی تسکین کا باعث تھے، میں نے زندگی کے دن جو مجھے امانت کے طور پر دی گئی تھی، ضائع کر دیئے۔ اس وجہ سے شاید میں اپنے رب کے وصال اور دیدار سے محروم رہ جاؤں اور وہ لوگ یقینی طور پر اس نعمتِ بے بہا سے فیضیاب ہونگے جنہوں نے رات دن اپنے اللہ کی یاد میں گزاری، اُسکے سامنے جُھکے اور اُسکی رحمتوں کا سہارا طلب کیا۔

جس کی اللہ کی رحمت پہ نظر ہوتی ہے
زندگی اُس کی اُمنگوں میں بسر ہوتی ہے
نام اللہ کا لے، غم سے نہ گھبرا اے دل
ان دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے
پہلے کرتی ہے یہ اقرار ھو اللّٰہُ اَحَد
پھر نسیمِ سحری گرمِ سفر ہوتی ہے
وہ دُعا، ہاں وہ دُعا جس میں یقیں شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محروم اثر ہوتی ہے
ہر طرف اس کے ہی جلووں کی ہے رونق ماہر
دل کی دھڑکن سے بھی تائیدِ نظر ہوتی ہے

(ماہر القادری)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے طالب کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اور پھر جسے اپنی خطاؤں کا احساس ہو جائے (جیسا شاہ حسین نے اپنی کافی میں اعتراف کیا ہے) اور وہ پچھتاوے کی آگ میں کندن بننے کے لئے اپنے آپ کو جھونک دے تو اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے اور احسان کرنے والا ہے خطائیں بخش دینا اُس کی رحمتوں کا تقاضا ہے ہم بے بس و ناچیز اور گناہ

گاروں کی دعاؤں اور التجاؤں کا اثر اور کمال نہیں۔

مجھے تو ہر حوالے سے تیری رحمت کی حاجت ہے
کہ میرا اک اک پہلو گناہوں سے عبارت ہے
(یوسف مثالیؔ)

(48)

دُعا فقیراں دی اِیہا!

نی! تینوں رب نہ بھُلی، دُعا فقیراں دی ایہا
رب نہ بھُلی، سبھ کجھ بھُلی، رب نہ بھُلن جیہا
سونا رُپا سبھ چھل ویلی، عشق نہ لگدا لیہا
ہوراں نال ہسدی، کھڈندی، شوہ نال گھونگھٹ کیہا
چارے نین گڈاوڈ ہوئے، وچ وچولا کیہا
عشق چوبارے پایو جھاتی، ہن تینوں غم کیہا
آپئے دی سَونہہ، بابل دی سَونہہ؛ گل چنگیرڑی ایہا
جس جوبن دا مان کریندی، جل بل تھیسی کھیہا
عشق فقیراں دا قائم دائم، کبھو نہ تھیوے بیہا
اُچھل ندیاں تارو ہوئیاں، وچ بریتا کیہا
کہے حسین فقیر سائیں دا، مرنا تاں مانا کیہا

الفاظ و معنی:

بھُلی ـــــ بھلانا

نہ بھُلن جیہا ـــــ بھُلانے کی چیز نہیں۔ یاد رکھنے کے قابل

سونا رُپا ـــــ خوبصورتی۔ سوہنا روپ

چھل ـــــ دھوکا

دیسی ـــــ دے گا۔ دیتا ہے

لگدا ـــــ کھاتا۔ ضائع کردیتا۔ تباہ کردیتا

لیہا ـــــ کیڑا۔ مراد ہے دیمک

کھڈندی ـــــ کھیل کھیلتی

شوہ ـــــ خاوند۔ مراد ہے خالقِ حقیقی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ

چارے نین ـــــ دو آنکھیں محبوب کی اور دو اپنی مراد ہیں

گڈاوڈ ـــــ آنکھیں ملنا۔ عشق ہونا۔ ایک دوسرے میں کھو جانا

وچ ـــــ درمیان۔ بیچ

وچولا ـــــ رشتہ کرانے والا۔ تعلق داری پیدا کروانے والا

جھاتی ـــــ دھیان دینا۔ دیکھنا

آیئے ـــــ ماں

سَونہہ ـــــ قسم

چنگیرڑی ـــــ اچھی۔ بہتر

جوبن ـــــ جوانی

کبھونہی تھیوے ـــــ کبھی نہ ہو

بیہا ـــــ باسی۔ پرانا۔ ناقابلِ استعمال۔ اُکتا دینے والی یادوا!

جل بل ـــــ تباہ وبرباد ہو جانا۔ پھونکا جانا۔ جل جانا

کھیہا ـــــ راکھ۔ مٹی۔ خاک

مانا ـــــ عذر۔ بہانہ

ترجمہ:

شاہ حسین اپنی اس انتہائی مترنم اور خوبصورت کافی میں فرماتے ہیں کہ ہم فقیروں کی دُعا ہے کہ تجھے اللہ یاد رہے بے شک تو ہر شے کو بھول جائے مگر پاک پروردگار بھولنے

والا نہیں کہ اس کو بھلا کر کہیں ٹھکانہ ہی نہیں۔ روپ رنگ سب کچھ عارضی ہے۔ دھوکا ہے صرف سچا عشق ہی یاد رکھنے کے قابل ہے اور نہ مٹنے والا ہے کہ اسے کوئی کیڑا نہیں لگتا تو اوروں کے ساتھ تو ہنس کھیل رہی ہے اور اپنے خاوند (خالقِ حقیقی) سے کیسا پردہ کہ وہ تو تیرے ظاہر و باطن دونوں سے بخوبی آگاہ ہے اور جب آنکھیں آپس میں مل جاتی ہیں تو ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے پھر درمیان میں رشتہ کرانے والے کا کیا کام کہ یہ سودا دل کا سودا ہے اس میں معاملات طے کروانے والے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عشق پر نگاہ رکھنے والے کو دنیا کی خبر نہیں ہوتی کوئی غم نہیں ہوتا ماں باپ کی قسم یہی بات سچی اور اچھی ہے کہ تو جس جوانی کے غرور میں مبتلا ہے اُسے ایک دن مٹی میں مل جانا ہے۔ اور راکھ ہو جانا ہے مگر فقیروں کا عشق بے لوث محبت سچی لگن ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اور کبھی اُکتا دینے والی نہیں ہوتی۔ ندی کی اوپر والی لہروں میں ریت نہیں ہوتی اللہ کے بندے شاہ حسین کا کہنا سن کہ جب مرنا ہے تو پھر بہانہ کس بات کا مرنے کے لئے عذر کیوں کہ مرنا تو لازمی ہے۔ کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

تشریح:

اے بندے اپنے رب کو مت بھولنا کہ پاک پروردگار تو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُس کی یاد کے بغیر تیرا اپنا وجود بے معنی ہے تیرا جواز بے محل ہے تیرا اپنے اللہ کو یاد کرنا ہی تیرے ہونے کی دلیل ہے اور یہ مبارک دلیل تیرے رب کی اعلیٰ ترین تخلیق ہے اُس کا شکر ادا کر اُس کی رحمتوں کے سائے میں سجدہ بجا لا کہ تیرا یہ عمل ہی تجھے اُس کے نزدیک لے کر جا سکتا ہے۔ دنیا کی تمام تر چیزیں فانی ہیں، فریب دینے والی ہیں تیرا اپنا روپ رنگ تیرا ساتھ دینے والا نہیں صرف تیری اللہ سے محبت ہی باقی رہنے والی ہے جو تجھے دنیا کی چیزوں میں نہیں الجھنے دے گی اور تیرے لئے تیرے اللہ سے رحم و کرم کے لئے درخواست گزار رہے گی اور اسے دنیا کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور نہ ہی تیری محبت میں دنیا کی کوئی رکاوٹ حائل ہو سکے گی بشرطیکہ تو اپنے پروردگار سے اپنے آپ کو دور رکھنے

کی کوشش نہ کرے شیطان کے بہکاوے میں آ کر دنیا داری کے دھندوں میں الجھ کر اپنا آپ برباد نہ کر لے کہ تیرا رب تیرے ہر عمل اور تیرے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہے تو اپنا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اُس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا سچا عشق جو سچ مچ ارفع عبادت کے زمرے میں آتا ہے اس کا راستہ شفاف اور ہموار ہے اور اس کے لئے تجھے کسی سے صلاح لینے کی ضرورت نہیں کہ یہی وہ عمل ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام غموں سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ دکھوں کی یلغار سچے عاشق کے حواس پر اثر انداز ہونے کی طاقت نہیں رکھتی، دنیاوی خواہشیں اور نفس اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔ بس یادالٰہی اور ذکرِ الٰہی کے پُرلطف ماحول کا ایک حصار اللہ کے بندے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جہاں سکون ہی سکون، لطف ہی لطف، بخشش ہی بخشش، اعزاز ہی اعزاز غرض ہر وہ نعمت جو نیک بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سنبھال رکھی ہے بندے کو عطا کر دی جاتی ہے پھر اُسے کسی دوسری شے کی طلب باقی نہیں رہتی اور دنیاوی طلب صرف دکھ کو جنم دیتی ہے خوشگواریت کو نہیں۔

شاہ حسین کی یقین دہانی کا عالم ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اپنے ماں باپ کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسن جوانی مال و دولت، دیگر آسائشیں سب کی سب مٹی میں مل جائیں گی۔ فنا ہو جائیں گی اور ہم آپ سے یا آنے والی نسلوں سے یا گذشتہ لوگوں سے یہ بات ہرگز ہرگز پوشیدہ نہیں کہ یہ ہی قدرت کا نظام ہے اور اللہ کے نظام میں تبدیلی صرف اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے ہماری تسخیرات یا ترقی، یا ذہنی سوچ کی تبدیلی سے ہرگز کچھ بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ ہی کے کام ہیں اور اللہ ہی سرانجام دینے پر قادر ہے۔ ہاں مگر ایک چیز باقی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ہے عشقِ ربی، اپنے خالق کے ساتھ عشق، اُس کی عبادت، اُس کی حمد و ثنا، اُس کا شکر اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور سچی محبت جن کے طفیل ہماری شفاعت ہونے والی ہے یہی ایک چیز ہے جو نہ تو باسی ہونے والی ہے نہ اُکتا دینے والی بلکہ ہمیشہ خوشگوار اور تر و تازہ اور تسکین بخش رہنے والی ہے اور جن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اُن کے مرتبے بھی اللہ رب العزت بڑھا دیتا ہے اور بلند مرتبہ لوگوں کو تجبہ سے اُٹھتا ہوا غبار نہیں چھویا کرتا ندی کی اوپر والی لہروں میں ریت شامل نہیں

ہوتی اور شاہ حسین تو بار بار اپنی بات دہرار ہے کہ اگر مرنا ہے تو پھر بہانے تلاش کرنے کی یا عذر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے عذر تو صرف وہی لوگ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ موت کا ایک دن معین ہے ہر اک نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس سے کسی کو مفر نہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

آپ نے صوفیائے کرام کے بارے میں کئی مقامات پر پڑھا سُنا ہو گا کہ اللہ کے نیک بندے زندگی سے محبت کے گناہ گار نہیں ہوتے وہ تو اللہ کی بنائی ہوئی کائنات کی خوبصورتی میں اللہ کے حُسن کو تلاش کرنے میں مگن ہوتے ہوئے اسی دھن میں خالقِ حقیقی کے جلوؤں کو دیکھنے کے تمنائی ہوتے ہیں اور اُن کا یہ جنون دنیا جہان کے دھندوں سے ماورا کرتے ہوئے اُنہیں موت کی خواہش اور طلب کی طرف پوری طرح راغب کرتا ہے کہ اس طرح انہیں اپنے رب سے ملنے اُس کی لطافتوں سے فیض یاب ہونے اور اُس کے رحم و کرم اور عنایات کے نزول کی قوی اُمید کا یقینی سہارا مل جاتا ہے جس کے تحت وہ اللہ کے حضور سرخروئی کی منازل طے کرنے میں اپنے آپ کو کامیاب تصور کرتے ہیں۔ اسی لئے اُن کا ہر عمل بھی اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اور جب دنیا کی طلب ہی باقی نہیں رہتی تو ظاہر ہے دنیا میں رہ کر کیا کرنا۔

اس مقام پر آج کے دور میں ہم جیسے خطا کاروں کا کہنے کو جی چاہتا ہے۔

اُمت تیرے محبوب ﷺ کی، پھر خیرِ اُمم ہو
پھر حُسنِ عمل، عشق کے آداب عطا کر

(نظر زیدی)

آخر میں بچل سرمست کا ایک دوہڑا یاد آ رہا ہے جو یقیناً آپ کو پسند آئے گا اسے شاہ حسین کی مذکورہ کافی کی روشنی میں دیکھئے۔

دلبر سانوں اینویں آکھیا نہ چھوڑ خلق دی خواریں

ہک نام اساڈا یاد کریں بنے ڈوہیں جہان وساریں

وچ دنیا دے جو دم جیویں نال توحید گزاریں

(سچل سرمست)

اور انہیں کی اس کافی سے بھی اپنی روح کو تسکین وتقویت پہنچایئے۔

سچل سرمست فرماتے ہیں۔

سونی کم کریجے

جیں وچ اللہ آپ ہجے

وچ میدان محبت والے دم قدم دھریجے

ایہا تکبیر فنا فی والی پہلے پہر پڑھیجے

مار نغارا ''اناالحق'' دا سولی سر چڑھیجے

اندر باہر ہکو ہویوں موتو قبل مریجے

وچ کفر اسلام کڈاہاں عاشق تا نہ اڑیجے

سبحانی ما اعظم شانی، سچل سر سٹیجے

(49)

انت خاک وچ رلنا!

دو کیہ آکڑ آکڑ چلنا

کھا خوراکاں، پہن پوشاکاں، جم دا بکرا پلنا

ساڈھے تن ہتھ ملکھ تساڈا، جُوہ پرائی ملنا

کہے حسین فقیر سائیں دا، انت خاک وچ رلنا

الفاظ و معنی:

آکڑ آکڑ ـــــــ غرور کے ساتھ، تکبر کے ساتھ، زعم میں۔ گھمنڈ میں

ملکھ ـــــــ ملک، ملکیت

جُوہ ـــــــ جگہ

رلنا ـــــــ ملنا۔ مساوی ہونا

ترجمہ:

تو کیوں اکڑ کر چلتا ہے، خوراک کھا کر، اعلیٰ کپڑے پہن کر ناز نخرے دکھاتا ہے تیرا یہ بدن ہماری ملکیت ہے اور تُو پرائی جگہ پر ہے مگر شاہ حسین تو کہہ رہا ہے کہ تو نے لوٹ کر ہماری طرف یعنی اپنے رب کی طرف ہی جانا ہے۔

تشریح:

تکبر صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اُسی کو سجتا ہے کہ وہ تمام جہانوں کا مالک خالق، پروردگار اور رازق ہے بندۂ حقیر جس کی کوئی بساط نہیں اور نہ اس کا کچھ اختیار کسی شے

پر اور اپنے پر ہے اسے کیسے زیب دیتا ہے کہ اکڑ کر چلے اور پھر اُس زمین پر جس کی مٹی میں اُسے بہت جلد پناہ ملنے والی ہے۔اور جس طاقت اور ساخت پر یہ اتنے زعم میں ہے وہ بھی چھن جانے والا ہے اس دنیا میں آکر اس نے جو کام اپنا لیے ہیں یہ اس کے لئے بہتر نہیں بلکہ اس کی عاقبت بگاڑ دینے والے ہیں۔

شاہ حسین زندگی و موت کے فلسفیانہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں اس بات کا ادراک مہیا کرتے ہیں کہ پاک پروردگار ہمارے ہر کام کو اپنی نظر میں رکھے ہوئے ہے اگر ہم اپنے گھمنڈ میں ہیں تو ہمیں جلد سنبھل جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا رب ہمیں توبہ کرنے والوں کی فہرست سے ہی خارج کر دے اور ہم اُس کی رحمتوں سے محروم ہو جائیں۔ہم کہیں بھی ہوں اُس کی نگاہ سے نہیں چھپ سکتے اس لئے ہمیں انکسار اور عجز سے زندگی گزارنا چاہیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ اُس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہے، ہم جب تک زندہ ہیں اپنی من مانی کرنے میں ذرا بھر دریغ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی جھوٹی شان و شوکت کو کسی بھی طرح کم ہونے دیتے ہیں خواہ اس کے لئے ہمیں اپنے بھائیوں اپنے عزیز و اقارب اردگرد کے لوگوں تک سے ناانصافی کرنی پڑے اُن کا حق مارنا پڑے اُن کے ساتھ بے ایمانی، دھوکا بازی اور فریب کاری سے برتاؤ کرنا پڑے لیکن ہم اللہ سے نہ ڈرتے ہوئے اپنی تمکنت اور غرور کا سر نیچا نہیں ہونے دیتے جس کا نتیجہ نہ صرف ہمیں دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے بلکہ آخرت میں بھی ہمارے لئے بہتری کے مواقع مفقود ہو جاتے ہیں——اس کافی میں شاہ حسین کا اشارہ یہی ہے کہ یہاں تو تُو بڑی شان و شوکت سے زندگی گزار رہا ہے، بڑے بڑے بول بولتا ہے جیسے تو ہر اختیار رکھے ہوئے ہے مگر جب تو اللہ کے حضور حاضر ہوگا تو تجھے اس کا صلہ دیا جائے گا پھر سوائے شرمندگی کے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ تیرا تکبر اللہ کو ہرگز ہرگز پسند نہیں اور چونکہ ہر انسان کو موت کا ذائقہ

چکھنا ہے اس لئے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ بہتر ہے اپنا راستہ تبدیل کر لے اور اپنے اللہ سے معافی مانگ کر نیکوکاروں میں شامل ہونے کی تگ و دو کر کہ اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ جو اپنے بندوں کی خطاؤں کو درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

بس ایک تیرے سہارے پہ چل رہا ہوں میں
وگرنہ پاؤں تلے ہے زمیں نہ ہے امبر
(یوسف مثالی)

(50)

کت نہ جاناں پونیاں!

چارے پلو چولڑی، نین روندی دے بھنے
کت نہ جاناں پونیاں، دوس دینی آں منے
آون آون کہہ گیا، مانہہ باراں پنے
اک ہنیری کوٹھری، دوجے بتر وچھنے
کالے ہرنا چر گیوں، شاہ حسین دے بنے

الفاظ ومعنی:

چارے پلو ——— چاروں کونے
چولڑی ——— قمیض
بھنے ——— بھیگے، تر ہوئے
دوس ——— الزام
منے ——— چرخے کا ایک حصہ
مانہہ ——— مہینے
پنے ——— پورے ہوگئے۔ مکمل ہوگئے۔ گزر گئے
بتر ——— دوست احباب۔ محبوب۔ اپنے
وچھنے ——— بچھڑ گئے، جدا ہوگئے۔ الگ ہوگئے
چر گیوں ——— کھا گئے
بنے ——— کھیتوں کے کنارے۔ جہاں پر خودرو پودے یا گھاس اُگی ہوتی ہے

ترجمہ:

قمیض کے چار کونے رونے سے بھیگ گئے ہیں اور مجھے چرخہ کاتنا نہیں آتا یعنی عبادت کرنی نہیں آتی اور میں اپنے اجزاء کو الزام دے رہا ہوں یہاں مراد ہے انسانی جسم جو آگ پانی ہوا اور مٹی کے چار عناصر سے بنایا گیا ہے وہ آنے کا کہہ گیا ہے لیکن ایک سال ہو گیا ہے وہ نہیں آیا ایک طرف تو اندھیری کوٹھری مراد قبر ہے دوسری طرف اپنے تمام پیارے بچھڑ گئے ہیں اور اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ میرے اعمال ضائع ہو گئے ہیں دنیا اور شیطان نے میرے تمام کاموں کو تہس نہس کر دیا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین اپنے منکسرانہ لہجے میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ میں غیر سلیقہ مند ہوں میں نے کوئی ہنر نہیں سیکھا حتیٰ کہ وہ کام جو لوگ کر رہے ہیں میں اُسے ترس رہا ہوں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی لئے میری آنکھیں ہر وقت روتی رہتی ہیں مجھے کسی پل چین نہیں کہ میں اپنے رب کے حقوق پورے کرنے میں ناکام ہوں جب کہ اُس نے مجھے ہر اُس نعمت سے نوازا جو میری ضرورت تھی۔ میرے رونے سے میرے دامن کے چاروں کونے بھیگ چکے ہیں۔ اور میں ''ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا'' والی بات کر رہا ہوں اپنے الزام دوسرے کے سر دے رہا ہوں حالانکہ یہ بے ہنری میرا اپنا قصور ہے۔ میں اسی قصور اور شرمندگی سے عزرائیل علیہ السلام کا منتظر ہوں کہ اُنہوں نے آنے کا وعدہ کیا تھا اور ابھی تک نہیں آئے۔ وہ آ جائیں تو کم از کم میں مزید وقت اسی طرح ناکارہ رہ کر نہ گذاروں اب شاہ حسین اگلے مصرعوں میں مرنے کے بعد کا تذکرہ فرماتے ہوئے گویا ہوتے ہیں کہ ایک طرف تو قبر کی تاریکی جو اس لئے ہے کہ میں نے اپنے رب کی عبادت میں کوتاہی کی اور اُس کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے ایسے جواز ڈھونڈے کہ مجھے سجدۂ شکر نہ کرنا پڑے۔ اور میں اُس کی عطا کردہ تمام نعمتوں سے فیض یاب اور لطف اندوز ہوتا رہا اگر میں اس کے برعکس اللہ کو خوش رکھتا اُس کی حکم عدولی نہ کرتا اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا تو یقینا

میری قبر بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو جاتی اب صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف میں تاریکی سے پریشان ہوں دوسری طرف اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہے جو مجھے یہاں چھوڑ کر رخصت ہو گئے ہیں اور کسی نے بھی میری مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ افسوس کہ میری نفسانی خواہشوں نے مجھے تباہ و برباد کر دیا میری سیہ کاریوں نے میری قبر ہی نہیں میری قسمت میں بھی سیاہی بھر دی۔ اور انہی نفسانی خواہشوں نے میری تھوڑی بہت نیکیاں جو بچ رہی تھیں اُن کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اے میرے رب میں تجھ سے شرمندہ ہوں۔

شاہ حسین انسان کا زندگی کی رعنائیوں میں کھو کر اللہ کی عبادت سے کوتاہی برتنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں آگاہ کرتے ہیں کہ اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ آگے جا کر بھی تجھے جن مشکلوں کا سامنا ہوگا وہ ناقابلِ بیان ہیں پھر کوئی تیرا ساتھ دینے والا نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے ہمہ وقت اُس کی عبادت کر۔ کہ شاید وہ تجھ سے خوش ہو کر تجھے بخش دے کہ اُس کی بخشش لازوال ہے۔

(51)

میں اوگن ہاری!

سبھ سکھیاں گن ونتیاں میں اوگن ہاری

بھے صاحب دے پربت ڈردے، وے میں کون وچاری

جس گلی نوں شوہ بھیجیا ای، سو میں بات وساری

کہے حسین فقیر نمانا، چھٹاں کرے ستاری!

الفاظ و معنی:

سکھیاں ——— سہیلیاں

گن ونتیاں ——— خوبیوں والی، ہنرمند، نیک

اوگن ہاری ——— گناہ گار۔ خطاکار

بھے ——— ڈر، خوف

صاحب ——— اللہ پاک

پربت ——— پہاڑ

وچاری ——— بے چاری۔ جس کی کوئی حیثیت نہ ہو، بے بس

شوہ ——— خاوند مراد ہے اللہ تعالیٰ

وساری ——— بھول گئی۔ فراموش ہوگئی

چھٹاں ——— نجات پاؤں، رہائی پاؤں، آزادی حاصل ہو

ستاری ——— اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام۔ پردہ پوشی کرنے والا

ترجمہ:

تمام دوست نیک اعمال کرنے والے ہیں صرف میں ہی گناہ گار ہوں اللہ کی ہیبت سے تو پہاڑ بھی خوفزدہ ہیں میری کیا حیثیت ہے اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے ہمیں دنیا میں بھیجا ہم وہ بھول گئے اور اپنے دھندوں میں پھنس کر نفس کے غلام بن گئے میں ایک عاجز فقیر کہہ رہا ہوں کہ ہم تب ہی بچ سکتے ہیں اگر ہمارا رب ہماری پردہ پوشی فرمادے ہمارے گناہ اور خطائیں درگزر فرمادے ورنہ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

تشریح:

شاہ حسین نے اپنے تمام کلام میں اپنے آپ کو انتہائی عجز کے مقام پر رکھا ہے اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کے نزدیک ارفع و اعلیٰ ہے اور اللہ سے عشق کرنے والے اللہ کو نذرانے کے طور پر انکسار پیش کرتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ رب ذوالجلال کو سب سے زیادہ بندے کی عاجزی پسند ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھنے کا تمنائی ہوتا ہے اور شکر سے اپنے لئے دائمی اطمینان اکٹھا کرتا ہے۔ اِسلئے شاہ حسین اپنے آپکو گناہ گار، خطا کار گردانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حق دار قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے مقابل اپنے ساتھیوں کو خوبیوں سے مالا مال کہتے ہیں یعنی اُن پر رب العزت نے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اللہ کی شان و شوکت، اور جلال کے سامنے بندے کی تو کوئی حیثیت نہیں بلکہ بندہ کا تذکرہ بھی بے معنی ہے کہ رب کریم جو سب جہانوں کا پالنے والا اور پروردگار ہے اُسکے روبرو پہاڑ بھی ذروں سے زیادہ حیثیت کے مالک نہیں اُس کی قدرت جب چاہے جسے چاہے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہے پھر یہ بندہ جو صرف اپنے رب کے فضل و کرم کے سہارے اپنے امور سرانجام دے رہا ہے اِس کی کیا بساط ——— مگر پھر بھی اس من مانی کا اختیار دے دیا گیا اور یہ من مانی کر رہا ہے اپنے کرتوت سے اپنے اعمال نامے کو سیاہ کرنے میں ذرا بھر دریغ نہیں کرتا اور اپنی سوچوں کو اپنے نفس کے تابع کئے ہوئے اللہ کے حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے جو کسی بھی طرح اس کے حق میں نہیں کیونکہ

اللہ نے بندے کو دنیا میں اپنی عبادت اور اپنی نعمتوں کی پہچان کیلئے بھیجا مگر انسان نے اللہ کے حکم کو بھلا کر اپنی من مرضی کی راہ اختیار کر لی۔ گمراہ ہو گیا، شیطان سے رہنمائی حاصل کی اور جہنم کا سفر اختیار کیا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں اور اپنے اعلیٰ ترین ظرف سے اپنے بندوں کو بخشنے کے طریقوں سے آگاہ کر دیا ہے اور بندے کو توبہ اور استغفار کے وسیلے سے اپنے رب سے معافی مانگ لینی چاہیے اور اپنی تمام تر خطاؤں اور گناہوں سے اپنے آپ کو آئندہ کیلئے بچانے کی تگ و دو کرنی چاہیے بے شک اللہ اس کے گناہوں پر پردہ ڈالنے پر قادر ہے اور وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے نواز دے جس کی چاہے خطائیں معاف فرما دے گا اور اُس پر بخشش کے دروازے کھول دے۔ آدمی کی نجات صرف اور صرف اُس کے رب کی مرضی پر ہے اور جب یہ بات سمجھ آ جائے تو کوئی بد قسمت انسان ہی ہو گا جو اپنے رب سے رجوع نہ کرے اُس کے روبرو رو کر دعائیں نہ مانگے توبہ سے مستفید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اُس کی رحمتوں کے حق دار ہونے کے اعزاز سے نوازے جائیں آمین۔

شاہ حسین کی زندگی کے شب و روز جس فکر مندی میں گزرتے رہے ہیں اُن کی کافیوں سے اُس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل کام نہیں میں یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا کہ شاہ حسین کو قدرت نے جہاں محاسن شعر گوئی سے نوازا وہاں انسانی بھلائی کے پُر درد جذبے سے بھی سرشار کیا۔ جس کے طفیل اُنہوں نے ہر مقام پر انسان کی بھلائی کے مختلف اطوار اپنائے اور اپنے ارد گرد پھیلے لوگوں کو نیکی کی دعوت دی کہ سب سے بڑی نیکی دوسرے کی عاقبت سنوارنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نہایت خوش ہو کر اپنے بندوں کی خوبیاں خود بیان فرماتا ہے اور تعریف کرتا ہے۔ ذرا تصوراتی آنکھوں سے دیکھئے یہ کس قدر اعزاز کی بات ہے۔ اور اگر بندہ اپنے مالک کی خوبیاں بیان کرنے کا اہل ہو جائے تو سبحان اللہ ——— بے شک اللہ کی ذات انتہائی قابل تعریف ہے اسی لئے تو سمندروں کے پانی کو سیاہی بنا لیا جائے تب بھی اُس کی ایک صفت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ مگر بندہ اپنے رب کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا ہر لمحہ خواہاں رہتا ہے۔ چند شعر آپ کی نذر

ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے

تیری رحمت کا سایہ نہ ہوتا اگر
میرا سارے زمانے میں کوئی نہ تھا

(سرور بجنوری)

ارض و سما و بحر و بر، سب میں ہے تو ہی جلوہ گر
تیرا ہی ذکر ہے کُو بہ کُو، خانہ بہ خانہ، جا بہ جا!

(اعظم چشتی)

اور اقبال صلاح الدین یوں شکر ربی ادا کرتے ہیں۔

کون کرتا ہے، تری اک ایک نعمت کا بیاں
پھر بھی لاکھوں نعمتیں، صبح و مسا دیتا ہے تُو
زیب دیتا ہے تجھی کو نام "رب العالمیں"
بے طلب سارے جہاں کو اے خدا دیتا ہے تُو

(اقبال صلاح الدین)

وہ بے نیاز، یاد کسی کو ہو، یا نہ ہو
اس بے نیاز کی ہے، جہاں پروری وہی!

(جعفر بلوچ)

تجھ پہ رحم و کرم کی سب کو اُمید
سر بسر بخشش و عطا تُو ہے

(شباب دہلوی)

(52)

ربا! تیری مہر نہ جاوے!

جوبن گیا تاں گولیا، ربا! تیری مہر نہ جاوے
آیا ساون، من پر چاون، سیاں کھیڈن ساونیں
نیں بھی ڈونگھی تلا پرانا، مولا پار لنگھاوے
اِکناں وٹیاں پونیاں، اک سُوت وُناوے
اک کتناں باجھ وچاریاں، اِکناں ڈھول کلاوے
کہے حسین فقیر نمانا، جھوٹھے بندھے نی دعوے

الفاظ و معنی:

جوبن ——— جوانی
گولیا ——— غور کیا۔ سوچا۔ احساس ہوا
مہر ——— مہربانی۔ رحم، فضل و کرم
من پر چاون ——— دل بہلانا۔ دل لبھانا
سیاں ——— سکھیاں، سہیلیاں
کھیڈن ساونیں ——— ساون کھیلنا، جھولے جھولنا۔ مل جُل کر ساون کے گیت گانا
نیں ——— ندی
ڈونگھی ——— گہری
تلا ——— ناؤ۔ کشتی

پار لنگھاوے ـــــ پار اُتارے، دوسرے کنارے لگائے، منزل پر پہنچائے

کنتاں ـــــ خاوند۔ محبوب

ڈھول کماوے ـــــ محبوب کی باہوں میں

بنھدے ـــــ کرتے۔ باندھتے

ترجمہ:

جوانی آ گئی تو احساس ہوا، شعور آیا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں کہ وہ ہر وقت اپنی رحمتوں کا نزول کرتا رہتا ہے۔ برسات کا موسم دل بہلانے آیا ہے اور سہیلیاں مل جل کر کھیل رہی ہیں ندی برسات سے بھر چکی ہے کشتی پرانی اور شکستہ ہے اللہ ہی ہے جو اسے پار لگا سکتا ہے کچھ نے تو اللہ کی عبادت کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور کچھ ابھی سوچ ہی رہے ہیں ایسے ہی جیسے خاوندوں کے بغیر کچھ سہاگنیں اور کچھ اپنے محبوبوں کی بانہوں میں جھولا جھول رہی ہیں شاہ حسین کہہ رہا ہے کہ جو لوگ جھوٹے ہوتے ہیں وہ دعوے کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کوئی کام کرنا ہوتا ہے وہ کر گزرتے ہیں۔

تشریح:

شاہ حسین اس کافی میں جوانی کے بے کار گزرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جوانی گذرنے کے بعد جب شعور پختہ ہوا تو احساس ہوا کہ ہم نے جوانی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا اور اپنی طاقت کو نیک کاموں میں استعمال نہیں کیا جب کہ جوان آدمی کے لئے کوئی کام تھکا دینے والا نہیں ہوتا، کاش ہم جوانی کے دنوں میں اپنے اللہ کو راضی کر لیتے اور اُس کی عبادت میں رات دن ایک کر دیتے اُس کی محبت سے اپنے دل کو سرشار کر لیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا اور جوانی کے دنوں کو ضائع کر دیا اب جوانی گزر چکی ہے تو محسوس ہوا ہے کہ ہم نے تو اپنے رب کے لئے کوئی کارکردگی نہیں کی جب کہ اُس کی مہربانیاں بدستور ہم پر جاری ہیں دوسرا پہلو اس کافی سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جوانی تو فانی تھی جانے والی تھی ختم ہونے والی تھی چلی گئی مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

کاش ہم اس بات کو، جوانی کے عالم میں سمجھ لیتے مگر افسوس!

ساون کے موسم میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہوئی بوندیں زمین پر اترتی ہیں ہریالیاں بچھاتی ہیں خوبصورت منظر وجود میں آتے ہیں لوگوں کے دلوں اور نگاہ کو تسکین ہوتی ہے اور لڑکیاں، آپس میں مل جل کر جھولے جھولتی ہیں ساون گیت گاتی ہیں اور کھیل کود سے اپنا دل بہلاتی ہیں یہ بھول جاتی ہیں کہ پار اُترنے والی اللہ کے نزدیک جانے والی ندی گہری ہے اور ساون کی وجہ سے بھری پڑی ہے جسم کی ناؤ شکستہ اور ناقابلِ استعمال ہوتی جا رہی ہے اس پر کچھ بھروسہ نہیں بس اللہ تعالیٰ پر اُمید ہے کہ وہ ہماری کشتی کو پار لگانے والا ہے ہمیں توفیق دینے والا ہے کہ ہم اس کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور اُس کی رضا سے اپنے آپ کو سنوار سکیں۔ اور اس سوچ میں اُس وقت کو ضائع نہ کردیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے نوازا ہے کہ پھر یہ وقت ہاتھ نہیں آنے والا بلکہ اُن لوگوں کی پیروی کریں جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جو اللہ کے نزدیک ترین ہیں اور نیک اعمال کی وجہ سے رب العزت نے اُنہیں سرخرو فرمایا ہوا ہے ہم بھی انہیں کی طرح اپنے رب کے نزدیک ہو جائیں لمحہ بہ لمحہ اُس کی عبادت میں گذار دیں نہ کہ صرف سوچیں سوچتے رہیں اور جھوٹے وعدے کرتے رہیں کہ جو لوگ دعوے کرتے ہیں وہ ہرگز ہرگز قابلِ اعتبار نہیں اُن کے صرف دعوے ہی ہوتے ہیں عملی طور پر اُن کا کردار صفر ہوتا ہے۔ جیسے جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔ پھر وہ مراد کے کیسے حق دار ہو سکتے ہیں۔

شاہ حسینؒ نے ساون رُت کے حوالے سے اس کافی میں جو منظر کشی کی ہے اُس کے خوشگوار اثرات آج بھی کسی دور دراز کے گاؤں میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو گاؤں شہر سے نزدیک ہیں اُن پر شہری تہذیب و تمدن کا رنگ چڑھ چکا ہے اس لئے وہ اُس خوبصورت کو ملتا کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہونے سے محروم ہو چکے ہیں اور شہروں میں تو زندگی کی

مصروفیت نے ایک طرف انسانی جذبوں کو زنگ آلود کر دیا دوسری طرف اُس سے وہ حس چھین لی جو دلکش مناظر کے ہر منظر سے ایک سرُور کشید کرتی اور پھر مدت تک اُس کے سحر سے دل و روح کو محظوظ کرتی تھی۔ اس المیہ میں سب سے بڑا ہاتھ ہماری مفاد پرستی اور خود پرستی کا ہے جو ہمیں انسانی سطح سے نیچے لے آتا ہے اور ہم ربِ کائنات کے جمالی پرتو کی جھلک دیکھنے کے اہل نہیں رہتے۔

عاجز و ناچیز میں بندہ ترا
نعمتوں سے مجھ کو کر دے ہمکنار

(سرور بدایونی)

(53)

تجھے گور بلاوے!

تجھے گور بلاوے، گھر آؤ رے

جو جاوے سو رہن نہ پاوے، میر، ملک، امراؤ رے

ہر دم نام سمھال سائیں دا، ایہہ اوسر ایہہ داؤ رے

کہے حسین فقیر نمانا، آخر خاک سماؤ رے

الفاظ و معنی:

گور ــــــ قبر

سمھال ــــــ سنبھال، حفاظت کر

اوسر ــــــ آسرا۔ موقع

سماؤ ــــــ سمانا

ترجمہ:

تجھے قبر آوازیں دے رہی ہے اور یہ تیرا اصلی گھر ہے تجھے واپس آنا ہی ہوگا۔ جو بھی اس دنیا میں آیا ہے وہ یہاں رہ نہیں سکا۔ خواہ امیر ہو یا غریب، بڑا ہو یا چھوٹا سب کو ایک نہ ایک دن دنیا چھوڑنا ہوگی۔ ہر لمحہ اللہ کا نام لے کہ یہ موقع دوبارہ نہیں ملنے والا تجھے شاہ حسین عاجز فقیر یہ بتا رہا ہے کہ مٹی نے مٹی میں مل جانا ہے۔

تشریح:

انسانی جسم مٹی کا بنا ہوا ہے اس لئے اسے ایک روز مٹی میں مل جانا ہے اور اُس دن کا تعین ہو چکا ہے اس حقیقت سے چھٹکارا نہیں۔ دنیا کا ہر انسان اس امر سے بخوبی آشنا

ہے کہ اُسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اس سے کسی بھی صورت مفر اختیار نہیں کیا جا سکتا۔
لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری قبریں ہماری منتظر ہیں اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے یہ دنیا عارضی
اور فنا ہونے والی ہے جہاں ہم دل لگائے بیٹھے ہیں اور یہاں سے جانے کے لئے ہرگز تیار
نہیں جب کہ ایسا ممکنات میں سے نہیں ہر شے کو لوٹنا ہے ہمارا موت سے ڈرنا اپنی جگہ ایک
حقیقت کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے جس کی بڑی وجہ ہے کہ ہم نے آگے کے لئے کچھ
بھی سنبھال کر نہیں رکھا کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو ہمارے لئے حوصلہ کا کام کرے اپنے اللہ کو
بھولے رہے جب کہ اُس کی نعمتوں کے مقروض ومحتاج رہ کر ہی ہماری زندگی کا لحہ لحہ گزر سکتا
ہے ہم دنیا کی رنگینیوں میں کھو چکے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ ہم نے واپس بھی جانا ہے
بالکل اسی طرح جیسے ایک لالچی کے لئے اُس کا لالچ واپسی کے تمام راستے مسدود کر دیتا
ہے۔ اور اُسے پیچھے مڑنے کا دھیان ہی نہیں آتا حتیٰ کہ وہ ایسے گڑھے میں گر جاتا ہے
جہاں سے اُسے کوئی نہیں نکال سکتا اُس کی تمام تر تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اُس کے اپنے
جو پہلے ہی سے اُس سے نالاں ہوتے ہیں اُس کی طرف توجہ بھی نہیں دیتے اور وہ اپنے بُنے
ہوئے جال میں خود ہی پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہم آپ جانتے ہیں کہ یہ زندگی یہ موقع یہ
وقت نہ تو دوبارہ آنے والا ہے نہ ہی ہمیں دوبارہ ملنے والا ہے مگر ہم اپنے اللہ کے ذکر سے
غافل ہیں ہماری غفلت ہمارے لئے باعثِ شرم اور ہماری عاقبت کے لئے باعثِ عذاب
ہے ہم کب تک اندھے بنے رہیں گے کب تک اس سچ سے مُنہ پھیرے رہیں گے کہ ہم
سب نے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہے جہاں ہم سے ہمارے اعمال کا حساب لیا
جائے گا۔ ہمارے جسم کے تمام اجزا اللہ کے حکم سے گویا ہوں گے وہ جواب دیں گے اللہ
کے حضور سب اُگل دیں گے اور کہیں گے کہ اس شخص نے اپنے نفس کے کہنے پر ہم سے وہ وہ
کام لئے جو ہم نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس خواہشوں کے غلام نے کبھی نہ سوچا اور غلط روش
اختیار کی اپنے رب کا حکم ماننے سے اپنے آپ کو باز رکھا، نتیجتاً رب کائنات جو رحیم و کریم
ہے اپنی شان کریمی کے صدقے بخش دے تو بخش دے مگر ذرا سوچیے پوری کائنات کے
سامنے جب ہمارے جرم، گناہ، اور ہر وہ کام جو ہم کرتے رہے ظاہر ہو گا تو ہمیں کتنی ندامت

ہو گی اور ہم تو اللہ تعالیٰ سے اُس کی بخشش کی بھیک مانگنے کے بھی اہل نہ رہیں گے ـــــــ ہم دنیا میں کیا کچھ نہیں کرتے پھرتے چوری۔ ڈکیتی، زنا کاری۔ غیبت۔ حق تلفی، اور ایسے سینکڑوں کام جن سے ہمارا رب ہمیں بے حد پیار کرنے والا رب ناراض ہو بڑے ذوق شوق سے کرنے کے بعد اُس کی تشہیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے کیا ہماری سوچیں سلب ہو چکی ہیں ہمارا جذبۂ ایمانی شل ہو چکا ہے ہم اپنے لئے بھی اپنے رب کا شکر اور اُس کی عبادت کے لئے تھوڑا سا وقت نہیں دے سکتے کیا اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادتوں کی ضرورت ہے ہر گز نہیں ہمیں تو جو کچھ کرنا ہے اپنے لئے کرنا ہے چلیں ہم خود غرض بن کر ہی اپنے لئے اپنے اللہ سے بخشش مانگ لیں مگر ہم گھمنڈی، زعم پرست اور کم عقل صرف اور صرف چند روزہ دنیا کی سہولتوں کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں اور یہ سوچتے ہی نہیں کہ کب زمین ختم ہو جائے اور ہم کسی نا معلوم گہری کھائی میں گر جائیں جہاں دہکتی ہوئی آگ جو رب ذوالجلال کے حکم سے ہماری منتظر ہو۔ شاہ حسینؒ ہمیں یہی سب کچھ تو دکھانا چاہتے ہیں تا کہ ہم نیک راہ اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر گناہوں سے توبہ کریں۔ شاید اُسے رحم آ جائے اور وہ یہ سمجھتے ہوئے ہمیں معاف فرما دے کہ میرا بندہ مجھ سے معافی کی التجا کر رہا ہے یہ اپنے گناہوں پر نادم ہے اور اپنے رب کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

شاہ حسینؒ کی اس کافی کی تقویت کے لئے دوسرے صوفیاء کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ آیئے دیکھتے ہیں بلھے شاہ ہمیں کس طرح راہِ راست پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پیارے بن مصلحت اُٹھ جاناں
تُوں کدیں تے ہو سیاناں
کر کے چاوڑ چار دیہاڑے
تھیسیں انت نماناں

---

* مقام۔

ظلم کریں تے لوک ستاویں
چھڈ دے ظلم کماناں
جس جس دا بھی مان کریں توں
سو بھی ساتھ نہ جاناں
شہر خموشاں وچ ہمیشاں
جس وچ جگ سماناں
بھر بھر پور لنگھاوے ڈاہڈا
ملک الموت مہانا
اتھے ہین تنخے سب
میں اوگن ہار نماناں
بلھا دشمن نال بر وچ
ہے دشمن بل ڈھاناں
محبوب ربانی کرے رسائی
خوف جائے ملکاناں
پیارے بن مصلحت اُٹھ جاناں
توں کدئیں تے ہو سیاناں

بابا فرید الدین گنج شکر اپنے انداز میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر یوں فرماتے ہیں

شیخ حیاتی جگ، نہ کوئی تھر* رہیا
جس آسن ہم بیٹھے، کیتے بَیس گیا!

(54)

اتھے رہنا ناہیں!

اتھے رہنا ناہیں، کوئی بات چلن دی کرو
وڈے اُچے محل اُساریو، گور نمانی گھر وو
جس دیہی دا مان کریناں ایں، جیوں پرچھاویں ڈھر وو
چھوڑ تر کھائی پکڑ حلیمی، بھّے صاحب تھیں ڈر وو
کہے حسین حیاتی لوڑیں، مرن تھیں اگے مر وو

الفاظ و معنی:

اُساریو ـــــ تعمیر کئے۔ بنائے
گور ـــــ قبر
دیہی ـــــ جسم
کریناں ایں ـــــ کرتے ہو
پرچھاویں ـــــ سایہ۔ چھاؤں
ڈھر ـــــ درخت
ترکھائی ـــــ تیزی۔ تندی۔ چالاکی
بھّے ـــــ ڈر۔ خوف
لوڑیں ـــــ ضرورت
مرن تھیں اگے مر وو ـــــ موت سے پہلے مرنا۔ یعنی نفسانی خواہشات کا خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنا

ترجمہ:

شاہ حسین کہتے ہیں مجھے اس دنیا میں نہیں رہنا یہاں سے کوچ کرنے کی بات کرو یہاں اتنے اونچے اونچے اور بڑے بڑے محل تعمیر کر رہے ہو، اصلی گھر تو قبر ہے اور تو کس جسم کا غرور کر رہا ہے جس کی ایک سائے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں اپنی تندی تیزی اور چالاکی چھوڑ اور حلیمی و بردباری اختیار کر اور اپنے اللہ کا خوف اپنے دل میں پیدا کر اگر تجھے زندگی کی ضرورت ہے تو نفس کو مار کہ یہ تیری اصل زندگی کی راہ میں رکاوٹ ہے جو اللہ کی عبادت سے عبارت ہے۔

تشریح:

دنیا خوبصورت ہے، دنیا کے نظارے حسین و دلکش ہیں اس میں رہنے کو ہر انسان کا جی چاہتا ہے مگر کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس دنیا سے نفرت کرتے ہیں اس سے چھٹکارا چاہتے ہیں مگر اُن کا بس صرف اس لئے نہیں چلتا کہ یہ سب رب کائنات کے اختیار میں ہے کیا ہم نے کبھی سوچا کہ وہ اس خوبصورت دنیا سے کیوں اتنی نفرت کرتے ہیں اگر نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اُن لوگوں نے دنیا میں ایسی خامیاں ضرور دیکھی ہوں گی جس کے تحت اُنہیں دنیا سے دوری کا خیال آیا یا دنیا کو ترک کرنے کے جواز فراہم ہوئے آج کے دور میں جب ہم شاہ حسین کی کافیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے اردگرد دھیان دوڑاتے ہیں تو ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ صوفیا نے دنیا سے علیحدگی کا درس کیوں دیا۔ ثبوت کے طور پر آپ اپنے اردگرد نظر دوڑایئے اور دیکھئے کیا آپ کسی کے ساتھ ناانصافی ہوتے ہوئے نہیں دیکھ رہے، کسی کا حق مارا جا رہا ہے لیکن لوگ خاموش تماشائیوں کی طرح کھڑے ہوئے ہیں کسی کی عزت لوٹی جا رہی ہے اور لوگ نظروں کی عیاشی میں گرفتار اپنی تسکین کا سامان ڈھونڈ رہے ہیں اپنے فارغ اوقات میں اپنے دل بہلانے کے لئے کہانیاں ترتیب دے رہے ہیں تا کہ کسی کے لٹنے سے وہ اپنے لئے دلچسپی کے پہلو تلاش کر سکیں۔ جائز قیمت لے کر کم تولا جا رہا ہے، جعلی ادویات فروخت کر کے لوگوں کی زندگیوں

سے کھیلا جا رہا ہے۔ تب بھی ایسی ہی بے انصافی اور مکروہات موجود ہوں گی صرف اُن کا رخ اور روپ ذرا مختلف ہو گا۔ اس کرب ناکیوں میں کون جینا چاہے گا۔ تو ظاہر ہے دنیا سے علیحدگی کا کڑا جواز پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسے میں درد دل رکھنے والا انسان اپنے ہم عصروں سے بھی یہی توقع کرے گا کہ وہ اُس کی ہاں میں ہاں ملا دیں اور چلنے کی کوئی بات کریں۔ کہ یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں یہاں آ کر انسان اس دنیا کے دھندوں میں کھو کر اپنے رب سے دُور ہو جاتا ہے، لالچ ہوس خود غرضی اُس کی ریاضت کو تباہ کرنے میں کوشاں ہیں اونچے اونچے محل اور بڑے سے بڑا گھر صرف اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھایا جا سکے جب کہ اصلی گھر قبر ہے جہاں اندھیرا ہو گا کروٹ لینے کے لئے بھی جگہ نہ ہو گی اگر روشنی ہو گی تو صرف نیک اعمال کی اور اللہ کی اس عبادت کی جو بندے نے اپنی زندگی میں کی ہو گی، تمام محل اور جمع کیا ہوا مال و دولت سبھی کچھ یہاں رہ جائے گا یہ سب دنیا کی چیزیں ہیں اور دنیا فانی ہے اس لئے دنیا کی چیزیں بھی انسان کی دائمی حیات کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں تو پھر ان کی رغبت اور ان کے لئے اس قدر تگ و دو کیوں کہ ہم اس کے چکر میں اپنے خالقِ حقیقی کو فراموش کر چکے ہیں۔ ہم یہ بھی سوچنے سے قاصر ہیں کہ ہمارا جسم مٹی کا تودہ کسی بھی حیثیت کا مالک نہیں ہے ایک پرچھائیں کی طرح اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پھر ہم کس زعم میں اکڑتے پھر رہے ہیں، کس خیال میں کھوئے ہوئے ہیں ہمیں اپنے رب سے ڈر کیوں نہیں لگتا ہم کس بات کی تیزی دکھاتے ہیں کیا ہم نہیں جانتے کہ ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ہم سب کی جان اُسی کے قبضے میں ہے ہمارا سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور ہم اپنی زندگی ہار کر اپنے رب کے حضور کھڑے اپنے گناہوں پر شرمسار ہو رہے ہوں گے اور پچھتا رہے ہوں گے، کاش ہم زندگی میں نیک اعمال کرتے، اپنے رب اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے، نیکیاں کرتے، بھلائی کرتے، اللہ کے آگے اپنے آپ کو جھکاتے اور اپنے اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے۔ مگر ہم نے ایسا کچھ نہ کیا جس کے عوض اب ہمیں ہر طرح کے کرب سے گزارا جائے گا۔ ہم نے انسان ہونے کے ناطے بھی انسانیت کی کوئی خدمت نہ کی۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کو تجنے

کی بجائے ہمیشہ لالچ سے کام لیا اور اپنے نفس پر قابو پانے کی طرف دھیان نہ دیا۔ ہمارے کرتوتوں سے ہماری دائمی زندگی اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوگئی۔

سلطان باہو ہمیں کس نظر سے دیکھتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

صورت نفس امارے دی کوئی کتا گُلر کالا ہو
رُکھی سُکی کھاندا ناہیں، منگے چرب نوالا ہو
کھبے پاسوں اندر بیٹھا دال دے نال سنبھالا ہو
ایہہ بد بخت ہے ٹھگھا باہُو اللہ کری ٹالا ہو

اور حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں موت سے پہلے مرنے کو کس طرح تصور کرتے ہیں۔

مُوتُوا والی موت نہ مِلسی جیں وچ موت حیاتی ہو
موت وصال تھیوے ہکّا جداسم پڑھیوے ذاتی ہو
عین دے اندر عین تھیوسے دُور ہووے قُربانی ہو
ہُو دا ذکر ہمیش سڑیندا دہنہاں سُکھ نہ راتی ہو

(55)

ہر دم نام سمھال!

جگ میں جیوں تھوڑا، کون کرے جنجال
کئیں دے گھوڑے، ہستی، مندر، کئیں دا ہے دھن مال
کہاں گئے مُلا، کہاں گئے قاضی، کہاں گئے کٹک ہزار
ایہہ دنیا دن دوئے پیارے، ہر دم نام سمھال
کہے حسین فقیر سائیں دا، جھوٹھا سبھ بیوپار!

الفاظ و معنی:

جنجال ——— الجھن، مصیبت۔ پریشانی
کئیں دے ——— کس کے
ہستی ——— ہاتھی
دھن مال ——— دولت
کٹک ——— لشکر
دوئے ——— دو
سمھال ——— سنبھال

ترجمہ:

تھوڑی سی زندگی ہے آدمی کیوں پریشانیوں میں مبتلا ہو۔ یہ گھوڑے ہاتھی دھن دولت اور یہ عمارتیں کس کام کی ہیں اور کہاں گئے وہ مُلا قاضی اور لشکر سب کے سب ختم ہو گئے کسی شے کو دوام نہیں یہ دنیا دو دن کی ہے اور یہاں کا سب کاروبار جھوٹا ہے اس لئے ہر

پل ہر لحہ اللہ کا ذکر کر کہ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ باقی ہر شے کو فنا ہے۔

تشریح:

یہ بات تو ازل سے طے ہے کہ سوائے رب العزت کے کسی شے کو دوام نہیں کوئی چیز ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نہیں تو پھر دنیا کے دھندوں میں الجھنے سے فائدہ، تغیراتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ہر شے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جیسے ہمارے اردگرد آج کوئی شے موجود ہے تو چند دنوں بعد وہ نہیں ہوگی اور اُس کی جگہ کوئی دوسری چیز اُس کی جگہ لے لے گی، یہی تغیرات انسان میں دلچسپیاں پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ جس کے تحت انسان دنیاوی چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے اور اُسے اپنائیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہی اپنائیت جب شدت اختیار کرتی ہے تو انسان دنیاوی چیزوں میں الجھنا شروع ہو جاتا ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے دن رات کی محنت، کوشش اور تگ ودو میں مصروف ہو جاتا ہے یہ مصروفیت اُس کے ذہنی رجحان کو تقویت دیتے ہوئے اُسے باقی ماندہ چیزوں سے بے نیاز کر دینے کا کام کرتی ہے اور انسان اُن چیزوں کی چکا چوند میں اپنے رب کو فراموش کرتا چلا جاتا ہے اس کے بر عکس جن لوگوں کو دنیا کی اصلیت کا اندازہ ہے اور زندگی کے تاروپود سے واقفیت ہے وہ اپنے رب سے لَو لگائے ہوئے دنیا کو ثانوی حیثیت دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اُس کے ذکر سے ہمہ وقت اپنی عاقبت سنوارنے اور تسکین پرور لمحوں سے فیض یاب ہونے کے علاوہ وہ ہر کام اپنے اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لئے کرتے ہیں اور ہم آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے خوش ہوتا ہے اُنہیں اپنی رحمتوں اور فضل و کرم سے نوازتا ہے اور اُن کے لئے اپنی نعمتوں کو وافر فرماتا ہے اسی لئے شاہ حسین اپنی اس کافی میں ہمیں پیغام دیتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کر و اُس کے فیضان سے تمہیں کسی دوسری شے کی حاجت نہ رہے گی کہ وہ ہر شے پر قادر ہے مگر ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی شے کو دوام حاصل نہیں سوائے رب تعالیٰ کے اپنے لئے مال واسباب اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، بڑے بڑے القاب حاصل کرنے کے لئے ظاہری نمود ونمائش اختیار کرتے ہیں اور باطن

میں دوسروں کی جڑیں کاٹنے پر لگے ہوئے ہیں کیا یہ منافقت نہیں اور اگر منافقت ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کی ممانعت کے باوجود بھی ہم میں سے بیشتر اسی کو اپنائے ہوئے ہیں بتایئے ایسی صورت میں ہم اللہ کے حضور جانے کے لائق ہیں، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کہلوانے کا حق رکھتے ہیں یہ تو بہت دور کی بات ہے کیا ہم انسان کہلوانے کے بھی لائق ہیں۔ دیکھئے ہم آپ خود ہی اپنا آئینہ ہیں ہم اپنے آپ کو صاف صاف دیکھ سکتے ہیں مگر ہم خود ہی اپنے آپ سے آشنا نہیں ہونا چاہتے کہ ہمیں اپنے آپ سے خوف آنے لگے گا ہماری تمام تر مکروہات ہماری شکل کو انتہائی بھیانک انداز میں ہمارے سامنے لے آئیں گی اور ہم جو بڑے وقار، اور رُعب سے از خود اپنا مقام متعین کئے ہوئے ہیں اپنے آپ سے آنکھ ملانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ بہتر ہے سنبھل جائیں اور جان لیں کہ یہ دنیا دو دن کی ہے یہاں کا بیوپار جھوٹ اور فریب کاری ہے۔ اس دنیا کی کشش ہمیں تباہ و برباد کر دینے والی ہے کیوں کہ یہ خود تباہ و برباد ہونے والی ہے اس لئے اس کی چیزیں کیسے دوامی ہو سکتی ہیں اور کیسے یہ دنیا کسی کو ہمیشہ کی خوشی سے ہمکنار کر سکتی ہے سیدھی سی بات ہے کہ جو چیز خود اپنا مقام نہیں رکھتی وہ کسی دوسرے کو کیا مقام دے سکتی ہے تو پھر اس لالچ و حرص میں اپنے آپ کو ڈالنے اور اپنے خالقِ حقیقی کو ناراض کرنے سے فائدہ۔

آیئے ہم سب اپنے دنیاوی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے اور جو نہایت رحیم و کریم اور شان و شوکت کا مالک ہے۔ دو دن کی زندگی ہمیں کیا دے سکتی ہے سوائے اس کے کہ ہم اپنی آیندہ کی زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال اکٹھے کر لیں جس سے ہماری آیندہ منزلیں بھی آسان ہونے کے امکانات پیدا ہوں اور ہم اپنے رب کے اطاعت گذار بن جانے کا شرف حاصل کر سکیں۔ کہ تمام توفیقیں اللہ ہی دینے والا ہے۔

پتے پتے میں قدرتیں تیری
ڈالی ڈالی پہ عظمتیں تیری
گلستاں تیرے دم سے ہیں آباد
ہیں عیاں اُن سے صنعتیں تیری
پھول کلیوں میں تیری مہکاریں
غنچے غنچے میں نکہتیں تیری
سب کا رزاق، سب کا تُو داتا
سب پہ یکساں ہیں رحمتیں تیری
خاتم ﷺ انبیا کے صدقے میں
عام ہوں سب عنائتیں تیری

(خالد شفیق)

(56)

ساون ماہ سرنگڑا آیا!

بال پن کھیڈ لے کڑیئے! تیرا اج کہ کل مکلاوا
کِھنوڑا کھڈیندیئے کڑیئے، کن سونے دا والا
ساہوڑے گھر البت جانا پیئے گوڑا دعویٰ
ساون ماہ سرنگڑا آیا، دِن سانویں تلّے
کہے حسین فقیر سائیں دا، اَج آئے کل چلّے

الفاظ و معنی:

بال پن ——— بچپن
مکلاوا ——— کسی دلہن کا شادی کے بعد دوسری مرتبہ سسرال جانا
کِھنوڑا ——— گیند۔ جو مختلف کپڑوں کے ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے بنایا جاتا تھا پرانے زمانے میں دیہاتوں میں گیند کی یہی صورت ہوتی تھی
کھڈیندیئے ——— کھیلتے
ساہوڑے ——— سسرال، خاوند کے گھر
البت ——— آخر
پیئے ——— میکے۔ ماں باپ، بہن بھائیوں کا گھر
سرنگڑا ——— خوش رنگ، دلکش، رنگین، خوبصورت
سانویں ——— میٹھے اور نمکین پکوان جو ساون کے لطف کو دوبالا کرنے

کے لئے بنائے جاتے ہیں جیسے ساون میں پکنک منانے کا
اہتمام

ترجمہ:

شادی سے پہلے پہلے کھیل لے کہ اب بہت کم وقت ہے جب تو نے اپنے سسرال چلے جانا ہے (گیند کا کھیل عام کھیلا جاتا تھا اس لئے شاہ حسین نے بھی اُس وقت کے مستعمل کھیل کا ذکر کیا ہے) تیرے ماں باپ کا گھر تیرا نہیں یہ دعویٰ جھوٹا ہے خوش رنگ اور دلکش ساون آ گیا ہے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے نمکین اور میٹھے پکوان بنا رہے ہیں جو سب مل جل کر کھائیں گے یہ سب بہاریں زیادہ دیر تک نہیں کہ جو آج اس دنیا میں آئے ہیں اُنہوں نے کل چلے جانا ہے چار دن کی زندگی کو بہتر طور پر گزار لے۔

تشریح:

بچپن، جب تفکرات کی دھوپ چھاؤں انسانی وجود پر اثر انداز نہیں ہوتی عمر کا حسین ترین حصہ گردانا جا سکتا ہے۔ اور اس میں اگر کسی کو کسی خاص راستے پر گامزن کر دیا جائے تو اُسے نا صرف اُس کی عادت ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنی مانوسیت کی تمام تر توانائیاں شعوری اور غیر شعوری طور پر اسی نہج پر صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ بچپن میں شروع کیا گیا کام اپنے فاعل کی توجہ کا مرکز رہتا ہے اور انجام تک اُس کے ارادوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو کام بھی ابتدائی عمر میں شروع کیا جائے اس میں نت نئے تجربات بھی ہوتے ہیں اور پختہ کاری بھی منظرِ عام پر آتی ہے۔

اس کافی میں شاہ حسین مذکورہ بالا صورتِ حال کے پیشِ نظر بچپن ہی سے اللہ کی عبادت کی طرف توجہ مبذول کرنے کا درس دے رہے ہیں تا کہ جوانی تک پہنچتے پہنچتے بندہ شعوری سطح پر اپنے رب کی پہچان کر لے اور پھر اُس کی عبادت گزاری میں کبھی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو ہر چند کہ کوئی بھی لمحہ ہمارے لئے موت کا پیغام بن سکتا ہے یعنی ہمیں اپنے رب

کی طرف سے کسی بھی وقت بلاوا آ سکتا ہے۔ اور اس خدشے کے پیش نظر ہم ہمہ وقت نیک اعمال کرنے کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس وقت سے فائدہ اُٹھالیں جو قدرت کی طرف سے ہمیں زندگی کے روپ میں نوازا گیا ہے۔ کل کیا ہونے والا ہے یہ بڑی دور کی بات ہے ہر اگلا لمحہ ہماری سوچوں سے کبھی مطابقت نہیں رکھتا پھر یہ سوچنا کہ ابھی بہت وقت ہے بے وقوفانہ دلیل کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا جس کام کے لئے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا اُسے پورا کرنا ہمارے اولین فرائض کا حصہ ہے جب کہ ہم فرائض سے غفلت کا شکار ہونے سے کبھی اپنے آپ کو بچانے کی سعی نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہے ہم سوچنے سے کیوں قاصر ہیں۔ کیا ہمارے اردگرد کی رعنائیاں ہماری سوجھ بوجھ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں یا ہم خود ہی گمراہی کی گہری کھائی میں گر کر دفن ہو جانا چاہتے ہیں۔ کوئی ایک صورت تو یقیناً ہمیں راہِ راست سے ہٹانے کا کام کر رہی ہے۔ ورنہ یہ جانتے ہوئے کہ ہمیں واپس لوٹنا ہے اور ضروریات زندگی کی تمام اشیاء جو ہمیں وقت پورا کرنے کے لئے دی گئی ہیں سب کی سب یہیں پر رہ جانے والی ہیں اور تمام دعوے جو کئے جاتے ہیں بے معنی و بے مقصد ہیں۔ تو پھر ہمیں جان لینا چاہیے کہ اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اُن کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے لئے اُس کی رحمتوں کا نزول دیکھنے کے لئے اُس کی بخشش سے فیض یاب ہونے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں، ہمیں ہر حال میں اپنے رب کے فضل و کرم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور دنیاوی حسن و جمال و دیگر لوازمات کی کشش میں اپنے آپ کو الجھا کر پاک پروردگار سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ یہ ہمارے حق میں کبھی کسی بھی طرح کسی بھی زاویے اور پہلو سے بہتر نہیں ہے۔

شاہ حسین اپنی دیگر کافیوں میں بھی اس بات کا تذکرہ کرتے چلے آئے ہیں کہ ہمارا اصلی ٹھکانہ وہی ہے جہاں سے ہم اس دنیا میں عارضی طور پر بھیجے گئے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے کوئی مزدور کسی کے گھر میں اُجرت پر کام کرنے کے لئے جاتا ہے اور پھر اپنا کام ختم کرنے پر واپس اپنے گھر لوٹ آتا ہے اُس کے کام کے بدلے میں جو کچھ اُسے ملتا ہے وہ اُسے اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور اپنے لئے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتا

ہے ــــــ تھوڑا غور فرمایئے تو ہم سب مزدوری کرنے اس دنیا میں آئے ہیں ہمارے کاموں کی نوعیت مختلف ہے جو ہماری طبیعتوں کے لحاظ سے ہمارے ذمے لگائے گئے ہیں۔ اور اپنی مزدوری ختم کر کے ہمیں لوٹنا ہے۔ اور اپنے مالک کو حساب دینا ہے کہ ہم نے دنیا میں کیا کیا کام کئے، کتنی محنت صرف کی کتنا خلوص اور ایمانداری سے کام لیا ــــــ اب ہم مزدوری کر کے اُجرت کے طلب گار تو بن جاتے ہیں مگر حساب دینے کے لئے لیت ولعل سے کام لیتے ہیں۔ جب کہ کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ ہماری بہانہ سازی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنا کام بخوبی سرانجام نہیں دیا، غفلت اور کوتاہی کو اپنا شعار بنایا اور گناہ کے مرتکب ہوئے ــــــ یہ کام اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اُجرت اُس کا رحم، فضل اور رحمت کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنا کام بہترین صلاحیتوں کے حوالے سے جو اللہ نے انسان ہونے کے ناطے ہمیں عطا کیں، کریں اور اُس کا حساب دینے کے لئے تیار رہیں اس توقع پر کہ اللہ پاک ہمیں ہماری محنتوں (عبادتوں) کے صلے میں رحم فرماتے ہوئے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا ہمیں نیک بدلے سے نوازے گا اور ہم پر احسان فرماتے ہوئے ہمیں بخش دے گا۔

ہر بُرے کام سے بچا مجھ کو
میرے مولا مجھے بھلائی دے
کتنا قحط الرجال ہے مولا
تُو ہی دنیا کو رہنمائی دے

(سجاد مرزا)

(57)

توں بخشن ہارا سائیں!

ربا وے میں نال چھپائی، توں بخشن ہارا سائیں
ہتھیں میرے مُندری، کم میں کیونکر کریں
پیریں میرے لال جُتی، میں تانا کیونکر تنیں
چُلھے پچھے پنج کسیرے، مال کیوں کر بھریں
اندر۔ بولن مرغیاں، تے باہر بولن مور
کہے حسین فقیر سائیں دا، تانی نوں لے گئے چور

الفاظ و معنی:

مُندری ـــــ انگوٹھی
پنج کسیرے ـــــ پیتل اور تانبے کا کام کرنے والے۔ (مراد حواس خمسہ)
ناک، کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ۔

ترجمہ:

مرے اللہ تو بخشنے والا ہے، میرے ہاتھ میں انگوٹھی ہے میں کیسے کام کروں پاؤں میں سرخ جوتی ہے میں چلنا نہیں چاہتا۔ وجود پانچ حواس سے عبارت ہے تو اور کس شے کی ضرورت باقی رہتی ہے اندر اور باہر میں تضاد ہے یعنی ظاہر کو سنوارا گیا ہے اور باطن بد صورت ہے شاہ حسین اللہ کا فقیر کہہ رہا ہے کہ تانی کو چور لے گئے ہیں ہمارے نیک اعمال ہماری حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔

تشریح:

کسی بھی کام کو کرنے کے لئے جو اختیارات اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کئے ہیں انکا صحیح استعمال بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے اور اگر اختیارات کو استعمال نہ کرتے ہوئے عذر پیش کئے جائیں تو ظاہر ہے اس کے پیچھے ہماری نیت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کہ ہم ایک کام کر سکنے کے اہل ہوتے ہوئے بھی اُسے کرنا ہی نہیں چاہتے اور کام نہ کرنے کے طرح طرح کے جواز پیدا کرتے ہیں یہ دوگونا صورتِ حال ہمارے وقار میں کبھی اضافے کا باعث نہیں بنتی بلکہ ہمیں کسی بھی وقت ہمارے مقام سے گرا دینے کا موجب ہو سکتی ہے۔

شاہ حسین کی کافیوں میں یہ محسنانہ رویہ ہے کہ وہ حقائق کو سرِ عام لانے اور اُن سے مستفید ہونے کی صلاح دیتے ہیں اور یوں ہمیں ہماری آخرت کے لئے کچھ نہ کچھ کرنے کی تحریک مہیا کرتے ہیں۔ ہمیں اندر اور باہر یعنی ظاہر و باطن کو ایک ہی طرح سنوارنے کا درس دیتے ہیں۔ جب کہ نفسانی خواہشات جو ہمارے باطن میں کرب ناک ماحول پیدا کئے ہوئے ہیں وہ دراصل ہمارے بیرونی معمولات سے اخذ کردہ نتائج کا خاصہ ہے اور یہی ماحول ہماری تکمیل کے لئے ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہے اس صورت حال میں ہم تکمیل کے مراحل طے کرتے ہوئے کن کن عوامل سے دوچار ہوں گے اور اُن کے اثرات ہم پر کس کس طرح مرتب ہوں گے یہ ہماری زندگی کے اُتار چڑھاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہم جو کچھ دیکھتے، سُنتے، بولتے یا کرتے ہیں یقینی طور پر ہمارا باطن اُس میں پوری طرح شامل ہوتا ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ

بیرونی عوامل + اندرونی رجحان (نیت) = کردار جو ادا کیا گیا یا ادا کیا جائے گا

تو محترمی! گتھی کافی حد تک سلجھ جاتی ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اُس میں ہماری مرضی کا عمل دخل ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے اردگرد کے ماحولیاتی اثرات بھی اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور یوں ایک عمل اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے اسی طرح باقی عمل بھی جب

پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح انسانی زندگی کا حصہ ہیں تو اعمال بن جاتے ہیں اب رہا سوال ان کے نیک و بد ہونے کا ہے تو نیک اعمال کے لئے ہمیں اپنی نیت سے فتور کو نکال پھینکنا ہوگا۔ جب ہم فتور سے پاک ہو جائیں گے تو یقینی طور پر ہم کسی ایسے کام کو ہاتھ ڈالنے سے گریز کریں گے جس کے نتائج اچھے برآمد نہ ہو سکتے ہوں اس کے برعکس ہم اُس عمل کو اپنانے کی سعی کریں گے جو ہمارے لئے فائدہ مند ہو فائدے سے مراد دنیاوی فائدہ نہیں بلکہ وہ فائدہ وہ انعام کے طور پر رب کائنات نے اپنے نیک بندوں کے لئے وقف کر رکھا ہے، اور چونکہ نیت کا فتور ختم ہونے سے ہم اپنے آپ سے اچھائی کی توقع رکھتے ہیں اور اپنے لئے نیکیوں کی راہ ہموار پاتے ہیں اس لئے ہمارے ذہن و دل کا جھکاؤ بھی ماحولیاتی سطح اور باطنی سطح دونوں پر نیکی کی طرف ہوگا۔ نیکی جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ اور جب یہ ذریعہ ہمارے ہاتھ لگ جائے گا تو ہم نیکی کے مفاہیم کو پوری طرح سمجھنے کے اہل بھی ہو جائیں گے اور اُس سکون اور اطمینان سے شناسا بھی جو نیکی کرتے وقت اللہ کی طرف سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے ——— اور مکمل یقین کر لینا چاہیے کہ اس راستے پر چلنے والے کے لئے رب کائنات نے نعمتوں کے انبار لگا رکھے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالو اور جو اختیارات (حواس) تمہیں عطا کئے گئے ہیں اُن سے جائز کام لو۔ نہ کہ اپنے اردگرد ایسی قوتوں کو اکٹھا کر لو جو تمہاری تھوڑی بہت نیکی کو بھی ضائع کر دیں اور تم اس راستے کا انتخاب کرنے میں ناکام رہ جاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت، رحمت اور بخشش تمہاری منتظر ہے۔

وہ ربِ عالمین رحیم و کریم ہے
وہ ذاتِ پاک برتر و بالا و عظیم ہے
ہر لحظہ، ہر گھڑی یہی کہتے ہیں صالحین
"ایاک نعبدو ایاک نستعین"

(ابوالیث قریشی لیث)

(58)

باجھوں سجن مینوں ہور نہیں سُجھدا!

باجھوں سجن مینوں ہور نہیں سُجھدا
تن تندور، آہیں دے لنبو، سیج چڑھیندیاں مینڈا تن من بُجھدا
تن دیاں من دیاں، تن من جانیں، محرم ہوئے سو دل دیاں بُجھدا
کہے حسین فقیر سائیں دا، لوک بخیلا پچ پچ لُجھدا!

الفاظ و معنی:

باجھوں ـــــ بغیر
سجھدا ـــــ سمجھ نہیں آتا۔ خیال نہیں آتا۔ سُوجھتا
تن تندور ـــــ آگ سے بھرا ہوا جسم/ بدن میں آگ لگی ہوئی
لنبو ـــــ شعلے
مینڈا ـــــ میرا
بُجھدا ـــــ بجھتا۔ ختم ہوتا
بُجھدا ـــــ جاننا۔ معلوم کر لینا۔ بُوجھ لینا
بخیلا ـــــ بخیل آدمی۔ بخل سے کام لینے والا۔ کمینہ
لُجھدا ـــــ جلنا۔ حسد کرنا۔

ترجمہ:

اپنے محبوب کے بغیر مجھے کچھ نہیں سُوجھتا، جسم تنور کی طرح جل رہا ہے اور آہیں شعلوں کی طرح ہیں۔ سیج پر جاتے ہوئے میرا تن من بُجھ جاتا ہے جیسے کوئی گھبرا جاتا ہو۔ بہر

حال تن کی تن جانے اور من کی من کو خبر ہو اصل محرم تو وہ ہے جو دل کے اندر چھپی بات جانتا ہو (اور وہ صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہے) حسین اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے کہ بخیل لوگ دوسروں کو خوش دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر اسی آگ میں جل جل کر خاک ہوتے رہتے ہیں۔

تشریح:

عشق کی منازل طے کرنے کے بعد ایسا مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ ۔

جیسے تو میری آنکھ کی پُتلی پہ نقش ہے
ہر چہرہ مجھے تیرا ہی چہرہ نظر آئے

(یوسف مثالی)

جس طرف بھی نگاہ اُٹھتی ہے محبوب کا دیدار حاصل ہوتا ہے دراصل محبوب روم روم میں سما جاتا ہے اور آنکھوں کی پتلیوں پر نقش ہو جاتا ہے ظاہر ہے ایسے میں محبوب کا عکس وجود کا حصہ بن جاتا ہے وہ اپنے آپ سے باہر ہوتا ہی نہیں اُسے کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور جب محبوب اپنے اندر سما جائے تو اس اندر کو صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے کہ دنیا میں کون ہو گا جو اپنے محبوب کے لئے، اُس کی خاطر و مدارت کے لئے بڑھ چڑھ کر کوشش نہیں کرے گا اپنی بساط سے باہر جا کر بھی اُسے اپنے محبوب کے نخرے اُٹھانے پڑیں تو پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اور اگر محبوب حقیقی جو سب سے پیارا، سب سے اعلیٰ، اور ہماری ہر بات سُننے والا ہے، کبھی ہم سے کج روی نہیں برتنے والا اور نہ کبھی ہم پر احسان کر کے جتلانے والا ہے وہ کسی کے روم روم میں بس جائے تو اندازوں سے کہیں زیادہ خوشی اور طمانیت کا احساس انسان کی نس نس میں سرائیت کرنے لگے گا یا شاید ہم اس سرُور کی لا محدودیت کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے ایسی صورت میں اور کس کا خیال دامن گیر ہو سکتا ہے جو ایسی کیفیت میں اپنی اہمیت اُجاگر کر سکتا ہے ہرگز ہرگز کوئی نہیں اور جس کا محبوب اُس کے پاس نہ ہو اُس کے کرب کی انتہا بھی سوچ کی حدود میں نہیں آسکتی۔

شاہ حسین ہجر کے جس دکھ سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس کافی کی تخلیق کرنے کے عمل سے گزرے اور جن تلازموں سے اُنہیں اس کافی کا تانا بانا ترتیب دیا وہ قابل ستائش ہی نہیں بلکہ روح فرسا بھی ہے اور واقعی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تن کے تنور سے آہوں کے شعلے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں اور سیج پر جاتے ہوئے گھبراہٹ کا احساس ہو رہا ہے گھبراہٹ کا سبب یہ ہے کہ محبوب کا سامنا کرنے اور اُس کے جلوؤں کی تاب لانے کی ہمت کس میں ہے۔ بہر کیف جس کے ساتھ جو بیت رہی ہے وہی جانتا ہے میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ جو سچا محرم، سچا محبوب ہے وہ دل میں چھپی بات بھی جان لیتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ اُسے چاہنے والا اُس کے ہجر میں کس قدر ٹوٹ پھوٹ رہا ہے اُس کے دل میں کتنی اُمنگیں جنم لے رہی ہیں۔ کیوں کہ سچا محبوب پاک پروردگار تو رہتا ہی دلوں میں ہے جبھی تو کہتے ہیں۔

مسجد ڈھا دے، مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھائیں، رب دلاں وچ رہندا

اور

تُو نے میرا ہی دل نہیں توڑا
گھر سے بے گھر کیا خدا کو بھی!

(یوسف مثالی)

وہ دلوں کے بھید جاننے والا اور کائنات کی ہر شے کا خالق ہے، اُس کی نظر سے کیسے کوئی چیز اوجھل ہو سکتی ہے سچا محرم تو وہی ہے اور میں تو اپنے محرم کی محویت میں ہوں اگر کوئی حاسد حسد کی آگ میں جل جل کر اپنا آپ برباد کر رہا ہے تو مجھے کیا، کہ بخیل کی قسمت میں ہی یہی ہے ——— مجھے تو بس اپنے محبوب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنا ہے میرا دھیان اُسی کی طرف ہے اور رہے گا اُس سے زیادہ خوبصورت کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا

پورا وجود میرے رب کے خیالوں میں گم اُس کی حمد وثنا میں مصروف ہے۔

تصوف میں کئی ایسی منازل ہوتی ہوں گی جن کو طے کرنے والا پوری طرح اُن کے رموز سے شناسا نہیں ہوتا ہوگا اور اگر رب کائنات کے انتہائی فضل وکرم سے اُسے رمز آشنائی کی سعادت نصیب ہو جاتی ہوگی تو وہ زبان والفاظ کی گرفت سے یقیناً باہر ہوتی ہوگی کہ یہ راز کی باتیں راز داں ہی جان سکتا ہے۔ لہٰذا ہر صوفی نے اپنی اپنی بساط اور ظرف کے مطابق ہی منازل حق طے کیں اور اُن میں سے جن رموز کو ظاہر کرنے کی اجازت ملی اُنہیں اپنے اپنے جذبات کی آمیزش سے ظاہر کیا گیا اور یوں ایک عام آدمی کو اُن کیفیات سے فیض یاب ہونے کے مواقع فراہم ہوئے جو اُس کی دسترس سے باہر تھے اب یہ عام آدمی کا اپنا ظرف ہے کہ وہ ان کیفیات سے مستفید ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے یا نہیں یا وہ صرف اس سے اپنے مطالب نکالنے کی حد تک استفادہ کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ بہر کیف صوفیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے فرائض سے کبھی کوتاہی نہیں کی جس کے طفیل ہم آج بھی اُن کی باتوں، ان کے خیالات اور اُن کی سوچوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ جب کہ صوفیا کا ایک سلسلہ اب بھی جاری وساری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہمہ وقت اپنی رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے۔ آیئے کچھ صوفیا کی سوچوں سے ہم روح ودل منور کرنے کا اعزاز حاصل کریں۔

کیہ جاناں میں کوئی
وے اڑیا
کیہ جاناں میں کوئی
جو کوئی اندر بولے چالے ذات اساڈی اوئی
جس دے نال میں نیوں لایا اوہو جیہی ہوئی
کیہ جاناں میں کوئی وے اڑیا
چٹی چادر لاہ سٹ کڑیئے، پہن فقیراں دی لوئی

چٹی چادر نوں داغ لگے گا، لوئی نوں داغ نہ کوئی
کیہ جانا میں کوئی وے اڑیا
الف پچھاتا ب پچھاتی، ت تلاوت ہوئی
س پچھاتا ش پچھاتا، صادق صابر ہوئی
کیہ جانا میں کوئی وے اڑیا
گو گو کردی قمری آہی گل وچ طوق پیوئی
بس نہ کردی گو گو کولوں، گو گو اندر موئی
کیہ جانا میں کوئی وے اڑیا
جو کجھ کری اللہ بھاناں، کیا کجھ کری کوئی
جو کجھ لیکھ متھے دا لکھیا اُس تے شاکر ہوئی
کیہ جانا میں کوئی وے اڑیا

(بلھے شاہؒ)

الف اَحد جد دِتی دکھالی از خود ہویا فانی ہو
قُرب، وصال، مقام نہ منزل، نہ اُتھ جسم نہ جانی ہو
نہ اُتھ عشق محبت کائی، نہ اُتھ کون مکانی ہو
عینوں عین تھیوسے باہُو، سِرّ وحدت سُبحانی ہو

(سلطان باہوؒ)

اور سچل سرمستؒ فرماتے ہیں۔

غیر نہ ہرگز رہندا
دیکھن نال سجن دے

دلبر باجھوں نال کہیں دے ٹھاہ نہ ساڈا ٹھہندا

جنہاں نال جو یار الاوے ساہ نہ ساڈا سہندا

ٹُر ٹُر ویندا غیراں کولوں نال ساڈے نہیں بہندا

سچل جالے روز غماں وچ

سوہنا سدھ نہ لہندا!

اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے تو اپنے تمام تر اختیارات اپنے حقیقی محبوب کو سونپے ہوئے ہیں

فرماتے ہیں۔

آپنا لایا پرم نہ لگی، جی لوچے سبھ کوئے

ایہہ پرم پیالہ خصم دا جیں بھاوے تیں دے

(فریدالدین گنج شکرؒ)

(59)

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا!

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا، کیا صوفی کیا بھنگی
جو رب بھاوے سو ای تھیسی، سا ای بات ہے چنگی
آپے ایک انیک کہاوے، صاحب ہے بہو رنگی
کہے حسین سہاگن بسا ای، جو شوہ دے رنگ رنگی

الفاظ و معنی:

ہوگ ــــ ہوگا

نبیڑا ــــ فیصلہ

صوفی ــــ اللہ والے

بھنگی ــــ خاکروب، نشئی وغیرہ

بھاوے ــــ پسند آئے، چاہے، مرضی کے مطابق

سوای تھیسی ــــ وہی ہوگا

سا ای ــــ وہی

انیک ــــ کئی، ایک سے زیادہ۔ کثیر تعداد

کہاوے ــــ کہلائے

بہو رنگی ــــ بہت سے رنگ، بہت سی صفتوں والا

شوہ ــــ خاوند۔ محبوبِ حقیقی۔ اللہ تعالیٰ

ترجمہ:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں فرمار ہے ہیں کہ بندے کے اعمال پر ہی فیصلہ ہوگا کہ اُس نے دنیا میں جا کر کیا کیا اس میں صوفی ہونا یا بھنگی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا اور اُسی میں بہتری ہے، وہ یکتا ہے مگر ہر جگہ ہے اُس کے کئی رنگ ہیں یعنی وہ اوصاف حمیدہ کا مالک ہے شاہ حسین کا کہنا ہے کہ سہاگن وہی ہوتی ہے جو اپنے خاوند (مالک حقیقی) کے رنگ میں رنگی جائے۔ یعنی اُس میں اُس کے محبوب کے پرتو نظر آنے لگیں۔

تشریح:

قدرت کا ایک اصول ہے جو ہماری زندگی میں ہر جگہ اپنی پوری اہمیت کے ساتھ اپنے فیصلے صادر کرتا ہے اور ہمارا کوئی کام اُس کے فیصلے سے غیر متفق نہیں ہوتا۔ اور وہ ہے کہ ہم جو کریں گے سو بھریں گے، ہم جو کچھ کھیت میں بوئیں گے وہی کاٹیں گے، ہم جو کام کریں گے ہمیں اُسی کا نتیجہ ملے گا نہ کہ کسی دوسرے کام کا جو ہم نے کیا ہی نہ ہو یا ہم آئندہ کرنے والے ہوں اور حدیث مبارکہ بھی ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔

سب سے اہم سچی اور ٹھوس بات یہی حدیثِ مبارکہ ہے باقی ماندہ محاورات اور سوچیں اسی سے کشید کردہ یا اخذ کردہ ہیں۔ اس لئے کسی بھی طرح کسی بھی زندگی سے اس امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اعمال تو منفی کر رہا ہو اور ثمرات مثبت حاصل ہوں یا اس کے برعکس عمل مثبت، ثمر منفی کہ یہ ممکنات میں سے نہیں اگر ممکنات میں سے ہوتا تو کہیں نہ کہیں کوئی لچک ضرور ہوتی مگر ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ اس لئے یہی بات طے شدہ ہے کہ جس کے جیسے اعمال ہونگے اُس سے ویسا ہی سلوک روا رکھا جائے گا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور رحیم و کریم ہے وہ اپنی قدرت اور اپنی رحمت کے جوش میں جس کے ساتھ

چاہے جو سلوک کرے چاہے تو اپنی بے پناہ محبتوں سے نوازتے ہوئے گناہ گار سے گناہ گار بندے کو بخشش جیسی نعمت عطا کر دے اور چاہے تو پرہیز گار بندے کے کسی ایک عمل سے اُس کی عبادت کا صلہ نہ دے۔ کہ رب العالمین ہر عمل ہر نیت اور ہر انجام سے واقف ہے۔ اس لئے وہ جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے کیوں کہ وہ بہتر جانتا ہے۔

شاہ حسینؒ کی مذکورہ کافی میں انتہائی لطیف پہلو جو وضاحت طلب بھی ہے کی طرف ہماری توجہ دلانا چاہتے ہیں اور یہی پہلو اس کافی کی جان کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اس کافی کے تیسرے مصرعے میں اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ''انیک'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ کہنا مقصود یہ ہے کہ، انیک سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اُس کی قدرت ہے وہ ایک ہے مگر ہر جگہ موجود ہے۔ وہ اکیلا ہے مگر سب میں بٹا ہوا ہے، اُس کے کئی رنگ ہیں یعنی وہ ہر خوبی کا مالک ہے اور اُس سے پیار کرنے والے اُس کے عشق میں گرفتار اُس کی رحمتوں کے طالب جو اپنے اللہ کی رضا کے لئے اُٹھتے بیٹھتے، جاگتے، سوتے، چلتے پھرتے اُسی کے نام کا ورد کرتے ہیں اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اُسی سے ہر قسم کی مدد مانگتے ہیں وہ ہی اللہ کے نیک بندوں میں شمار ہیں کیوں کہ اُن کا ہر عمل اللہ کے لئے ہے۔

آیئے ہم سب مل کر اللہ کے حضور دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی اپنے نیک بندوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔

وہی ہو نام ترا، حرف جو سُجھائی دے
مرے خدا مجھے اُس اوج تک رسائی دے

وہ سوچ دے کہ تو محور ہو سب خیالوں کا
نظر وہ دے کہ مجھے تُو ہی تُو دکھائی دے

رچا بسا ہو کچھ ایسے سماعتوں میں تُو
میں جس کسی کو سنوں صرف تُو سنائی دے

خموشیوں کے لبوں پر ہے تذکرہ تیرا
مجھے بھی کاش کبھی ایسی بے نوائی دے

(یوسف مثالی)

(60)

دنیا طالب مطلب دی!

دنیا طالب مطلب دی وو، سچ سُن وو فقیرا
مطلب آوے مطلب جاوے، مطلب پوجے گُر پیرا
مطلب پہناوے، مطلب کھلاوے، مطلب پلاوے نیرا
کہے حسین جن مطلب چھوڈیا، سو میرن سر میرا

الفاظ و معنی:

گُر پیرا ـــــ گورو اور پیر
نیرا ـــــ پانی
چھوڈیا ـــــ چھوڑ دیا
میرن ـــــ میر۔ مراد اعلیٰ وارفع، بادشاہ، رہنما
سر میرا ـــــ بلند و بالا۔ بادشاہوں کا بادشاہ۔ طاقت ور

ترجمہ:

دنیا خود غرض ہے اور یہی سچ ہے ہر کوئی مفاد پرستی میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنے مطلب کے لئے اپنے گرو کی پوجا کرتا ہے اپنے پیر کے ناز نخرے اُٹھاتا ہے اور ہر کوئی اپنی غرض کے لئے کھلاتا پلاتا اور پہناتا ہے مگر شاہ حسین کی بات سن جس نے بھی مطلب کو ترک کر دیا ہو بہت ارفع و اعلیٰ انسان ہے بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے، بہت بلند و بالا ہے۔

تشریح:

مطلب پرست دنیا کے حوالے سے شاہ حسین کی یہ کافی اپنے اندر جہاں معنی

سموئے ہوئے ہے اور ہم اس کی تہہ میں اُترتے چلے جاتے ہیں اور دیکھتے چلے جاتے ہیں
کہ ہر کوئی اپنے اپنے مطلب کے لئے ایک دوسرے سے روابط کا خواہاں ہے ہر کسی کا ہر فعل
اُس کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے اور اُس کے خیال اور سوچ کو وضاحت کا ذمہ دار، لہٰذا جب
تھوڑا سا مزید کریدا جائے تو ہمیں ہر بات صاف صاف سمجھ میں آجاتی ہے مثال کے طور پر
مجھے کوئی اس لئے اپنا رہا ہے کہ میں اُس کے کس کس کام آسکتا ہوں میرے ناز نخرے، میری
خواہشوں کا احترام سب اس لئے ہے کہ میں دوسرے کے بعض مطالب پورے ہونے میں
مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ بہ الفاظِ دیگر ہر شخص اپنی ضرورتوں کے تحت اپنے تعلقات کی بنیاد
رکھتا ہے۔ اور اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنی سطح سے نیچے اُترنے میں بھی گریز نہیں کرتا۔
جو لوگ آپ کے بہت نزدیک ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مفاد کے حوالے سے آپ کے قُرب کے
متمنی ہیں اس کا اندازہ لگانا ہر گز مشکل اس لئے نہیں کہ آپ بھی تو انسان ہیں آپ بھی اسی
دنیا کے باشندے ہیں اور یقیناً آپ کی ضروریات، خواہشیں، آرزوئیں بھی تو ہیں جو آپ کی
زندگی کی رونقیں بڑھائے ہوئے ہیں۔ ذرا اپنا تجزیہ کیجئے اپنے آپ کو غیر جانبداری سے
پرکھیئے اور دیکھئے کہ آپ تو اپنے سامنے پوری طرح نمایاں ہیں اپنے آپ سے تو کچھ چھپانا
ممکن ہی نہیں کیا آپ اپنے مطلب کو بروئے کار لاتے ہوئے دوسرے سے نہیں ملتے۔ اگر
ایسا ہی ہے تو اس حقیقت سے انکار کیسے ممکن ہے کہ دنیا کو مطالب نے آپس میں جوڑا ہوا
ہے۔ اور دنیاداری اسی کا نام ہے۔ اور جو لوگ دنیادار نہیں یا تارک الدنیا ہیں بلاشبہ اُنہیں
ارفع مقام حاصل ہے کہ اُنہوں نے اپنی ضرورتوں کو محدود ترین کرتے ہوئے صرف اور
صرف اپنے حصار تک رکھا اور کسی کی حاجت اور طلب کی ضرورت سے ماوراہو گئے سوائے
رب کائنات کی طلب کے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی حاجت ہو وہاں کائنات کی کسی دوسری شے
کی محبت کا سوال ہی نہیں اُٹھتا کہ وہ تمام حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے اور ہم سے اُسے کوئی
ضرورت نہیں کہ وہ ہر چیز کا خود مالک اور مختار ہے ——— کہنا یہ مقصود ہے کہ جو لوگ
مطلب کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں وہ برگزیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ
کی خاص مدد سے بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور اس مدد کے توسط سے انسانیت کی بے لوث

خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی عبادت اور اُس کے شکر سے بھی فیضان حاصل کرتے ہیں۔

آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو واقعی اپنے تمام مطالب کو بالائے طاق رکھ چکے ہیں کیسی زندگی سے ہمکنار ہوں گے تمام دنیاوی رشتے از خود اُن سے دُور ہوتے جائیں گے جن کی اُنہیں اس لئے پرواہ نہیں ہو گی کہ اُنہیں تمام حاجتوں کو روا کرنے والی ذات کا قوی اور مضبوط سہارا مل گیا ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے اُنہیں کسی اور سہارے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی احساس۔

زیرِ نظر کافی جہاں شاہ حسین کے ذاتی تجربات کی عکاس محسوس ہوتی ہے وہاں انسانی فطرت سے آگاہ کرنے کا کردار بھی ادا کرتی ہے اور اس نکتہ کو بھی ہم پر آشکار کرتی ہے کہ انسان کی جبلت میں تبدیلیٔ ماحول سے جو ہلچل پیدا ہوتی ہے وہ بھی اُسے مطلب پرستانہ حصار سے نکالنے میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو پاتی۔ اور انسان اپنی ضرورتوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جنہیں رب العزت نے خاص الخاص مقامات سے نوازا اور ہم ایسے ضرورت مندوں کی بھلائی کے لئے منتخب کیا۔

آیئے اس کافی کی روشنی میں چند اشعار دیکھیں کہ مختلف حوالوں سے مطلب پرستی کیسے کیسے اثرات مرتب کرتی رہی۔

میں کسے دیتا صدا اپنے بچاؤ کے لئے
مجھ کو میرے بھائیوں سے قتل کروایا گیا
(یوسف مثالی)

غیر سے کیسی شکایت، غیر سے کیسا گلہ
میری رسوائی کا باعث میرے گھر کے لوگ تھے
(عارف شفیق)

بس ہے ناکامیٔ وفا کا خیال
اب نہیں حوصلے محبت کے

(حسرت موہانی)

برستے پانی میں پھول چہروں کے بہہ رہے تھے
ہنسی ہنسی میں ہمیں کسی نے رُلا دیا تھا!

(احمد ظفر)

تتلیاں پکڑیں نہ سبزے پر نہائے دھوپ میں
کٹ گیا اب کے بھی بن تیرے دسمبر دیکھ لے

(ناصر شہزاد)

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ آپ مجھ کو حوصلہ دیتے ہوئے

(ریاض مجید)

میں کیا کروں مجھے سچ بولنے کی عادت ہے
بُرا لگے تو مرا اعتبار مت کرنا

(مظفر وارثی)

میں کہ راہوں کی اُڑتی ہوئی دُھول تھا، جس کو سینڈور اُس نے بنایا مگر میں نے اُس وقت دھوکا دیا ہے اُسے، جب نہیں تھا اُسے اِس کا وہم و گماں!

(یوسف مثالی)

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بد گماں افسوس

(مومن)

رباعی:

کب جس میں ہو دنیا کی طلب، بیٹھ سکے
جس دل میں ہوس بھری ہو، کب بیٹھ سکے
تسکین، شہودِ حق سے ہوتی ہے نصیب
اُٹھ جائے نظر سے خلق، تب بیٹھ سکے

(میر درد)

(61)

شوہ نوں منوں بھُلایو کیوں؟!

کیہڑے دیسوں آیوں نی گوپے، تیں کیہا شور مچایو کیوں
اپنا سُوہت تیں آپ ونجایا، دوس جلاہے توں لایو کیوں
تیرے اگے چرخا، پچھے پیہڑا، کتنی ہیں حال بھلیرے کیوں
چھلڑیاں پنج پائے پڑوٹے، جائے بزار کھلوویں کیوں
نال صرافاں جھیڑا تیرا، لیکھا دیندی رودیں کیوں
سیاں نال کھڈیندیئے گوپیے، شوہ نوں منوں بھلایو کیوں
راہاں دے وچ اوکھی ہوسیں، اتنا بھار اُٹھایو کیوں
کہے حسین فقیر نمانا، مرنا چِت نہ آیو کیوں

الفاظ و معنی:

کیہڑے ——— کس
تیں ——— تم نے
کیہا ——— کیسا
ونجایا ——— گنوادیا۔ ضائع کردیا
دوس ——— الزام
بھلیرے ——— بھولنا۔ احساس نہ رہنا
چھلیاں ——— لپیٹا ہوا سُوت جو بھُٹے سے مشابہ ہوتا ہے
پڑوٹے ——— تیلے۔ ٹوکریاں وغیرہ

جھیڑا ـــــ جھگڑا

لیکھا ـــــ حساب کتاب، واجب الادا

چت ـــــ خیال۔ یاد۔ دھیان

ترجمہ:

توکس دیس کی رہنے والی ہے اور کس جگہ سے آتی ہے اور یہ شور کیوں مچایا ہوا ہے تو نے خود ہی تو اپنا سوت گنوا لیا ہے اپنا نقصان خود کر بیٹھی ہے اور الزام کسی اور پر لگا رہی ہے، تیرے آگے چرخا دھرا ہے (یعنی عمل کرنے کے لئے) لیکن تجھے کچھ اپنے حال کی بھی خبر نہیں۔ تھوڑا سا سوت کات کر تو نے ٹوکری میں ڈال لیا ہے اور بازار میں کھڑی ہو گئی ہے اس سے تو کام نہیں بننے والا۔ صرانوں کے ساتھ تیرا کیا جھگڑا ہے جو کچھ تیری طرف اُن کا نکلتا ہے اُنہیں ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام کیوں لے رہی ہے، سہیلیوں سے کھیلتے ہوئے تو نے اپنے محبوب کو بھلا دیا ہے اور اگر تیرے محبوب نے بھی تجھے فراموش کر دیا تو تیرا کہیں ٹھکانہ نہ رہے گا ــــ راستہ طویل اور مشکل ہے اتنا بوجھ اُٹھانے سے تُو چلنے کے قابل بھی نہ رہے گی۔ شاہ حسین ایک عاجز بندۂ خدا کہہ رہا ہے کہ تجھے مرنا کیوں بھول گیا ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجتے وقت اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسے واپس بلا لیا جائے گا۔ شاہ حسین اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا تجھے علم نہیں کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ تیرا دیس کون سا ہے یہ دنیا تو تیرے لئے پرائی جگہ ہے تو نے اسے چھوڑ کر واپس چلے جانا ہے اور کیا تجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تو نے واپسی اختیار کرنی ہے اور واپسی کا راستہ تو بہت مشکل ہے جس پر زیادہ بوجھ اُٹھا کر چلنا بہت دشوار ہو جائے گا گناہوں سے پرہیز کر اور اپنے اللہ کے حضور جھکا رہ اُس کی عبادت میں رات وقت کو صرف کر اور جو کام اُس نے تیرے ذمے لگائے ہیں اُنہیں خوش اسلوبی سے پورا کر اور اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو سہیلیوں سے کھیلتے ہوئے اپنے اللہ کو نہ بھول کہ وہی تیرا ٹھکانہ ہے اور آخر کار تجھے

لوٹ کر اُسی کی طرف جانا ہے جس کی تیاری کے لئے تیرے نیک اعمال کا ہونا ضروری ہے کہ اگر تو گناہ کرتا رہا تو تیرے گناہوں کا بوجھ تیرے سر پر اتنا ہو جائے گا کہ تجھ سے اپنی اگلی منزل کے لئے ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا جائے گا اور اُس راستے میں کوئی تیرا ہم سفر بھی نہیں ہو گا بہتر یہ ہے کہ تو گناہوں کے بوجھ کو کم سے کم کرنے کی کوشش کر کہ تیرے اللہ نے اس وقت تجھے موقع دیا ہوا ہے تو نیک اعمال کے ذریعے اپنے اوپر لگے ہوئے داغوں کو دھونے میں کامیاب ہو سکتا ہے ادھر ادھر کے کاموں اور بے مقصد لوگوں میں اپنی زندگی کے لمحے ضائع نہ کر اپنے اللہ کی طرف دھیان دے کہیں ایسا نہ ہو یہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور جب تو لوٹ کر اپنے اصلی گھر جائے تو تیرے پاس کچھ بھی نہ ہو جس سے تو اپنی آئندہ کی زندگی یعنی دائمی زندگی کو سنوار سکے اور اس وجہ سے تُو اپنے گناہوں کے بدلے میں جہنم میں ڈال دیا جائے۔

اپنے اللہ کے سامنے جھک جا اُس کی یاد میں اپنی ہر سانس کو پرو دے اُس کی عبادت سے اپنے نیک اعمال میں اضافہ کر کہ جو کچھ تیرا معاملہ ہے اُس کا بوجھ تجھ پر نہ رہے اور لطیف ترین انداز میں صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار اپنے رب کے حضور پیش ہو جہاں تیرے لئے پہلے سے ہی تیرے پاک پروردگار نے بخشش کے دروازے کھول رکھے ہوں ——— اس دنیا سے اپنے آپ کو اس قدر منسوب و مربوط کرنے سے تیری عاقبت خراب ہو سکتی ہے۔ توبہ کر کہ اللہ بڑا بے نیاز اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

میں آج بھی تری رحمت کے انتظار میں ہوں
کبھی بھی مجھ سے سنبھالا نہیں گیا مجھ کو!

(یوسف مثالی)

(62)

راہ فقیراں لماں!

نی گیڑ گڑندڑیئے ،گویدا گرڑا گماں

پنجاں نوں کیہ جھُردا بھوندو، اِکسے پائیاں دُھماں
جو پھل مٹھے چُن چُن کھایو، آہیو کوڑا تُماں
اوکھی گھاٹی، بکھڑا پینڈا، راہ فقیراں لماں
ساری عمر ونجائی آ اینویں، کر کر کوڑے کماں
لکھاں اتے کروڑاں والے، سے پوَن وس جماں
آوندیاں تھوں صد بلہاری، جاوندیاں تھوں گھُماں
کہے حسین فقیر سائیں دا، پیر شاہاں دے چُماں

الفاظ ومعنی:

گیڑ ——— چلا۔ گھُما۔ (کسی گول چیز کی گولائی کو بھی کہتے ہیں)۔
گڑندڑیئے ——— چلانے والے۔ گھُمانے والے۔
گُماں ——— گھومنا۔ چکر کھانا
جھُردا ——— پچھتاوا
بھوندو ——— بےکار گھومتے پھرنے والا۔ آوارہ گرد
دُھماں ——— دھوم۔ چرچا۔ شہرت
مٹھے ——— میٹھے۔ شیریں
کوڑا ——— کڑوا

تُماں ——— جو کوترے کی طرح کا ایک پھل جو کڑواہٹ میں اپنی مثال آپ ہے

اوکھی گھاٹی ——— مشکل ترین ڈھلان۔ جس پر چڑھنا اُترنا مشکل ہو

بکھڑا پینڈا ——— دشوار سفر۔ پریشان کن مسافت

لماں ——— طویل

دنجائی ——— گذاری۔ بسر کی

کوڑے کماں ——— بے کار کام۔ غلط کام۔ یعنی اللہ کی عبادت کے بر عکس بے سود کام

لکھاں اتے کروڑاں والے ——— لاکھ پتی اور کروڑ پتی یعنی امیر ترین لوگ

پوسن ——— پڑیں گے۔ بھگتیں گے

وس ——— اختیار۔ قابو۔ گرفت

جُماں ——— موت کا فرشتہ۔ ملک الموت

بلہاری ——— قربان جاؤں۔ جان نثار کردوں

گھماں ——— صدقے جانا۔ واری جانا۔ اپنا آپ نچھاور کرنا

ترجمہ:

شاہ حسین نے اس کافی میں انسان کے اختیارات کی بات کی ہے۔ اور کہا ہے کہ کام ہمیشہ کرنے سے ہوتا ہے یعنی زندگی کا چکر تیرے چلانے سے ہی چلے گا۔ اپنے نفس کی جکڑ بندیوں سے نکلنے کا چارہ کر کہ اس نے ہر جگہ دھوم مچا رکھی ہے، جو پھل میٹھے تھے تو نے چُن چُن کر کھائے ہیں یہ تے کی طرح کڑوے تھے فقیروں کا راستہ انتہائی کٹھن اور مشکل ہے لہٰذا اسے طے کرنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں تمام زندگی بے مقصد کام کرنے میں گزر گئی کوئی نیکی نہ کی جن کے پاس لاکھوں کروڑوں روپیہ ہے موت سے تو وہ بھی نہیں بچ

سکتے۔ آنے والوں کی میں نظر اتاروں اور جانے والوں کے صدقے جاؤں شاہ حسین کی خواہش ہے کہ نیک لوگوں کے پاؤں چُومے جن کی طفیل میں آج کسی قابل ہوا ہوں۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرتے وقت جن اختیارات سے نوازا اُن اختیارات کا استعمال ہی ان کے کردار کی تصویر اور اُس کے اعمال کا مثبت اور منفی ہوتا ہے۔ لہٰذا اختیارات دیتے ہوئے ذمہ داریاں بھی سونپ دی گئیں جنہیں پُورا کرنا انسان کے فرائض کا اولین حصہ ہے اولین اس لئے کہ یہ کام اُس رب عظیم جو سب جہانوں کا خالق ہے کی طرف سے ہدایت اور ہماری بہتری کے لئے ہمیں سونپے گئے اور ان کا کرنا ہمارے رب کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہے اور ان کا نہ کرنا ہمارے بھٹکنے اور گناہ گار ہونے کی دلیل ہے ہمیں جو حواس عطا کئے گئے وہ ہمارے شعور کی مدد کے لئے بخشے گئے مگر ہم نے ان سے صحیح طور پر کام نہ لیا اور گمراہ ہو گئے اور شعور کو پختگی سے ہمکنار کرنے میں ناکام رہے جس کی وجہ سے جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ مجید میں ہمارے لئے ارشاد فرما دیں ہم اُن سے مستفید نہیں ہو سکے یہ سراسر ہماری اپنی کوتاہی ہے ورنہ ہمارے روبرو اور ہماری دسترس میں ہمارے رب کی طرف سے اختیارات ضرور دیئے گئے تھے۔ مگر ہم نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دنیا میں اپنے آپ کو الجھا لیا، دنیا کی ہر نعمت سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اپنے اللہ کا شکر کرنے سے غافل ہو گئے ہم نے یہ نہ سوچا کہ دُنیا کی چکاچوند ہمیں اندھا کر سکتی ہے چندھیا سکتی ہے مگر ہم نے صرف اور صرف اس کا وہی رخ دیکھا جو ہمارے وقتی مفاد کے عین مطابق تھا۔ اور اُس احسان کو فراموش کر دیا۔ جس کے سبب ہماری بخشش کے روشن ذرائع امکانی سطح پر واضح ہو سکتے تھے ہر چند کہ راہِ حق پر سفر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہر طرف سے منفی قوتوں کی یلغار، نفس کی چوٹیں، ضروریات، خواہشات اور دیگر سو طرح کی الجھنیں سب کی سب اس راہ سے دور لے جانے کے لئے اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اپنا کردار ادا کرتے ہیں مگر جو اس راہ پر پہلا قدم رکھ دیتا ہے اُسے نورِ الٰہی خود بخود راستہ دکھا دیتا ہے اور وہ تمام

عوامل سے اور منفی یلغاروں سے بے نیاز آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے اپنے آپ کو موت سے پہلے مارنا ضروری ہے اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنا۔ اپنے اُن جذبوں کو تسخیر کرنا جن کے تحت دنیاوی کشش میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے لازمی امر ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ تمام زندگی یونہی بے کار گئی کیوں کہ ہم نے اُس اللہ سے اپنا ناطہ توڑ لینے کی کوشش کی جو ہمارا رازق اور پالنہار ہے۔ اور غلط کاریوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا اور ہم یہ بھول گئے کہ آخر کار ہمیں مرنا ہے اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے کہ آج سے پہلے محلوں کے مالک، انتہائی دولت مند اور با اختیار لوگوں نے بھی موت کا مزہ چکھا ہے اور اس سے کوئی نہیں بچ سکا۔ اور نہ قیامت تک کوئی اس سے بچ سکے گا۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو لوگ مرنے سے قبل مر جاتے ہیں مراد وہی ہے کہ اپنے نفس کو مارو انہیں موت کا ڈر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اُن کے لئے زندگی کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور موت کی اہمیت زیادہ اور اسی وسیلے سے وہ اپنے رب اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملنے والے ہوتے ہیں اور اُس کی رحمتوں سے مستفید ہونے کی آرزو میں خوشی خوشی اپنے آپ کو اپنے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہم آپ جانتے ہیں کہ جس کو اُس کے حقیقی محبوب کا دیدار نصیب ہو جائے اُسے تو کُل کائنات مل گئی اُسے کسی بھی شے کی حاجت کہاں رہے گی۔

اس کافی کے آخر میں شاہ حسین فرماتے ہیں کہ آنے والوں کی بلائیں لینی چاہئیں کہ وہ ہمارے محبوب رب تعالیٰ کی مرضی اور اُس کے حکم سے اس دنیا میں آئے اور جانے والوں کے صدقے جانا چاہیے کہ وہ بھی اللہ ہی کے حکم اور اُس کی مرضی سے اس دُنیا سے رخصت ہوئے اور کئی گناہوں اور خطاؤں سے بچ گئے جو شاید ان کے مزید زندہ رہنے پر اُن کے کردار کے حوالے سے اُن کے نامۂ اعمال میں درج کر دی جاتیں۔ اور ان میں جو نیک اعمال والے لوگ ہیں اُن کا رتبہ بہت بلند ہے۔ وہ عام آدمی سے کہیں بہتر ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ میں اُن کے پاؤں چوم لوں اور اُن کی خدمت کروں کہ اُنہوں نے اللہ کے لئے اُس کی عبادت اور اُس کی حمد و ثنا کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا اور یوں اپنے اور اپنے جیسے دوسرے کئی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب بنے۔

بہ الفاظِ دیگر شاہ حسین کی اس کافی سے ہمیں زندگی کو بہتر انداز میں گذارنے کے لیے نئی توانائیاں مہیا ہوتی ہیں اور ہم اپنا محاسبہ کرتے ہوئے اپنے اللہ کے حضور معافی مانگنے اور اُس کی رضا کے مطابق زندگی گذارنے کے عہد سے دستبردار نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندے کی بہتر مدد کر سکتا ہے اور اُس کی مدد اور توفیق سے ہم اپنے آپ کو سنوارنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ آیئے اپنے اللہ کی شان و شوکت سے لطف اندوز ہوں۔

تُو خالقِ کُل، تُو مالکِ کُل، ہر چیز کو پیدا تُو نے کیا
ہے دونوں جہاں کا تُو ہی خدا، حق لا الہ الا اللہ
ہے تُو ہی عبادت کے لائق، ہے تُو ہی اطاعت کے لائق
پھر کیوں نہ کریں تجھ کو سجدہ، حق لا الہ الا اللہ
یہ ارض و سما، یہ کون و مکاں، یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر
ہر ایک میں ہے تیرا جلوہ، حق لا الہ الا اللہ
ہر صبح، چمن میں شبنم سے، کرتے ہیں وضو یہ غنچہ و گُل
ہے اُن کے لبوں پہ تیری ثناء، حق لا الہ الا اللہ
ہر لحہ شریفِ خستہ کے لب پر ہو یہی کلمہ یا رب
ہر سانس سے نکلے ایک صدا، حق لا الہ الا اللہ

(شریف اثر وہوی)

(63)

توں کیہڑی ایں گوڑے!

چندے ہزار عالم، توں کیہڑی ایں گوے

چریندی آئی لیلوے، تمیندی اُن گوے

اُچی گھاٹی چڑھدیاں، کنڈے پیر پُڑے

ڈٹھا نہ کو تیں جیہا اَگے ہوئے مُڑے

بنا عملاں آدمی ویندے لکھ لُوڑھے

پیر پیغمبر، اولیئے درگاہ جا وڑے

سبھے پانی ہاریاں، رنگا رنگ گھڑے

کہے حسین غریبڑا، لکھیا ناہیں مُڑے

الفاظ و معنی:

چندے ہزار عالم ——— کئی جہانوں کے چاند۔ یعنی خوبصورت لوگ

چریندی ——— چراتی۔ بھیڑ بکریوں کو گھاس پوس کھانے کے لئے کھیتوں میں چھوڑنا

لیلوے ——— بھیڑ بکریوں کے بچے

تمیندی ——— اون دھنا۔ روئی دھنا

کنڈے ——— کانٹے

پیر پُڑے ——— پاؤں چھلنی ہو گئے

ڈٹھا ——— دیکھا

کو ـــــــ کوئی

تیں جیہا ـــــــ تیرے جیا

اُگے، ہوئے مُڑے ـــــــ آخری حد تک ہو کر آ گئے، یعنی سب جگہ سے ہو کر آ گئے

لُوھے ـــــــ لُوھک گئے۔ بہہ گئے۔ گر گئے، تباہ و برباد ہو گئے

اولیے ـــــــ ولی۔ اللہ کے نیک بندے۔ صاحب کشف

غریبڑا ـــــــ عاجز، بے بس، لاچار

بلکھیا ـــــــ یہاں مراد ہے مقدر کا لکھا ہوا

ترجمہ:

تیری کیا حیثیت ہے کہ اس دنیا میں تجھ سے کہیں بہتر لوگ موجود ہیں تُو اک چرواہا ہے جو اُون دُھنتا ہے گھاٹیوں اور ڈھلوانوں پر سفر کرتے تیرے پاؤں کانٹوں سے چھِد گئے ہیں۔ ہر جگہ دیکھا تلاش کیا آخری حد تک ہو کر آ گئے پر تجھ سا کوئی کہیں نہیں دیکھا۔ جس نے نیک اعمال کا سہارا نہیں لیا اُس نے اپنے آپ کو غارت کیا اور تباہ و بربادی کے سیلاب میں بہہ گیا پیغمبر، پیر، اولیا سب اپنے اصلی گھر میں جا بسے اور سب اپنے مقدر سے ہار گئے اور سب کے اپنے اپنے انداز دھرے کے دھرے رہ گئے شاہ حسین عاجز بے بس و لاچار جانتا ہے کہ مقدر کا لکھا ہوا نہیں ٹل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اٹل ہیں۔

تشریح:

شاہ حسین فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں خوب سے خوب تر لوگ پڑے ہیں اگر کوئی اپنے آپ کو دوسرے سے بڑھ کر تصور کرتا ہے تو یہ اس کی کم عقلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کے مقام سے واقف ہے کیا خبر کون اللہ کے نزدیک کس مقام پر ہے۔ اور پھر ایک چرواہا جو دن بھر بھیڑ بکریاں چراتا ہے اور مختلف گھاٹیوں پر کبھی کسی طرف جاتا ہے کبھی کسی طرف اُس کے پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو گئے ہیں اور دیکھا، ڈھونڈا بہت تلاش کیا مگر اے رب

کائنات تجھ سا کوئی نہیں اور کہیں بھی نہیں کہ تُو ہی سب سے اعلیٰ وارفع ہے اور تیری شان سب سے اونچی ہے اور تیری عبادت اور تیری رحمت کے بغیر کوئی بندہ اپنے آپ کو تیرے قرب کا اہل ثابت نہیں کر سکتا۔ اور بے عمل تو اپنی زندگی اور اپنی عاقبت خراب کرنے والے ہیں ان کے حصے میں تباہی جو لکھی جا چکی ہے کیوں کہ انہوں نے غفلت میں وقت گذارا، طرح طرح کی خواہشات سے اپنے آپ کو کربناک صورتِ حال سے دو چار کیا وہ دراصل ہارے ہوئے اور ناکام لوگ ہیں اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
(اقبال)

اقبال کا یہ شعر شاہ حسین کی کافی کے حوالے سے ذہن میں آ جانا بعید از قیاس نہیں جس سے شاہ حسین کا موقف تقویت پذیر بھی ہوتا ہے اور ہمیں ہماری منزل کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ان حوالوں سے اگر ہم اپنی اپنی سطح پر اپنے بارے میں سوچیں اور اپنے افعال کا پوری ایمانداری سے جائزہ لیں اور اُنہیں اچھائی اور بُرائی کے پلڑوں میں تقسیم کریں تو ہمیں خود اپنے آپ سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا کیوں کہ اچھائی کا پلڑا تقریباً خالی ——— اور بُرائی کا پلڑا بھاری ہوگا ایسا اس لئے ہوا کہ ہم اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے مفاد میں ہر اس کام کی دُھن لئے رہتے ہیں جو ہمارے لئے جائز ہو یا نہ ہو اور اُس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر وہ کوشش کر گزرتے ہیں جس کا ہمیں اختیار ہوتا ہے اس میں جائز و ناجائز کی سوچ سے ماورا رہ کر دراصل ہم اپنے لئے اپنی راہ میں کانٹے بو رہے ہوتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس راہ سے ہمارا گزرنا، لازمی ہے۔ ہمیں ایک نہ ایک دن اسی راستے سے ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور اس سے مفر ہرگز ہرگز نہیں۔ اس لئے شعور جیسی نعمت سے ہمیں نوازا گیا تاکہ ہم اس سے کام لیتے ہوئے کھلی آنکھوں سے

ذرے ذرے کا دل ٹٹولتے ہوئے اپنے امور پوری ذمہ داری اور نیک نیتی سے انجام دیں تاکہ رب العزت اس کے نتیجے میں اپنے فضل و کرم سے ہماری خطائیں اور گناہ معاف فرمادے اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حق نصیب ہو جائے۔

(64)

رنگ صاحب دے رنگی ہاں!

مندی ہاں کہ چنگی ہاں، بھی صاحب تری بندی ہاں
گہلا لوک جانیں دیوانی، رنگ صاحب دے رنگی ہاں
ساجن میرا اکھیں وسدا، گلیں پھراں تنگی ہاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، ور چنگے نال منگی ہاں

الفاظ ومعنی:

مندی ——— بُری
چنگی ——— اچھی
بندی ——— نوکر۔ خادم۔ غلام
گہلا ——— غافل۔ نہ سمجھ، بے خبر
رنگی ——— فریفتہ ہونا۔ دوسرے کے انداز میں ڈھل جانا۔ دوسرے کا ہو جانا۔ دوسرے کی مرضی پر چلنا
گلیں ——— گلیوں میں
تنگی ——— تلاش کرتی ہوئی۔ ڈھونڈتی۔ کھوجتی
ور ——— خاوند۔ محبوب
منگی ——— نسبت طے ہو گئی۔ منسوب ہو گئی۔ حوالے کر دی گئی

ترجمہ:

میں بُری ہوں کہ اچھی، ہوں تو اپنے اللہ کی بندی اُس کی غلام یہ لوگ ناسمجھ ہیں

اور بے خبر ہیں جو مجھے دیوانہ کہہ رہے ہیں میں پاگل نہیں ہوں بس اپنے اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں مجھے ہر کام اُس کی رضا اور مرضی کے مطابق کرنا ہے اور جب سے اس رنگ میں رنگی ہوں تب سے میرا ساجن میری آنکھوں میں بس رہا ہے میں اُسے گلیوں میں کیوں تلاش کر رہی ہوں شاہ حسین اللہ کا عاجز اور ناچیز بندہ کے یہ نصیب کہ اُسے یہ مقام حاصل ہو گیا۔

تشریح:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں اپنے اوپر رشک کرتے محسوس ہوتے ہیں وہ فرماتے کہ وہ بندہ جو اپنے رب کی نگاہ میں نیک اور اُس کی رحمتوں کا حق دار قرار پایا جائے اُس سے زیادہ خوش نصیب اور کون ہوگا۔ اور یہ مقام اللہ کی عنایت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے بس بندہ کو اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اُس کے تمام کام اُس کے رب کی مرضی اور رضا سے ہونے چاہئیں —— اللہ کی عبادت اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لئے وضع کیا اس پر عمل اور اُس عمل کے ذریعے خالق کائنات کی مخلوق سے بھلائی اور نیکی کرنا یہ سب وہ اوصاف ہیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے شرف یاب ہونے کا موقع دیتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ اللہ والوں کے لئے بہت کڑے امتحان ہیں اُنہیں دنیا میں رہتے ہوئے طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا ہے۔ لوگوں کے طعنے، اور ناروا سلوک اُنہیں تکلیف میں مبتلا کرتا ہے وہ بھی ایک امتحان ہے مگر چونکہ صبر کی صفت اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اس لئے مذکورہ بالا عوامل اُن پر اُس شدت سے اثر انداز نہیں ہوتے جس شدت سے عام آدمی پر —— ویسے بھی جو آنکھیں اللہ تعالیٰ کے جلووں سے منور ہوں وہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے بے نیاز ہو چکی ہوتی ہیں صرف آنکھیں ہی نہیں بلکہ اُس بندۂ خدا کے حواس دنیاوی اثرات کو قبول کرنے کی صلاحیت قریباً قریباً کھو بیٹھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ سے عشق کی لَو لگ جائے۔ اس حوالے سے کئی ایک مثالیں آپ کے سامنے ضرور ہوں گی

تصدیق میں بلھے شاہ کی ایک خوبصورت کافی پیشِ خدمت ہے جو میرے مندرجہ بالا الفاظ کے لئے باعثِ تقویت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے بلھے شاہ کہتے ہیں۔

نی میں بن سُئیاں عشق شرع کیہ ناطا

محبت دا اک پیالہ پی
بھُل جاون سب باتا
گھر گھر سائیں ہے اوہ سائیں
ہر ہر نال پچھاتا
عشق شرع کیہ ناطا

اندر ساڈے مُرشد وسدا
نیوں لگا تاں جاتا
منطق معنے کنز قُدوری
پڑھیا علم گواتا
عشق شرع کیہ ناطا

نماز روزہ اُوس کیہ کرناں
جس مدھ پیتی مدھ ماتا
پڑھ پڑھ پنڈت ملاں ہارے
کسے نہ بھیت پچھاتا
عشق شرع کیہ ناطا

زدی باف دی قدر کیہ جانے
چھٹ اوناں جت کاتا

بُلھا شوہ دی مجلس بہہ کے
ہو گیا گنگا ناتا
نی میں بن سُنیاں عشق شرع کیہ ناطا

(بلھے شاہ)

چلتے چلتے سچل سرمستؒ کی بھی ایک کافی دل و روح کو عشق سے روشناس کروانے کے لئے دیکھ لیجئے۔

سوہنے نال اساڈیاں اکھیاں اڑکن ہو اڑکن
بار برہ دے درد منداں دے چھڑکن ہو چھڑکن
غمزے یار سجن دے دو کڑکن ہو کڑکن
در تینڈے تے عاشق شودے پھڑکن ہو پھڑکن
سوز تینڈے توں برہوں والے تھڑکن ہو تھڑکن
عاشقاں دے سر سُولی تے لڑکن ہو لڑکن
بھاہیں سچل میںڈے دل وچہ بھڑکن ہو بھڑکن

(سچل سرمست)

(65)

لگڑی توڑ نبھائیں!

ربا میرے گوڈے بیٹھ پروٹوا، میں کتنی ہاں چائیں چائیں
تن طنبور، رگاں دیاں تاراں، چھنی ہاں سائیں سائیں
دل میرے وچ ایہو گزری، سچے سوں نیہوں لائیں
کہے حسین فقیر سائیں دا، لگڑی توڑ نبھائیں!

الفاظ و معنی:

گوڈا ـــــ گھٹنا
پروٹوا ـــــ ٹوکری، مراد ہے جس میں حکم ربی رکھے ہوئے ہیں
کتنی ہاں چائیں چائیں ـــــ ذوق و شوق سے عمل کرتی ہوں۔ چرخہ کاتتی ہوں
تن ـــــ جسم
طنبور ـــــ ایک ساز
رگاں دیاں تاراں ـــــ تار، جس سے ساز مکمل ہوتا ہے اور انہی تاروں کو چھیڑنے سے آواز پیدا ہوتی ہے
چھنی ہاں سائیں سائیں ـــــ اللہ کے نام کی تسبیح کرنا۔ ذکرِ الٰہی
نیہوں ـــــ عشق، پیار۔ محبت۔ تعلق
لگڑی ـــــ لگی۔ مراد تعلق پیدا ہونا۔ محبت ہونا۔ عشق ہونا
توڑ ـــــ آخر تک

ترجمہ:

اے میرے رب تیری مہربانیوں کے طفیل نیک اعمال کرنے کے ذرائع میرے پاس ہیں اور میں بڑے ذوق وشوق سے تیری عبادت اور نیک کاموں میں مشغول ہوں میرا جسم ''کنگ *'' کی طرح ہے اور میری رگیں تاروں کی طرح میں اس ساز پر بڑے انہماک سے اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہوں اور میرا دل کہتا ہے کہ ہمیشہ سچے کے ساتھ ہی عشق کرنا چاہیے اب میری محبوب سے التجا ہے کہ وہ میرے عشق کی لاج رکھ لے اور ہمیشہ میری محبت کا جواب محبت سے دیتا رہے۔

تشریح:

آج سے تین چار دہائیاں پیشتر تک ''طنبور'' نامی ساز پر فقیر لوگ اپنے اپنے دل کی آواز کو ایک خاص ردھم کے ذریعے سے دوسروں تک پہنچایا کرتے تھے۔ اُس میں ایک سُر درتو وہ تھا جو وہ خود محسوس کرتے تھے اور دوسرا لطف وہ جو سُننے والے کو اپنا گرویدا بنا لیا کرتا تھا لہٰذا دیکھنے سننے میں آیا ہے اور آپ میں سے بھی بیشتر احباب اس سے شناسا ہوں گے کہ لوگ ''طنبور'' کے ردھم پر سر دُھنتے ہوئے ایک خاص کیفیت سے ضرور ہمکنار ہوتے تھے اور خوش ہو کر کنگ بجانے والے فقیر کو حسب توفیق کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔

شاہ حسین اپنے تن کو اُسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ میری رگیں اُن کے تار ہیں جب بھی رگوں کو چھیڑا جاتا ہے تو اُس میں آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ آواز اللہ کا ذکر ہے یہ عمل مسلسل جاری وساری ہے اور یہ اس لئے ہوا کہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ عشق کسی سچے سے کیا جانا چاہیے اس لئے میں نے اپنے اللہ سے عشق کیا اور اُس کی مہربانیوں، نوازشوں، اور رحمتوں کو دیکھ کر مجھ سے خود بخود اُس کی حمد وثنا ہو رہی ہے۔ اور مجھے ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے کہ میں اپنے رب کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں

---

* ایک ساز جو پہلے زمانے میں فقیر لوگ اکثر بجایا کرتے تھے۔ اسے کنگ بھی کہا جاتا ہے اور اکتارہ بھی جب کہ اس کی شکل۔تارنی سی ہوتی ہے۔

بھلا سکتا اُس کی یاد میری سانس میں گھلی ہوئی ہے بس ایک میری میرے رب سے یہی التجا ہے کہ میری محبت اور میرے عشق کا جواب اپنی رحمتوں اور مہربانیوں سے دے، اور میرے عشق کو قبول کر لے اور اسے آخر تک قائم رکھے کہ یہ اختیار اور قدرت صرف میرے رب کے پاس ہے۔

ناوت شیخ مشائخ یارو نا مخدوم تھیوسے
نا قاضی نہ معلم ملاں نا وت پیر بنیوسے
بازی جوڑ نہ عالم کیتے رنگ رسا رکھیو سے
سچل عشق اللہ دے باجھوں بیا کوئی نہ ہنر سکھیو سے

(سچل سرمستؒ)

(66)

ہیر بیراگن ہوئی!

سادھاں دی میں گولی ہوساں، گولیاں والے کرم کریساں
چونکا پھیریں، میں دیس بہاری، جُوٹھے باسن دھوساں
پپل پَت چُھنیدی وتاں، لوکؔ جانیں دیوانی
گہلا لوک نہ حال دا محرم، برہوں لگائی کانی
لوکاں سُنیا دیساں سُنیا، ہیر بیراگن ہوئی
اک سُنیندا، لکھ سُنے میرا کا کرے گا کوئی
سانول دی میں باندی بردی، سانول مینڈا سائیں
کہے حسین فقیر نمانا، سِکدی نوں درس دکھائیں!

الفاظ و معنی:

سادھاں ——— درویش۔ نیک لوگ، اللہ والے
گولی ——— خادم۔ نوکر۔ خدمت گزار
ہوساں ——— اگر ہوں تو۔ خواہش کا اظہار
کرم ——— کام۔ عمل
کریساں ——— کسی عمل یا کام کا کرنا
چونکا ——— رسوئی۔ جہاں کھانا پکایا جاتا ہو، باورچی خانہ
پھیریں ——— مراد ہے صفائی کرنا۔ پاک کرنا
دیس بہاری ——— جھاڑو لگانا۔ کسی جگہ کو صاف کرنے کے لئے جھاڑو

کا استعمال کرنا

جُوٹھے باسن ـــــ استعمال شدہ برتن

دھوساں ـــــ دھوؤں

پپل پت ـــــ پیپل کے پتے جنہیں ہندو لوگ متبرک خیال کرتے ہیں

چنیندی وتاں ـــــ چنتی جاؤں

گہلا لوک ـــــ بے خبر لوگ

برہوں ـــــ جدائی۔ ہجر۔ علیحدگی

لگائی کانی ـــــ تیر مارا

لوکاں سُنیاں ـــــ لوگوں نے سنا

دیساں سُنیاں ـــــ سارے شہر نے سُنا

بیراگن ـــــ جوگن۔ تارک الدُنیا۔ دنیا ترک کرنے والی

میرا کا ـــــ میرا کیا

ساول ـــــ محبوب، ماہی۔ خاوند

باندی ـــــ نوکرانی۔ خادمہ

بردی ـــــ زر خرید غلام۔ لونڈی۔ قیدی

سِکدی ـــــ طالب، خواہش مند۔ ہجر زدہ، ترستی ہوئی

درس ـــــ دیدار کرانا۔ چہرہ دکھانا۔ درشن

ترجمہ:

"اللہ والوں کا میں نوکر ہوں اور اُن کی خدمت میں رات دن ایک کر دوں گا۔ کھانا پکانے سے لے کر جھاڑو دینا اور برتن دھونے تک۔ پیپل کے پتے بھی چُننے پڑے تو چنوں گا مجھے معلوم ہے کہ لوگ مجھے پاگل کہیں گے مگر لوگوں کو کیا خبر کہ میرے دل کی کیا حالت ہے

میں کس پریشانی میں ہوں جدائی کے تیر سے زخمی ہوں سنا ہے کہ ہیر بھی اپنے رانجھے کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر جوگن بن گئی تھی، پھر میرے بارے میں سُننے والے میرا کیا بگاڑ لیں گے میں تو اپنے محبوب کی غلام ہوں اور وہ میرا مالک ہے۔

شاہ حسین اللہ کا فقیر اللہ کا عاجز بندہ اپنے رب کے دیدار کا بھوکا ہے اپنے اللہ کے درشن اور قرب کو ترس رہا ہے۔ اسے اپنی رحمت اور فضل سے اپنا دیدار کرا دے اپنے قرب سے نواز دے کہ اس کی شدید بے چینی اور طلب میں کمی ہو۔

تشریح:

محبت کا ایک اصول ہے جو سچی محبت کرنے والوں نے وضع کیا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جس سے سچا عشق کیا جائے اس عشق کا تقاضا ہے کہ اُس سے، دوسرے عشق کرنے والوں سے بھی عشق کیا جائے اور جسے محبوب اچھا خیال کرے یا چاہتا ہوں اُس سے بھی محبوب کی طرح محبت کی جائے۔ یعنی جو چیز بھی محبوب کو پیاری ہو عاشق کے نزدیک بھی اُس کا وہی مقام اور رتبہ ہو۔

شاہ حسین اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے عشق میں اللہ والوں کا خادم بن کر اُن کی خدمت سرانجام دینا چاہتے ہیں اور ہیر کی طرح لوگوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے عشق کو پروان چڑھانے میں اپنا سب کچھ تیاگ دینا چاہتے ہیں۔ کہ یہی عشق کا تقاضا ہے اپنا آپ محبوب کے سپرد کر دیا جائے اور اُس کی رضا اور مرضی کے عین مطابق زندگی گزاری جائے جو کچھ وہ کہے، کیا جائے اور جس سے وہ منع کرے اُسے ترک کر دیا جائے لوگ اپنی اپنی سطح پر اپنی سوچ کے مطابق اگر بُرا بھلا بھی کہیں تو ہرج نہیں کہ نوکر کیا اور نخرہ کیا۔ اللہ کے بندوں کی چاکری اللہ کی چاکری ہے۔ اور اللہ کی چاکری میں جو عظمت ہے وہ کسی بات میں نہیں کہ یہی ہمارا فرض ہے اور اسی لئے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اور ان فرائض کی ادائیگی اور عدم ادائیگی سے ہماری جزا اور سزا جُوی ہوئی ہے ـــــــ اس ضمن میں بابا فرید الدین گنج شکر کا ایک خوبصورت ترین اشلوک ملاحظہ

فرمایئے

باباجی فرماتے ہیں۔

صاحب دی کر چاکری، دل دی لاہ بھراند

درویشاں نوں لوڑیئے، رُکھاں دی جیراند

سچا عشق نیک اعمال کا آئینہ ہوتا ہے اسی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوسکتا ہے ایک عاجز ناچیز بندہ اپنے رب کے دیدار کا شدید خواہش مند ہے اے میرے محبوب میرے پروردگار مجھے اپنے جلووں سے منور فرما۔ لوگ بے خبر ہیں یہ نہیں جانتے کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے میں ہجر کی آگ میں کیسے جل رہا ہوں مجھے اپنی رحمتوں کے طفیل اپنا قرب نصیب کر۔

شاہ حسین نے اس کافی میں بھی ہماری انگلی پکڑ کر سیدھے راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اُس اللہ کی عبادت کا درس دیا ہے جو سب کا پالنہار ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی انتہائی خدمت کی تلقین کی ہے کہ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں سلطان باہو کا یہ دوہڑا ملاحظہ فرمایئے

بے بغداد دی کیا نشانی، اُچیاں لمیاں چیڑاں ہُو

تن من میرا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لیراں ہو

لیراں دی گل کفنی پاساں، رلساں سنگ فقیراں ہُو

شہر بغداد دے ٹکڑے منگساں، کرساں "میراں! میراں!" ہُو

(سلطان باہو)

میں اُڈیکاں کر رہی کدی آ کر پھیرا
پہلی پوڑی اُتری پُل صراطے ڈیرا
حاجی مکے جا ہن' میں مُکھ دیکھاں تیرا
آ عنایت قادری* دل چاہے میرا

(بلھے شاہ)

* بلھے شاہ کے مرشد جن کا شمار انتہائی برگزیدہ بزرگوں اور نیکو کاروں میں ہوتا ہے۔

(67)

تخت نہ مِلدے منگے!

میںڈی جان جو رنگے سو رنگے

مستک جیہناں دے پئی فقیری، بھاگ تیہناں دے چنگے

سُرت دی سُوئی، پریم دے دھاگے، پیوند لگے ست سنگے

کہے حسین فقیر سائیں دا، تخت نہ ملدے منگے

الفاظ و معنی:

میںڈی ——— میری

مستک ——— ماتھا۔ جبین۔ پیشانی۔ مراد ہے قسمت۔

بھاگ ——— قسمت

سُرت ——— عقل، ہوش، سُوجھ بُوجھ

ست سنگے ——— سچے دوست

ترجمہ:

میری روح کو اگر کوئی رنگ رنگنا چاہتا ہے تو وہ رنگ رنگے جو مجھے پسند ہے۔ جن کی قسمت میں فقیری لکھی جا چکی ہے اُن کے نصیب بہت اچھے ہیں، سوجھ بُوجھ کی سوئی اور محبت کے دھاگے سے سچے دوست کے ساتھ جوڑ دے۔ شاہ حسین کا کہنا کہ فقیری کی بادشاہی مانگنے سے نہیں ملتی یہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین اس حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہیں کہ فقیری جو ایک

بادشاہی ہے وہ مانگے سے نہیں ملتی وہ تو اللہ کی طرف سے اپنے بندے کو انعام کے طور پر دیجاتی ہے اور اُس کی قسمت میں لکھ دی جاتی ہے اور ایسے لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے محبت کرنے کے لئے خود چُنا میری خواہش ہے کہ جو بھی کوئی مجھے کسی رنگ میں رنگے تو وہ اسی فقیری کے رنگ میں رنگے کہ یہ رنگ مجھے سب سے زیادہ محبوب اس لئے بھی ہے کہ میرے محبوب کا پسندیدہ ہے۔ اور اسی روپ رنگ کی وجہ سے مجھے اپنے محبوب حقیقی کا قرب حاصل ہونے کی آس ہے۔

شاہ حسین کے ہاں فقیری بادشاہی کے رتبے کے برابر ہے۔ یہ فقیری فقر سے کشید کردہ ہے جب کہ آج کی فقیری نے اپنی معنویت بدل لی ہے ـــــ اپنے اردگرد دھیان ڈالیں تو ہمیں قطار اندر قطار اپنی حاجت روائی کا رونا روتے ہوئے بھیک مانگنے والے دکھائی دیں گے جنہیں اس دور میں فقیر کا نام دیا جاتا ہے اور جن میں فقر کی کوئی علامت کا شائبہ تک موجود نہیں، انہیں اپنے اللہ پر بھروسہ نہیں، تقویٰ اُن کی سرشت سے خارج ہے اور وہ اُن اللہ والوں کی نقالی کرتے ہوئے ضعیف الاعتقاد لوگوں کی نگاہ میں اپنے آپ کو مقام ولایت پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں دوسری طرف اپنے مدِ مقابل کو فریب اور ریاکاری کے چنگل میں پھنسا کر اپنے مطلب کے لئے استعمال کر رہے ہوتے ہیں ـــــ اس کی نشاندہی اپنے اپنے وقت میں صوفیا نے پہلے سے کر رکھی ہے اور ہم بھی جانتے بوجھتے ہوئے اُن کے جھانسے میں آ کر بہت ہی بڑے گناہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور وہ گناہ ہے شرک کا، جب کہ یہ بات ہر طرح سے روشن اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر پتا تک ہلنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب تک وہ نہ چاہے کوئی کسی کو نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ آیئے اس سلسلے میں صوفیائے کرام کیا کہتے ہیں جاننے کی کوشش کریں۔

تسبیح دا تُوں کسی ہویوں، ماریں دم ولیاں ہُو
دل دا منکا ہک نہ پھیریں، گل پائیں بنج ویہاں[2] ہُو

دین گیاں گل گھوٹو آوے، لین گیاں جھٹ رِشیّہاں ہُو
پتھر چِت جِنھاں دا اوتھے ضائع وسنا میّہاں ہُو

(سلطان باہو)

فقر کے بارے میں سلطان باہو فرماتے ہیں۔

ترکِ دُنیا تاں ہوسی جد فقر ملیسی خاصا ہُو
تارکِ دُنیا تاں ہوسی جد ہتھ پکڑیسی کاسا ہُو
دریا وحدت نوش کیتوسے اجاں بھی جی پیاسا ہُو
راہ فقر رت ہنجھو رودن، لوکاں بھانے ہاسا ہُو

کن مُصلّی، صُوف گل، دل کاتی، گڑوات
باہر دِسّے چاننا، دِل اندھیاری رات

(بابا فریدالدین گنج شکرؒ)

یاد رہے کہ صوفیاء کے تمام نصائح کے ماخذ قرآن وحدیث ہیں جن سے مستفید ہوتے ہوئے انہوں نے پیغام الٰہی کو اپنے چاروں طرف پھیلے لوگوں تک پہنچایا اور یہ ذمہ داری اُن پر ڈال کر اللہ کی طرف سے اُنہیں بہت بڑے اعزاز سے نوازا گیا، اسی لئے صوفیا نے اپنے اپنے کلام میں کسی نہ کسی حوالے سے اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔

(68)

کوئی سنگ نہ ساتھی!

تھوڑی رہ گئی راتڑی شوہ رادیو ناہیں
دھن سو ای سہاگنی، جِن پیا گل بانہیں
اک ہنیری کوٹھری، دُوا دِیوا نہ باتی
بانہہ پکڑ جم لے چلے، کوئی سنگ نہ ساتھی
سُتی رہی کلکھنی، جاگی پر بھاگی
جاگن کی بدھ سو لئے، جس انتر لاگی
کہے حسینؒ سہیلیو! شوہ کِت بدھ پیئے
کر صاحب دی بندگی، رہ جاگرت رہیے

الفاظ و معنی:

راتڑی ـــــ رات
شوہ ـــــ خاوند۔ محبوب
رادیو ـــــ مطمئن کرنا۔ خوش کرنا
دُوا ـــــ دوسرا
دِیوا ـــــ دِیا۔ چراغ
جم ـــــ موت کا فرشتہ۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام
کلکھنی ـــــ بدعمل۔ بدکردار
پربھاگی ـــــ صبح سویرے

بدھ ــــــ سلیقہ مندی۔ سوچ سمجھ

سو لئے ــــــ حاصل کئے

انتر لاگی ــــــ اندر لگی۔ دل کی لگی

جاگرت ــــــ جاگتے رہنا۔ بیداری

ترجمہ:

رات تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے مگر تو نے اپنے خاوند کو اُسی خوشی سے ہمکنار نہیں کیا جو اُس کا حق تھا۔ یعنی زندگی بہت کم رہ گئی ہے مگر تُو نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو پُورا نہیں کیا۔ اصل سہاگن تو وہی ہے جس کے گلے میں اُس کے محبوب کی بانہیں ہوں ایک تو اندھیری کوٹھری ہے دوسرا نہ کوئی دیا ہے نہ باتی روشنی کس طرح ہو گی۔ اندھیری کوٹھری سے مراد قبر ہے۔ اور حضرت عزرائیل علیہ السلام میرا بازو پکڑ کر مجھے لے چلے ہیں نہ کوئی ساتھی اور نہ کوئی دوست ہے جو میرا ساتھ دے۔ بے عمل نیند میں کھڑے رہتے ہیں اور صبح جاگتے ہیں جاگنا تو اُن کا ہے جس کے اندر عشق کی آگ لگی ہو۔ جو اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی نیند کو تج دیتے ہیں۔

اے دوستو! شاہ حسین کی بات سنو وہی لوگ اپنے محبوب حقیقی کا نظارہ کر سکتے ہیں اُسے خوش کر سکتے ہیں جو سچے دل سے اُس کی عبادت کریں راتوں کو جاگ جاگ کر حمد و ثنا بیان کریں اُس کے ذکر میں ہر وقت اپنے آپ کو مصروف رکھیں۔

تشریح:

دنیاوی حوالے روحانی حوالوں کی نسبت ہمیں ذرا جلدی سمجھ میں آ جاتے ہیں اس کی بڑی وجہ جو ہمارے سامنے ہے وہ یہی ہے کہ ہم پر دنیا کی حُب غالب ہے اور روحانیت کو بوقتِ ضرورت ہم اپنی اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے اوپر وارد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ہمارا بھلا تو ہو ہی جاتا ہے مگر روحانیت کے اثرات ہماری مطلب پرستی دیکھتے ہوئے جلد ہی ہم سے کنارا کر لیتے ہیں اور اس طرح ہم واپس

اُسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جس جگہ کے عادی ہو چکے ہیں یا اُس مقام پر پہنچتے ہیں جو ہمیں اپنی عادات اور رجحان کے مطابق زیادہ پسند۔ مگر یہ مقام افسوس ہے کہ ہم اپنے دنیاوی مطالب کے لئے تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں مگر اپنی عاقبت کے لئے یکسر رخ بدل لیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ ہم نے صبر جیسی دولت کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا، تقویٰ جیسی نعمت کا بھروسہ نہ کیا، تو ظاہر ہے ہم جس لائق ہیں ہمیں وہی کچھ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنی زندگی کافی حد تک گزار لی ہے یعنی زندگی کا کیا اعتبار کب ہمارا ساتھ چھوڑ کر ہمیں موت کے حوالے کر دے جیسے شاہ حسین نے اپنی کافی کے پہلے مصرعہ میں اشارہ دیا ہے اور ہم وہ کام جس میں ہماری عزت، ہماری عاقبت، ہماری شفاعت غرض اس کے نتیجے میں ہر طرح سے ہماری بھلائی کے پہلو ہیں، کیا ہی نہیں اپنے اللہ کو خوش نہیں کر سکے جب کہ وہ اپنی رحمتوں اور احسانوں سے اپنے بندوں کو خوش کرتا رہتا ہے۔ ہم نے اُس کی عبادت کے لئے کبھی وقت نکالنے کے بارے میں بھی نہیں سوچا کس قدر بدنصیب ہیں ہم لوگ اور پھر بھی اللہ کے بندے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا ہم اس قابل ہیں کہ خود کو اُس کے بندوں میں شمار کر سکیں؟ اور اللہ تعالیٰ ہمارے کسی عمل سے خوش ہو کر ہم پر اپنے فضل و کرم کا نزول فرمادے۔

ہم نے اپنے ایمان اور دین سے کوئی ایسی روشنی حاصل نہیں کی جو ہمارا ساتھ دے ہماری رہنمائی کرے ہمیں ہم سے آشنا کرے۔ ہم تو اپنے نفس کے غلام بنے رہے شیطان کے بہکاوے میں ہم نے انسانیت کو تسخیر کیا اپنے لئے ذلت و رسوائی کی راہ اختیار کی۔ جو کہ ہمارے لئے نہیں تھی مگر ہم نے اُسی کو چنا اور گناہوں کی دُنیا میں رہتے ہوئے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے اور اب جب ہمیں مرنا ہے اور اپنی قبر میں جانا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ ایک اندھیری کوٹھری کی طرح ہے جس میں کوئی چراغ نہ ہوگا تاریک ترین قبر میں ہم سب اکیلے اکیلے ہی ہوں گے کوئی بھی ہمارا ساتھ دینے والا نہیں ہوگا ——— کاش ہم نے دین الٰہی سے کچھ روشنی حاصل کی ہوتی جس سے ہمارا دل و دماغ روشن ہوتا، اور اللہ رب العزت کے ذکر سے اس دن کے لئے نورانیت حاصل کی

ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درودِ پاک کا ورد کیا ہوتا جو ہمارے لئے آج روشنی کے سبب پیدا کرتا۔ مگر ہم نے دنیا سے اپنی ضروریات پوری کرنے کی سبیلیں چاہیں اور جب ہمیں وقت دیا گیا ہم نے بد اعمالی میں اپنے آپ کو ضائع کیا اور اپنے پروردگار سے ناطہ توڑ کر شیطان سے ناطہ جوڑ لیا۔ ہم نے صرف اپنے آرام اور آسائش کا خیال رکھا مگر یہ نہ سوچا کہ ہمارا سونا ہماری قسمت کا سونا بھی ہو سکتا ہے، ہم نے اپنے رب کے ذکر سے مُنہ موڑا اور آج شرمندگی و ذلالت سے اپنا مُنہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بے شک وہی لوگ سرخرو ہونے والے اور اللہ تعالیٰ سے انعام کے حق دار ہیں جنہوں نے اپنے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا، رات رات بھر جاگ جاگ کر اُس کی حمد و ثنا میں وقت گزارا۔ وہی لوگ سچے اور نیک اعمال والے ہیں۔

شاہ حسین نے انسانی رشتہ کے تلازموں سے بات کرتے ہوئے ہمیں روحانیت کا سبق دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے لئے کرنا ہے، ہم وہی عمل اپنے مجازی محبوب کے لئے کر رہے ہیں ہمارے لئے وہ عمل جو ہمیں کرنا چاہیے وہ نیا نہیں کہ اُس کے نئے ہونے کی وجہ سے یا اُس سے انجان ہونے کی وجہ سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ بس اپنے دھیان کا رخ بدلنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہونے کے مواقع مل سکتے ہیں۔ بس ہمیں اُن چیزوں سے پرہیز کرنا ہوگا جن سے اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ــــــ اور مجازی طور پر بھی تو ہم اپنے محبوب کے لئے بہت کچھ ترک کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں پھر حقیقی طور پر کیوں نہیں جب کہ "حقیقت" کا مقام مجاز سے لامحدود حد تک بلند و بالا ہے۔

شاہ حسین کی کافیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے واقعی روحانیت کی لہریں وجود کے کسی نہ کسی گوشے میں انگڑائی لینے لگتی ہیں اور پھر بیٹھے بٹھائے بندہ باطنی طور پر ایک ایسے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے جہاں روحانیت، آسودگی، سکون، قدرت، اور رحمت کی دھنک سے فضا میں خوبصورتیاں ہی خوبصورتیاں ہوتی ہیں۔ اور اُس وقت تک اُس سفر کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے جب تک کوئی اُسے واپس لانے والا نہ ہو یعنی اُسے ہلانے، آواز

دینے یا اُس کیفیت سے باہر نکالنے کا سبب پیدا نہ ہو۔

محسوس کیجئے کہ ہم ان دلآویزیوں کو چھوڑ کر اُن مصنوعی اور فریب پرور دنیاوی قدروں کی طرف راغب ہو کر کیا واقعی شدید ترین نقصان مین نہیں اور یہ قدریں تو کسی بھی وقت کسی بھی لمحہ ہم سے چھین لی جائیں گی۔ اور ہم اس کی غلاظت کو اپنے تن پر لئے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کے قابل بھی نہ رہیں گے۔ کہ پاک ہے وہ ذات جو ہم سب کے لئے بخشش کے ذرائع پیدا کرتی ہے مگر ہم اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

ایہہ دُنیا رن حیض پلیتی، کیتی مل مل دھوندے ہُو
دنیا کارن عالم فاضل، گوشے بہ بہ روندے ہُو
دنیا کارن لوک وچارے اِک پل سُکھ نہ سوندے ہُو
جنھاں چھڈّی دُنیا باہُو کدھی چڑھ کھلوندے ہُو

(سلطان باہوؒ)

(69)

ہن پکڑ تناہاں گھلی!

لٹکدی لٹکدی مائے، ہر بولو رام، لٹکدی ساہورے چلی
سس، نناناں دیون طعنے، پھردی گھنگھٹ کھلی
بھولڑی مائے کشیدڑے پائی آں، میں کڈھ نہ جاندی جھلی
بابل دے گھر کجھ نہ وٹیا کھٹیا، میرے ہتھ نی اٹیرن چھلی
نال جیہناں دے اتن بہندی، ویکھدی، سن دی وارتا کہندی
ہن پکڑ تناہاں گھلی
ڈاڈھے دے پیادڑے بنی آئے، چارہ کجھ نہ چلی
چھوڑ چلے مینوں سکڑے نی بھائی سیج اکلڑی ملی
کہے حسین فقیر نمانا، آئی آں ال دلی!

الفاظ و معنی:

لٹکدی لٹکدی ——— آرام آرام سے۔ ناز و انداز کے ساتھ، ٹھمک ٹھمک، جھومتے ہوئے۔

ہر بولو رام ——— سب لوگ اللہ کا ذکر کرو

سس، نناناں ——— یہاں مراد ہے قرآن و حدیث

پھردی گھنگھٹ کھلی ——— شرمندگی سے منہ چھپائے ہوئے

بھولڑی مائے ——— سادہ لوح۔ سیدھی سادھی۔ انجان

کشیدڑے ——— کشیدہ کاری۔ کڑھائی مراد (عبادت)

میں کڈھ نہ جاندی چھلّی ——— مجھے یہ ہنر نہیں آتا، میں بے ہنر ہوں

بابل دے گھر ——— مراد دنیا میں

وٹیا کھٹیا ——— حاصل کیا، نفع کمایا

میرے ہتھ نی اثیرن چھلّی ——— اُسی طرح۔ بغیر کچھ کئے ہوئے۔ مراد بے عمل

اتن ——— ترنجن۔ لڑکیوں کا اکٹھا بیٹھنا اور چرخہ کاتنا

وارتا ——— آپ بیتی۔ جو کچھ خود پر گزر چکی ہو

تناہاں ——— اُنہوں نے

گھلّی ——— بھیج دیا، رخصت کیا۔ الوداع کیا

ڈاڈھے ——— پروردگار، خالقِ کل۔ اللہ تعالیٰ

پیادڑے ——— فرشتے۔ سپاہی۔ اللہ کا کام کرنے والے

چھوڈ ——— چھوڑ

سکڑے ——— سگے، اپنے قریبی رشتہ دار، ایک ہی ماں باپ کی اولاد

اکلڑی ——— اکیلے ہی۔ تنہا

مَلّی ——— حاصل کی۔ قبول کی

اَل وَلّی ——— ویسے کی ویسے۔ مراد خالی ہاتھ۔ بغیر اعمال کے

ترجمہ:

میں بڑے ناز نخرے سے اپنے سسرال جا رہی ہوں سب کے سب اللہ کا نام لو یعنی میرا جنازہ اُٹھایا جا رہا ہے۔ قرآن و حدیث سے میں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور اب مُنہ چھپا کر رخصت ہو رہی ہوں۔ اے میری بھولی بھالی ماں مجھے کشیدہ کاری نہیں آتی مجھے عبادت کا طریقہ نہیں معلوم میں بالکل انجان ہوں۔ اس دنیا میں میں نے نہ کچھ نفع کمایا اور

نہ ہی کچھ کمائی کی جو کچھ میرے پاس تھا ویسے کا ویسا ہی ہے میں نے اس سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ اور جن کے ساتھ میں نے زندگی گزاری میرا اُٹھنا بیٹھنا تھا وہی لوگ اب مجھے پکڑ کر بھیج رہے ہیں وہ مجھے اپنے پاس رکھنے کو بھی راضی نہیں۔

رب کائنات کے مقرر کیے ہوئے فرشتے میری جان قبض کرنے کے لیے آ گئے ہیں اب کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی میرے اپنے ماں باپ، بہن بھائی سب مجھے قبر میں دفنا کر اکیلی چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

شاہ حسین بے بس اور عاجز کہہ رہا ہے کہ میں جیسے ہی دنیا میں گیا تھا ویسے ہی لوٹ آیا ہوں یعنی کوئی اعمال کیے بغیر۔

تشریح:

ہم آپ جانتے ہیں کہ جب انسان نے کوئی اچھا کام نہ کیا ہو تو وہ شرمندگی سے اپنا چہرہ چھپاتا پھرتا ہے اس کافی میں شاہ حسین نے زندگی میں نیک اعمال نہ کرنے والوں کے بارے میں اُن کے آخری وقت کی رسومات اور مشاہدات و کیفیات کا تجزیہ کیا ہے۔ اور ہر اُس انسان کو آئینہ دکھایا ہے جس نے زندگی کو بے کار گزارا اور اپنی موت واقع ہونے تک کوئی بھی ایسا عمل نہ کیا جس سے اللہ تبارک تعالیٰ سے رحم کی اپیل کرنے کے قابل ہو سکے۔ پھر یہ ناز نخرے کس لئے جب نہ تو قرآن سے استفادہ کیا اور نہ ہی حدیث سے فیض یابی حاصل کی اور نہ ہی کوئی نیک اعمال کیے بلکہ اس طرف توجہ تک نہ دی۔ اور دنیا میں محض خود غرضی، ہوس پرستی اور اپنے پیدا کیے ہوئے معمولات کو سلجھانے میں وقت گزار دیا۔ جو کام اللہ کی طرف سے سپرد کیے گئے وہ اَن کیے ہوئے ویسے کے ویسے ہی رہے کوئی فرض پورا نہ کیا نہ ہی اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے استعمال پر اُس کا شکر ادا کیا نہ اُس کی رحمت پر سجدہ میں گرے اور نہ اُس کی ہدایت پر اپنی زندگی کو سنوارنے کی تگ و دو کی۔ دنیا میں جن لوگوں سے بیٹھنا اُٹھنا تھا بس اُنہی کی باتیں سنیں اور اُنہی کو سنائیں اور اسی میں زندگی کے تمام وقت کو پورا کر دیا اب اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا ہے فرشتۂ اجل مجھے لینے کے لئے آ گیا ہے

اور میری موت کا وقت ہے یہی سب لوگ مجھے تنہا قبر میں اُتار کر لوٹ آئیں گے، مجھے بھول جائیں گے اور چونکہ میں نے کوئی ایسا عمل کیا ہی نہیں جو یادگار رہ سکے اس لئے کچھ دنوں بعد مجھے کوئی بھی یاد نہیں رکھے گا۔ اور اندھیری قبر میں میرا کوئی بھی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ بہن بھائی ماں باپ سب کے سب رشتے صرف اور صرف زندگی تک ہیں آگے کا رشتہ صرف سچے محبوب رب کریم کا ہے مگر میں نے تو جیتے جی اُس سے کوئی تعلق ہی نہ رکھا کبھی یہ بھی نہ سوچا کہ وہ میری کوتاہیوں اور گناہوں کے باوجود مجھے نواز رہا ہے۔ میں اُس کی ہوا میں سانس لے رہا ہوں۔ اُس کے اُگائے ہوئے اناج سے اپنی بھوک مٹاتا ہوں اور بنائے ہوئے پانی سے میری پیاس بجھتی ہے وہ ان مانگے میرے حصے کا رزق مجھے عطا کرتا ہے میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفایابی اُسی کی رحمت سے ملتی ہے مگر افسوس میرا وقت ضائع ہو گیا۔ دنیا کے دھندوں نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا اور آج میں ہر طرح سے ذلیل و خوار ہو رہا ہوں اور دنیا سے کوئی عمل ساتھ نہ لے جانے کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے کترا رہا ہوں اُس محبوبِ حقیقی کے جلوے سے اپنے آپ کو محروم کر رہا ہوں جس کا جلوہ دیکھنے کے لئے ہر کوئی بے تاب و بے قرار ہے کس قدر بد قسمت ولاچار ہوں۔

اے میرے اللہ میں عاجز ہوں میرے اعمال میرے کام کے نہیں میں خالی ہاتھ ہوں مگر تیری رحمتِ بے پایاں مجھ جیسے گناہ گار کو بخش دینے پر قادر ہے۔

یہ بھی ہے انتہائے کرم مجھ پہ اے خدا!
مجھ سا گناہ گار بھی لیتا ہے تیرا نام!!

(یوسف مثالی)

(70)

وت نہ آونا بھولڑی ماوَ!

وت نہ آونا بھولڑی ماوَ
ایہو واری تے ایہو داوَ
بھلا کریں تاں بجھ لے ناؤں
کیا جاناں کیہی گھلے واوَ
سے کھیڈن جیہناں بھاگ متھورے
کھیڈدیاں لہہ جان وسورے
کھیڈ کھڈنڈڑی دا لتھا چاوَ
چوپٹ دے خانے چوراسی ۸۴
جو پکے سو چوٹ نہ کھاسی
کیا جاناں کیہا پوسی داوَ
ساچی ساکھی کہے حسینا
جاں جیویں تاں ہی سکھ چینا
پھیر نہ لہسیا... پچھوتاوَ

الفاظ و معنی:

وت ـــــ دوبارہ۔ پلٹ کر آنا
بھولڑی ماوَ ـــــ اے بھولی ماں

بھج لے ناؤں ——— اللہ کے نام کا ورد کر لے۔ ذکرِ الٰہی

بھاگ ——— نصیب

متھورے ——— ماتھے۔ جبین پر۔ پیشانی پر

لہہ جان وسُورے ——— وسوسے ختم ہو جائیں

لتھا چاؤ ——— شوق پورا ہو گیا

چوپٹ ——— ایک کھیل جو پرانے وقتوں میں کھیلا جاتا تھا

پُگے ——— فتح حاصل کرے

کیا پوسی داؤ ——— کون سا داؤ لگایا جائے گا

ساچی ——— سچ

ساکھی ——— گواہی۔ کلام۔ بات

ترجمہ:

اس دنیا میں دوبارہ نہیں آنا اسی بار جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے بہتر تو یہ ہے کہ تُو اپنے رب کی تسبیح کر کیا خبر کیا ہو؟ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ اس سے تمام دکھ دُور ہو جاتے ہیں چوپٹ کے خانوں کو انسانی زندگی کے سالوں سے تشبیہ دیتے ہوئے شاہ حسین فرما رہے ہیں چونکہ چوپٹ کے چوراسی خانے ہوتے ہیں جو اسے کھیلے یعنی اتنی زندگی گزار لے وہ واقعی دانا ہو جاتا ہے اور وہ کسی کے بہکاوے میں نہیں آتا اور نہ ہی کسی سے فریب کھاتا ہے۔

شاہ حسین سچی بات کہے تو وہ یہ ہے کہ دنیا کے سکھ چین صرف ہماری زندگی تک ہی ہمارا ساتھ دے رہے ہیں مرنے کے بعد اگر کوئی چیز ہمارا ساتھ دے گی تو ہمارے اعمال ہوں گے۔ اور اگر اعمال نیک ہوں گے تو بدلہ بھی نیک ملے گا اور اگر خدانخواستہ بد اعمال ہوں گے تو ہمارا انجام ناقابل یقین حد تک بُرا ہو گا۔ اسی لئے شاہ حسین ہمیں اپنی کافیوں کے ذریعے بار بار یہی تلقین کر رہے ہیں کہ اس زندگی میں کچھ کر لو۔ یہ وقت دوبارہ ملنے والا

نہیں اور نہ ہی ہمیں دوبارہ اس دنیا میں آنا ہے کہ اس سے ایک ہی بار میں انسان کا جی بھر
جاتا ہے۔

تشریح:

یہ بات تو ازل سے طے ہے کہ کسی بھی جاندار کو اس دنیا میں دوبارہ آنے کا موقع نہ ملا ہے اور نہ قیامت تک ملے گا اب یہ زندگی جو ہم جی رہے ہیں اور جس طریقے سے جی رہے ہیں اس کے اختیار اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دے دیئے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اُس نے جو کچھ کیا اُس میں اُس کی مرضی اور نیت کا عمل دخل نہیں دنیا حسین ترین سہی۔ دلکش سہی، مگر ایک ہی سطح پر انسان کے جذبوں کی ترجمان کبھی نہیں ہو سکی۔ آج تک مختلف لوگوں نے کیا بلکہ تمام انسانوں نے دنیا کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار ضرور کیا ہوگا۔ کسی نے اسے اچھا کہا، کسی نے بُرا۔ کسی نے کہا یہ دھوکا باز ہے اور کسی نے اس میں سب کچھ تلاش کر لیا ـــــــ بہر کیف دنیا حسین تھی حسین ہے اور حسین رہے گی کہ یہ بھی انسان کی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے اور اللہ چونکہ خود حسن کا منبع ہے اس لئے اس کی کوئی بھی تخلیق حسن کی حد سے باہر نہیں آتی سوائے اُس کے جسے خود اللہ رب العزت پسند نہ فرمائے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کون سی شے دنیا سے رغبت پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے اور اس رغبت کے پیچھے نیت اور آگے نتائج کیا ہیں ـــــــ تو ہم آپ فوراً دنیاوی آسائشوں کی طرف دھیان دیں گے شاید اس لئے کہ ہمارے سامنے صرف اور صرف تصویر کا ایک ہی رُخ ہے۔ دوسرا رُخ ابھی پوشیدہ ہے جو ہمارے اعمال اور کردار کی اچھائی بُرائی کی نسبت سے ہم پر ظاہر کیا جائے گا۔ اور پھر جب ہم تقابلی جائزہ لینے کی پوزیشن میں ہوں گے تو سب سے پہلے ہماری نظر اپنے آپ پر پڑے گی وہ اس لئے کہ ہم نادم ہوں گے اپنے آپ پر اپنی کم عقلی پر، دنیا پر فریفتہ ہونے کے جذبے پر، اُن آسائشوں پر جن کے لئے ہم

نے دنیا میں رہتے ہوئے سرتوڑ کوشش کی اور اپنے رب کی طرف، اس ہمیشہ کی زندگی کی طرف اور اُن نعمتوں کی طرف جو تصویر کے دوسرے رخ میں پوشیدہ تھیں، توجہ نہ دی۔ اور دنیاوی نفع میں لپٹا ہوا نقصان ہمیں نظر نہ آیا۔ ہم نے اپنے نفس کے حوالے سے دنیا کی خوبصورتی کو سراہا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے ہمیں اور ایک عمر گزار کر بھی شعور حاصل نہ ہوا حالانکہ عمر رسیدہ لوگ زندگی کے اُتار چڑھاؤ سے واقف ہوتے ہوئے اپنے تجربات کی روشنی میں بہت کچھ سیکھنے سکھانے کے قابل ہو جاتے ہیں مگر وہ لوگ جو تمام زندگی صرف ایک راستے کے مسافر بنے رہتے ہیں اور جو راستہ اُن کا خود منتخب کیا ہوتا ہے وہ بے منزل اور بے مراد رہتے ہیں جب کہ ان کے برعکس وہ لوگ جو زندگی کی بے ثباتی کو بھانپ لیتے ہیں اور اپنے رب کی ہدایت کا احترام کرتے ہیں وہ اس مختصر اور عارضی زندگی میں دنیا میں نیک اعمال کرنے اور ذکرِ الٰہی سے اپنی آئندہ کی زندگی کو سنوارنے میں لگے رہتے ہیں جس کی بدولت اُنہیں اپنے محبوبِ حقیقی کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ نہ دیکھتے ہوئے بھی تصویر کے دوسرے رخ سے مطمئن ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے رب نے اُن کے لئے اپنا فضل و کرم اور نعمتیں رکھی ہوئی ہیں چونکہ اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے اس لئے وہ کسی تقابلی جائزے کا شکار نہیں ہوتے کہ رب العالمین بے شک مکمل بھروسے کے لائق ہی ہے۔

شاہ حسین مکمل اعتماد کے ساتھ ہمیں اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ سارے کھیل محض زندگی کے ہونے تک ہیں۔ یعنی جب تک زندگی ہے تب تک زندگی کے معمولات بھی ہیں، زندگی کو بہتر طور پر گذارنا اور دنیا میں آنے کے صحیح مقصد کو پورا کرنا ہی ہماری ذمہ داری ہے۔ ورنہ ہمیں یہ کہنے میں ہرگز عار نہ ہوگی۔

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

(فانی بدایونی)

اور ہماری ذمہ داری صرف اُس وقت پوری ہو سکتی ہے جب ہم اپنے اللہ کے لئے اپنے ہر کام کو کریں گے اُس کی رضا اور خوشنودی کے لئے زندگی کو اُن خطوط پر ڈالیں گے جن پر خیر و برکت رحم و کرم، حمد و ثنا کا سرور اور پاک پروردگار کی مدد اور رہنمائی شامل حال ہو۔

(71)

دم غنیمت جان!

دو گمانیا! دم غنیمت جان
کیا لے آیوں، کیا لے جاسیں، فانی کل جہان
چار دیہاڑے گوئل واسا، نہ کر اتنا مان
کہے حسین فقیر نمانا، آخر خاک سمان

الفاظ و معنی:

گمانیا ——— مان کرنے والے، غرور کرنے والے
گوئل واسا ——— مراد مسافر خانہ۔ چند روز ٹھہرنے کی جگہ
آخر خاک سمان ——— آخر کار خاک میں ملنا ہے۔ یعنی موت کا مزہ چکھنا ہے۔

ترجمہ:

اے مغرور انسان چند سانسوں کو غنیمت سمجھ۔ اس دنیا میں تو کیا لے کر آیا تھا اور کیا لے کر واپس جائے گا۔ یہ تمام دنیا فانی ہے۔ چار دن کی زندگی جو تو اس دنیا میں گزار رہا ہے اس کا اتنا غرور نہ کر۔ شاہ حسین تجھے بتا رہا ہے کہ اک دن سب مٹی میں مل جانے والا ہے۔

تشریح:

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں!

(بہادر شاہ ظفر)

چار دن کی مختصر زندگی میں انسان کیا کر سکتا ہے ایک کام پورا ہوتا ہے تو دوسرا ادھورا رہ جاتا ہے پھر آدمی کس چیز پر مان کرتا ہے، کس بات کے زعم میں اکڑتا پھر رہا ہے جب کہ ہر چیز خاک میں مل جانے والی ہے۔شاہ حسین کی یہ کافی ہمیں اس حقیقت کی یاد دلاتی ہے جسے ہم نے فراموش کر دیا اور زندگی کی بھول بھلیوں میں کھو کر فنا ہونے والی ہر شے سے رغبت بڑھانا شروع کر دی اور ہر اُس چیز کو اپنانا شروع کر دیا جو صرف ہمارے جینے تک ہمارے ساتھ ہے۔مرنے کے بعد ہمارے کسی کام کی نہیں کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے ہم اُس سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔اور جس کام کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں اُس کی پرواہ کئے بغیر دنیا کے دھندوں میں اُلجھ کر آخرت کے لئے کسی اچھے عمل کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتے۔جس کی وجہ ایک طرف ہم اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہیں دوسری طرف اپنے اللہ کی ناراضگی مول لے رہے ہیں۔اور اُس حقیقت سے مُنہ پھیر رہے ہیں جو ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔اور ہمیں قدم قدم پر اس بات کا ادراک دلا رہی ہے کہ دنیا فانی ہے مگر ہم خود فریبی کے شکار دنیا کو اپنا مستقل ٹھکانہ خیال کرتے ہوئے ساری آسائشیں اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ظاہر ہے مختصر سی زندگی میں ہم یہی کام کر پائیں گے اور اپنے رب کی عبادت سے غافل ہو جائیں گے —— یعنی ہم نے اپنے لئے خود ہی غلط راستے کا انتخاب کیا جس کی وجہ سے ہم یہ بھول گئے کہ ہمیں اپنے خالقِ حقیقی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اُسے اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے —— کیا ہی اچھا ہو کہ اس زندگی کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے رب کی حمد و ثنا اور اُس کی عبادت میں گزار دیں اور حاصل کر لیں اللہ کی رحمتیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی حاجت نہیں رہتی۔کوئی خواہش، کوئی طلب نہیں اُبھرتی —— مگر افسوس!

یہی نہیں کہ شاہ حسین ہی ہماری رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں بلھے شاہ بھی اپنے تئیں کوشش میں ہیں کہ اب بھی وقت ہے ہم سنبھل جائیں اور جان لیں کہ فنا ہونے والی چیز کسی کا ساتھ نہیں دے سکتی بس وہی سچا ساتھی ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

خاکی خاک سوں رل جاناں
کچھ نہیں زور دھگاناں

گئے سو گئے فیر نہیں آئے
میرے جانی میت پیارے
میرے باجھوں رہندے ناہیں
ہن کیوں اساں وسارے

چت پیار نہ جائے ساتھوں
اُتھے شاہ نہ رہندے
اسی مویاں دے پرلے پار
ہاں جیوندیاں دے وچ بہندے
اوتھے نگر پیادے لگے
تاں اسی ایتھے آئے
ایتھے سانوں رہن نہ ملدا
اگے کت ول دھائے

بلّھا ایتھے رہن نہ ملدا
روندے پٹ دے چلّے
اکو نام اوسے دا خرچی
پیسہ ہور نہ پلّے

خاکی خاک سوں رل جاناں
نہ کر زور دھگاناں!

(72)

کون کسے نال رُسے!

دنیا جیون چار دیہاڑے، کون کسے نال رُسے
جیں ول ونجاں، موت تتھے ول، جیون کوئی نہ دسے
سر پر لدنا ایس جہانوں، رہنا تاں ناہیں کسے
کہے حسین فقیر سائیں دا، موت وٹیندڑی رسے

الفاظ و معنی:

جیں ول ـــــ جس کی طرف
ونجاں ـــــ جاؤں
تتھے ول ـــــ اُسی طرف
دسے ـــــ بتائے، سمجھائے
سر پر ـــــ لازمی
لدنا ـــــ چلے جانا۔ رخصت ہو جانا۔ وداع ہونا
وٹیندڑی رسے ـــــ رسے بنا رہی ہے

ترجمہ:

چار دن کی زندگی میں کون کس سے ناراض ہو جس طرف جاتا ہوں اُسی طرف موت کھڑی ہے زندگی کے بارے میں کون بتائے اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ضروری ہے کہ اس میں کسی نے بھی نہیں رہنا۔ شاہ حسین فقیر کا کہنا ہے کہ موت رسے بنا رہی ہے اور اس نے ایک ایک کو باندھ کر بے بس کر کے لے جانا ہے۔

تشریح:

مختصر سی زندگی انسان کی توجہ کا مرکز ہوتے ہوئے بھی اس کی نہیں کہ ہر ایک کو موت کی آغوش میں جانا ہے کہ یہ رب کائنات کا وضع کردہ طریق کار ہے۔ جس کے تحت ازل سے ایک نظام چل رہا ہے اور ابد تک چلتا رہے گا۔ لوگ دنیا میں آتے رہیں گے اور رخصت ہوتے رہیں گے کوئی اپنی دنیا سنوار کر چلتا بنے گا کوئی اپنی عاقبت کو چار چاند لگانے میں کامیاب ہوگا اس نظام سے مفر ممکن نہیں، انسانی کاوشیں، تدبیریں سب کی سب بے کار، انسانی ذہن کی بلندی، سائنسی ترقی سب بے معنی —— کیوں کہ رب العزت نے انسان کی بساط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے ایک حصار میں ڈال دیا اور اُس حصار کو انسانی حوالے سے لامحدود کر دیا اس لئے انسان اُس منزل سے جس کا تعین رب کائنات نے اس کے لئے کر دیا اُس سے باہر نہ تو سوچ سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ہی اُس سے باہر جانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسے صرف اُسی کے اندر رہنے کی اجازت دی گئی ہے اُس میں زندگی اور موت دونوں کا ہونا بھی لازمی قرار دیا گیا کہ ان کے بغیر انسانی تصور اپنی تکمیل کو نہیں پہنچتا، جس کی وجہ سے ان دونوں سے بچنا کسی بھی صورت قابلِ عمل نہیں۔

شاہ حسین یہی بات واضح کر رہے ہیں کہ انسان جس طرف بھی موت سے بھاگ کر جانا چاہے اس سے بچنا اُس کے بس کی بات نہیں۔ اور آپ نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اس امر کا مشاہدہ ضرور کیا ہے کہ موت جہاں واقع ہونی ہوتی ہے اور جس پر واقع ہونی ہوتی ہے اُسے خود بخود گھیر کر اُس مقام پر لے جاتی ہے جیسے روڈ "ایکسیڈنٹ" یا کئی دوسری قسم کے حادثے، لہٰذا یہ حقیقت ہم پر ہی نہیں ہم سے پہلے اور آنے والی تمام مخلوق پر واضح ہے کہ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جس کا جو وقت مقرر ہے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کہ یہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ جس کی وجہ سے موت ہر وقت تیار رہتی ہے کہ کب اُسے حکم ہو اور وہ کسی کی روح قبض کر کے عالم برزخ میں پہنچا دے۔

تھوڑی سی گہرائی میں جا کر اس کافی کا ماخذ بھی ہمارے سامنے واضح ہو جاتا ہے

کہ جو چیز بھی انسان کی دسترس میں تھوڑے وقت کے لئے دے دی جائے وہ اُس کی زیادہ قدر کرتا اور اُس کو اُسے کھو جانے کے ڈر کے ساتھ ساتھ اُس سے دلچسپی بھی شدید تر ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ اسی الجھن میں الجھتا چلا جاتا ہے حالانکہ اس کے برعکس اللہ پاک کی قدرت، احسانات اور رحمتوں کا کچھ شمار ہی نہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے انسان کم از کم توجہ دیتا ہے، جب کہ یہی توجہ اُس کے لئے سب سے اہم اور اُس کی تمام تر پریشانیوں کا حل ہے مگر شاید ہم لوگ سمجھنا ہی نہیں چاہتے اور آنکھیں بند کئے اپنے نفس کی پیروی کرتے ہوئے ایک ہی طرف بھاگ رہے ہیں جو ہمارے حق میں کسی بھی طرح بہتر نہیں اور جب ہمیں ذرا ٹھوکر لگتی ہے جو صرف اس احساس کی ترجمان ہے کہ ہماری سمت غلط ہے تو ہم اس احساس کو تج کر اُس ٹھوکر کا گلہ کرنے پر تُل جاتے ہیں چہ جائیکہ اپنے رب کا شکر ادا کریں، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت سے سر جھکا دیں تا کہ اُس کی رحمتیں اور اُس کی بخشش کے دروازے ہمارے لئے کھلنے کے امکانات پیدا ہو سکیں۔ کہ وہ بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔ مگر افسوس انسان کی ہٹ دھرمی ہی اُس کی تباہی کا باعث بنی رہتی ہے —— اللہ کے برگزیدہ بندوں نے ہمیشہ اللہ کا پیغام اُس کی ہدایات اور اُس کی رضا حاصل کرنے کے طریقہ کار سے عوام الناس کو روشناس کرانے میں انتھک محنت کی مگر ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیا —— کہ ہم اپنے بداعمالی میں اپنی حد سے گزر چکے ہیں اور جب انسان اپنی حد سے تجاوز کر چکا ہوتا ہے پھر وہ انسان کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔ پھر وہ انسانوں جیسے سلوک کا مستحق نہیں رہتا —— اپنے استحقاق کو چھن جانے سے بچانے کے لئے توبہ کا در کھٹکھٹانا ضروری ہے کہ رب العالمین شاید توبہ قبول فرمالے اور آئندہ ہمیں نیکی کی توفیق سے نواز دے اور ہم اُس کے نیک بندوں میں شمار ہونے کے اہل ہو جائیں۔ ورنہ ہمارا دنیا میں آنا جانا بے مقصد و بے کار ہے۔

(73)

سائیں سینہوڑے گھلے!

میں بھی جھوک رانجھن دی جانا، نال میرے کوئی چلے
پیراں پوندی، منتاں کردی، جانا تاں پیا اکلے
نئیں بھی ڈونگھی، تُلا پرانا، شینہاں تاں پتن ملّے
جے کوئی خبر بِتراں دی لیاوے، ہتھ دے دینی آں چھلّے
راتیں درد، دہنہاں درماندی، گھاؤ بِتراں دے اَلّے
رانجھن یار، طبیب سُنی دا، میں تن درد اوَلّے
کہے حسین فقیر نمانا، سائیں سینہوڑے گھلّے

الفاظ و معنی:

جھوک ——— ٹھکانہ گاؤں۔طرف
اکلے ——— تنہا۔اکیلے
نئیں ——— ندی
ڈونگھی ——— گہری
تُلا ——— ناؤ۔کشتی، جو بے ترتیب لکڑیوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہو
شینہاں تاں پتن ملّے ——— شیر کناروں پر شکار کی غرض سے بیٹھے ہوئے ہیں
بِتراں ——— دوست۔اپنے۔ساتھی۔محرم راز
دہنہاں ——— دن کے وقت

درماندی ـــــــ دکھی۔ تکلیف میں مبتلا

گھاؤ ـــــــ گہرا زخم

اَلّے ـــــــ کچے، تازہ

طبیب ـــــــ مسیحا۔ حکیم۔ علاج کرنے والا

اَوّلے ـــــــ انوکھے، سب سے جدا

سینہوڑے گھلے ـــــــ پیغام بھیجے، بلاوے آئے

ترجمہ:

میں نے اپنے محبوب کے گھر جانا ہے کوئی میرے ساتھ چلے میں منت سماجت اور پاؤں پڑنے کو تیار ہوں کہ میں اکیلی نہیں جانا چاہتی۔ کیوں کہ درمیان میں گہری ندی ہے اور پار جانے کے لئے میرے پاس کشتی بھی پرانی اور شکستہ ہے اوپر سے خونخوار شیر کناروں پر اپنے شکار کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں ـــــــ اگر کوئی میرے پیارے کا پتہ لا دے تو میں اُس کو اپنے ہاتھوں کی انگوٹھیاں انعام میں دے دوں گی کہ اُس کے ہجر میں مَیں رات دن دکھوں میں گھری ہوئی ہوں کیوں کہ ابھی تازہ تازہ ہی زخم لگے ہیں اس لئے ابھی کچے ہیں اور سنا ہے کہ میرا محبوب حکمت سے بھی شناسا ہے مگر میرا دکھ انوکھا ہے۔

شاہ حسین عاجز بندہ کہہ رہا ہے کہ محبوب حقیقی کا بلاوا آ گیا ہے اب چلنے کی تیاری کرنی چاہیے اور جو انوکھا روگ اس تن بدن کو لگا ہوا ہے اُس کی پرواہ کرنا فضول ہے۔

تشریح:

زندگی سے موت تک کا سفر جو انسان کے اپنے تقاضوں کے مطابق ہے اور موت سے آگے کا سفر جو انسانی نظروں سے اوجھل ہے اُس کے بارے میں خدشات کا کسی انسانی ذہن میں اُبھرنا قدرتی ہے بشرطیکہ اُس انسان کا دھیان اپنے اللہ کی طرف ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے کبھی نا اُمیدی کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ اس احاطے میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو رب العالمین کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں اور اُس کی رضا اور اُس کے احسانوں

کا بدلہ چکانے کے لئے اُس کے سامنے جھکتے اور سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر بھی خدشات کا سایہ اُن کے ذہنوں پر اس لئے رہتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح کسی بھی حوالے سے اپنے محبوب حقیقی کو ناراض ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتے کہ اُنہیں اللہ سے عشق ہے اور جس سے عشق ہو جائے اُس کی مرضی کے بغیر چلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ وہ تو پھر کل جہانوں کا مالک ہے اُس کی مرضی اور رضا کے بغیر تو پتا تک نہیں ہل سکتا انسان تو بڑی دور کی بات ہے۔

سو شاہ حسین اللہ کی طرف سے بلاوے کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ مجھے ہر حال میں اُس کے پاس جانا ہے مگر اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ راستے کی تکلیفیں، پریشانیاں مجھے پہلے ہی سے اس لئے پریشان کئے ہوئے ہیں کہ میرے پاس ان سے بچنے کے لئے کوئی ایسا نیک عمل نہیں جس کی وجہ سے میں ان تکلیفوں سے نجات حاصل کرلوں اور رب کریم کے کرم سے فیض یاب ہو سکوں مگر مجھے ہر حال میں اپنے رب کا قرب اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی میرا مددگار بن جائے تو میں اُس کی خدمت میں بھی دن رات ایک کردوں کہ وہ مجھے میرے سچے محبوب تک رسائی کے طریقے سے آگاہ کرنے والا ہے اور میرے گھاؤ پر مرہم رکھ کر مجھے حوصلہ دینے والا ہے۔

باقی صوفیائے کرام کی طرح شاہ حسین نے بھی لفظ رانجھے کو اُسی زاویے اور اُسی حوالے سے استعمال کیا ہے، رانجھے کا کردار مثبت اور جانب دارانہ ہونے کے سبب ایک خاص کشش کا مالک رہا ہے۔ اور چونکہ رانجھے کی جانب داری کسی قسم کے غیر منصفانہ رویہ اور سوچ سے ماورا ظاہر ہوتی ہے اس لئے صوفیا نے رانجھے کے سمبل (Symbol) کو اپنے خاص محرم کے طور پر کئی جگہوں پر بیان کیا ہے ——— جب کہ ہیر کے حوالے سے رانجھا کا کردار جو ہمارے سامنے لایا جاتا رہا ہے اور اُس کردار سے مختلف ہے جو صوفی ازم کے آئینے میں جلوہ افروز ہے * لہٰذا میرے نزدیک صوفی ازم کا رانجھا وہ رانجھا نہیں جو ہیر کے عشق

* یہ ناچیز کی ذاتی رائے ہے اس سے اختلاف و اتفاق کا کسی بھی قاری کو مکمل اختیار ہے۔
(یوسف مثالی)

میں گرفتار تھا۔

جس کی تصدیق کے لئے کئی صوفیا کے کلام میں مذکورہ Symbol کو معنوی اعتبار سے جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے آپ شاہ حسین کی کافی نمبر 74 بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں!

(74)

ہیرے دا ور چاک!

نی مائے! مینوں کھیڑیاں دی گل نہ آکھ
رانجھن میرا، میں رانجھے دی، کھیڑیاں نوں کوڑی جھاک
لوک جانیں ہیر کملی ہوئی، ہیرے دا ور چاک
کہے حسین فقیر سائیں دا، جان دا مولا پاک!

الفاظ و معنی:

کوڑی جھاک ——— جھوٹی آس۔ خوامخواہ کی اُمید، بے مقصد انتظار
ور ——— جس سے نسبت طے ہوئی ہو۔ ہونے والا دولہا
چاک ——— نوکر۔ خادم۔ غلام

ترجمہ:

اے میری ماں مجھے کھیڑوں کی طرف راغب نہ کر (کھیڑوں سے مراد متقی قدریں) میں اپنے محبوب رانجھن کی ہو چکی ہوں اور وہ میرا ہو چکا ہے اب بھی اگر وہ میرے منتظر ہیں تو یہ اُن کی غلطی ہے وہ جھوٹی آس لگائے ہوئے ہیں تمام لوگ جانتے ہیں کہ ہیر رانجھے کے عشق میں گرفتار ہو کر اپنی سدھ بدھ گنوا بیٹھی ہے اور رانجھا ہیر کے عشق میں اُس کے والدین کی غلامی کر رہا ہے اس سے زیادہ عشق اپنا رنگ کیا دکھائے گا۔

باقی شاہ حسین اللہ کا فقیر اُس کا عاجز بندہ تو یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے۔

تشریح: ہیر اور رانجھے کے عشقِ مجازی کے حوالے سے گہرے تعلق کی وضاحت کی گئی ہے اور ہیر کی زندگی کی پوری کہانی کو اس کافی کا موضوع بنایا گیا ہے۔ مقصود یہی ہے کہ اگر عشقِ مجازی اس قدر طاقت ور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مدِ مقابل تمام منفی قوتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے تو عشقِ حقیقی جو اس عشق سے کہیں زیادہ طاقت و جرأت کا مالک ہوتا ہے اُس کے لئے دنیا کی تمام باطل قوتیں بھی اہمیت نہیں رکھتیں اور عشقِ حقیقی یعنی اللہ سے لگاؤ رکھنے والے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مالک و مختار اور ہر شے پر قادر ہے پھر وہ اپنے نام لیوا بندے کو کیسے اُن تکلیفوں کے حوالے کرے گا جو باطل اور اللہ کے نہ ماننے والوں کی طرف سے اُس کو پریشان کرنے کے لئے تلملائیں گی۔

شاہ حسین نے اس کافی میں ہیر رانجھے کے مروجہ عشق کا ذکر تو کیا ہے مگر آخری مصرعہ میں اُن کا یہ کہنا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس بات کی دلیل ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ہیر رانجھا کے Symbol کو ان کے اپنے عشق کے حوالے سے نہیں لیا بلکہ صوفیانہ تار و پود میں ایک مثبت کردار کی بنا پر اس کافی کا حصہ بنایا۔ جس سے ہمارے لئے یہ بات سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے کہ شاہ حسین نے ہیر اور رانجھا کے کردار کو اس لئے بھی بنیاد بنایا کہ یہ قصہ اُس دور کے لوگوں میں عام تھا اور پہلے سے قبول کیا جا چکا تھا*۔ اور اس کی نوعیت بھی عشقِ حقیقی کی سی تھی۔ اس لئے عشقِ حقیقی کی لطافتوں کو جاننے کے لئے (یہ جاننا بڑی کٹھن ریاضت اور ہمہ وقت کی عبادت کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عطا ہی ہے) عشقِ مجازی کا سہارا لیا گیا۔ باقی راقم بھی شاہ حسین کی اسی بات پر متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بلھے شاہ کے ہاں رانجھا کا روپ بھی ملاحظہ فرمائیے

---

* جو چیز پہلے سے قبول کی جا چکی ہو ویسی ہی اُس سے بہتر چیز کی قبولیت جلد اور آسانی سے ہو جاتی ہے۔ (مثالی)

بُلھا شوہ میرے گھر آیا
میں گھُٹ رانجھن گل لایا
دکھ گئے سمندر پار نوں
دل لوچے ماہی یار نوں*

اب بُلھے شاہ اور رانجھے کا تعلق تھا یا نہیں اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

* بلھے شاہ کی ایسی کافیاں موجود ہیں جن میں رانجھے کا ذکر ہیر کے حوالے سے ہے مگر کافی کے مجموعی تاثر سے ہیر رانجھے کے عشق کی ثانوی حیثیت رہ جاتی ہے اور عشق حقیقی کی اوّل۔ (مثالی)

(75)

چھڈ دے خودی گمان!

بندے! آپ نوں پچھان
جے تیں اپنا آپ پچھاتا، سائیں دا ملن اسان
سوئنے دے کوٹ، روپہری چھجے، ہر دن جان مسان
تیرے سر تے جم سازش کردا، بھانویں توں جان نہ جان
ساڈھے ترن ہتھ ملکھ تساڈا، ایڈی توں تان نہ بان
سونا روپا تے مال خزینہ، ہوئے رہیا مہمان
کہے حسین فقیر نمانا، چھڈ دے خودی گمان

الفاظ و معنی:

پچھاتا ——— پہچان
سائیں دا ملن آسان ——— اللہ کا ملنا آسان ہو جائے گا
سوئنے دے کوٹ ——— سونے کے حصار۔ چار دیواری۔ قلعہ، احاطہ
روپہری ——— چاندی
چھجے ——— چھت کے وہ حصے جو باہر کی طرف نکلے ہوں
ہر دن ——— اللہ کے بغیر
مسان ——— جہاں مُردے جلائے جاتے ہیں، مردے جلانا ہندوؤں میں رائج ہے
جم ——— موت کا فرشتہ۔ ملک الموت

ساڈھے تن ہتھ ——— (پیائش کے لئے استعمال ہوا ہے) ساڑھے تین ہاتھ مراد انسان کے قد کے برابر۔یعنی قبر کی پیائش

ملکھ ——— ملکیت۔ٹھکانہ

تساڈا ——— تمہارا۔آپ کا

ایڈی ——— اتنی

تان نہ تان ——— چادر سے باہر پاؤں پھیلانا یعنی اپنی بساط سے بڑھ کر اکٹھا کرنا۔ہوس۔لالچ

سوئنا رُپا ——— سونا چاندی

خودی گمان ——— اپنی اہمیت جتانا۔اپنے آپ کو برتر خیال کرنا۔غرور۔تکبر۔وغیرہ

ترجمہ:

شاہ حسین ہدایت فرمارہے ہیں کہ اے بندے اپنے آپ کو پہچان اگر تو نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو اپنے اللہ تک پہنچنے کا راستہ مل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا آسان ہو جائے گا یہ سونے چاندی کے بنے ہوئے قلعے سب بے کار ہیں اگر تجھے اللہ تعالیٰ یاد نہیں۔

تیرے سر پر ہر وقت موت کھڑی بے شک تو اس سے واقف ہے یا نہیں اور تیری قبر جو تیرے قد کے برابر ہے وہی تیری ملکیت ہے تو ساری دنیا کو سمیٹنے کی ہوس رکھتا ہے یہ تمام مال و دولت سونا چاندی تو مہمان ہے ڈھلتا سایا ہے اس کا کیا بھروسہ آج تیرا کل کسی اور کا۔شاہ حسین کی بات سن یہ فقیر کہہ رہا ہے اس تکبر اور گھمنڈ کو چھوڑ دے کہ تیرے اللہ کو یہ پسند نہیں۔

تشریح:

اقبال نے کہا تھا۔

خودی کو کر بُلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے؟
(اقبال)

اقبال کا فلسفۂ خودی بھی شاہ حسین کی مذکورہ بالا کافی سے بہت حد تک مماثل ہے مگر اقبال کی خودی اور شاہ حسین کی اس کافی کے آخری مصرعہ میں جس خودی کا ذکر کیا گیا ہے دونوں کی سمتیں متضاد نظر آتی ہیں۔ شاہ حسین کے ہاں خودی گھمنڈ، زعم اور تکبر کے معنوں میں ہے اور اقبال کے ہاں، حلیمی، متانت، اور محاسن کے حوالے سے ——— خودی تو ایک ہی ہے پھر متضاد کیوں؟ شاید اس لئے کہ اقبال خودی سے آگے کا سفر کرتے ہیں اور شاہ حسین خودی سے پیچھے کی طرف گامزن ہیں یعنی شاہ حسین اپنے ہونے سے نہ ہونے کی طرف سفر طے کرتے ہیں اور اقبال اپنے نہ ہونے سے ہونے کی جانب رواں دواں ہیں جب کہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ انسان کو خود شناسی کا سبق دے رہے ہیں۔

شاہ حسین جس مقام پر فائز ہیں وہ قسمت والوں کو ہی ملتا ہے اور اُس مقام سے وہ اپنی چشم بصیرت سے جو کچھ دیکھ رہے ہیں اور محسوس کر رہے ہیں اُس کا اظہار کرتے ہوئے ایک طرف انسان کی بے عملی کے کرب سے دوچار ہیں دوسری طرف دنیا کی چمک دمک سے جس کے سبب اُنہیں دنیا داروں کو دین داری کی طرف راغب کرنے میں خاصی مشکل کا سامنا ہے مگر اللہ والے تو اپنے فرائض میں کوتاہی کے قائل ہی نہیں۔ اس لئے وہ بار بار اللہ کی مخلوق کو اُس راستے پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں جس پر اللہ اور اُس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمع ہدایت روشن کر رکھی ہیں۔

بندے کو خود شناسی سے جو رتبہ حاصل ہو سکتا ہے اُس کا شعور بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔ اور وہی لوگ بندے سے بار بار کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو پہچانو کہ یہی

پہچان تمہیں تمہارے رب سے شناسا کرانے میں مددگار ثابت ہوگی ——— اس میں شک نہیں کہ اللہ کا بندہ جب صرف ظاہری طور اپنے آپ پر نظر ڈالے اپنے حواس کا تجزیہ کرے، اپنی قوتوں کا مطالعہ کرے تو سب سے پہلے اُس کی زبان سے اللہ کا شکر ہی ادا ہوگا کہ کائنات میں کوئی دوسرا اُسے یہ نعمتیں عطا کرنے والا ہے ہی نہیں اب ذرا اس پہلو پر بھی نظر ڈالیئے کہ انسان کی سمیٹی ہوئی دولت، اُس کا عیش و آرام کس کام کا اگر وہ ذکرِ الٰہی سے آگاہ نہیں وہ یہ نہیں جانتا کہ اُس کی موت اُس کے سر پر کھڑی ہے اور وہ کسی بھی وقت اُسے دبوچ کر لے جائے گی اُس کی تمام مال و دولت اور جائیدادا سی دنیا میں رہ جائے گی جس میں وہ پوری شان و شوکت، گھمنڈ اور آن بان سے زندگی گزار رہا ہے۔ صرف اور صرف ایک قبر ہی اُس کی ملکیت ہوگی وہ بھی ذاتی ملکیت نہیں ——— اور یہ سب ہم آپ صدیوں سے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ کوئی بھی آج تک سوائے اپنے اعمال کے کچھ بھی ساتھ نہیں لے جا سکا ——— تو کیوں نہ اعمال ہی کو اکٹھا کیا جائے جو ہمارے کسی کام آسکتے ہیں ——— مگر اعمال بھی نیک، صالح کیوں کہ جب اعمال کی بنیاد پر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوگا تو پھر وہ اعمال کس کام کے جو ہمیں ذلیل و خوار کردیں اس کے برعکس اُن اعمال ہی میں کیوں نہ اضافہ کرنے کی کوشش کی جائے جو ہماری بخشش کا ذریعہ بھی بن سکیں اور ہمارے رب کو خوش بھی کرسکیں۔ کیا ہم اپنے اس رب کے لئے اتنا بھی نہیں کرسکتے جس نے ہمارے لئے نعمتیں ہی نعمتیں بکھیر دیں۔ ہمارے لئے آسانیاں پیدا کردیں، ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازا، کیا ہم اُس کا شکر ادا کرنے میں بھی بخل سے کام لیں گے افسوس صد افسوس کہ ہم انسانی سطح سے گرنے میں بھی گریز نہیں کرتے اور اپنی سمیٹی ہوئی دولت کے نشے میں اپنے آپ کو ہر شے سے برتر خیال کرتے ہوئے ہر شے سے حقیر ہو جاتے ہیں!

(76)

سدا رہا تیرے پاس وو!

سارا جگ جاندا، سائیں تیرے ملن دی آس وو
میرے من مراد ایہو سائیاں، سدا رہاں تیرے پاس وو
درشن دے دیا کر موں کوں، سمراں ساس گراس وو
کہے حسین فقیر نمانا، توں صاحب میں داس وو

الفاظ و معنی:

موں کوں ـــــ مجھے
سمراں ـــــ ذکر کروں۔ نام جپوں۔ تسبیح کروں، حمد و ثنا میں مصروف ہوں
ساس ـــــ سانس
گراس ـــــ لقمہ۔ نوالہ
داس ـــــ غلام۔ خادم

ترجمہ:

اے میرے محبوب! ساری دنیا جانتی ہے کہ مجھے صرف تیرے ملن کی آس ہے میرے دل کی یہی آرزو ہے کہ میں ہر وقت تیرے پاس رہوں اور تو میرے سامنے رہے میں ہر سانس کے ساتھ تیرا ہی ذکر کیا کروں بس میں تیرا غلام بن کے رہنا چاہتا ہوں۔

تشریح:

اے میرے محبوب، میرے اللہ میں تیرے ذکر کو اپنے ہر سانس میں پرو دینا چاہتا

ہوں۔ میری آنکھیں تیرے علاوہ کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتیں، میری سوچ تیرے سوا کچھ سوچنے پر راضی نہیں مجھے صرف اور صرف تیرے ملن کی آس ہے اے میرے رب مجھے اپنے قرب سے سرشار فرما، اپنی عنائیوں سے مخمور فرما کہ میں تیرا غلام تجھ سے تیرا طالب ہوں——شاہ حسین کی یہ دعائیہ کافی شاہ حسین کی باطنی کیفیت کو ہم پر ظاہر کرتے ہوئے ہمیں اُن کے عشق کی معراج کا ادراک بخشتی ہے اور اُن کے جذبوں کی صداقت کی نورانی کرنوں کے مخملی احساس سے روح وجد پر آمادہ ہوتی ہے بلاشبہ اسی کافی کی تخلیق کی توفیق مل جانا رب کائنات کی خاص عنایت ہے۔ اور یہ ارفع ترین اعزاز شاہ حسین کے حصے میں آیا ہے۔ اسے شاہ حسین کی دُعا کی قبولیت کا ثمر بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔

(77)

جگ چلتا ویکھ وہیر ہے!

ٹک بُوجھ من میں کون ہے، سبھ دیکھ آوا گون ہے
من کا وسیلہ پون ہے
بندہ بنایا جاپ کوں، توں کیا لبھانا پاپ کوں
تیں سہی کیہ کیتا آپ کوں؟
اک شاہ حسین فقیر ہے، تُسیں نہ آکھو پیر ہے
جگ چلتا دیکھ وہیر ہے

الفاظ و معنی:

ٹک ـــــ ذرا
بُوجھ ـــــ جان۔ سمجھ۔ پہچان
آواگون ـــــ آمدورفت۔ آنا جانا۔ آوارہ۔ نکما
پون ـــــ ہَوا
جاپ کوں ـــــ عبادت کے لئے۔ حمد وثنا کے لئے۔ ذکرِ الٰہی کے لئے۔ ورد
لبھانا ـــــ لالچ دینا، اُکسانا۔ اُبھارنا۔ بہکانا
پاپ ـــــ گناہ۔ خطا۔ بے راہ روی
سہی ـــــ سمجھنا
وہیر ـــــ کارواں، قافلہ

ترجمہ:

اے بندے ذرا غور کر کہ دل میں کون چھپا بیٹھا ہے دنیا پر نہ جا، اس کا آنا جانا تو لگا رہتا ہے تو ہوا کی وجہ سے زندہ وسلامت ہے۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے تخلیق کیا لیکن وہ گناہوں کی طرف راغب ہو گیا اور اپنی اصلیت کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ تُو سے کس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا شاہ حسین تو اک فقیر ہے تم اس کو رتبہ دے رہے ہو اور اسے اپنا رہنما اور مرشد خیال کرتے ہو دنیا کا قافلہ تو آجا رہا ہے۔ یعنی کچھ لوگ پیدا ہو رہے ہیں کچھ مر رہے ہیں اور فقیر کو اس دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ دلوں میں رہتا ہے، اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا چونکہ پاک پروردگار کی ذات ہر جگہ ہر وقت موجود ہے اس لئے دل بھی ایک جگہ ہی ہے ایک ایسی جگہ جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اور جب ہمارے دل میں رب ذوالجلال موجود ہے تو ہمیں اُسے باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اسی حوالے سے اگر یوں کہہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی دل میں موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ تو غلط نہ ہوگا علاوہ ازیں جو سب سے اہم نکتہ ہمارے سامنے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تلاش اور اُسے دیکھنے کی طلب ہمیں اپنے اندر جھانکنے کے مواقع فراہم کرتی ہے جس سے خود آگہی حاصل ہوتی ہے اور جب اس خود آگہی کی منازل طے ہو جاتی ہیں تو رب العالمین کا دیدار ہونے کی سعادت نصیب ہونے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے بندے کی اپنی ریاضت، اپنا عشق اور طلب کی شدت پر ہے کہ وہ کتنی جلدی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اور کتنی جلدی اُسے دنیا کے دھندوں سے نجات ملتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بچانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

یہ بات ہم میں سے کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ہمارے رب نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے دنیا میں بھیجا اور ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازدیا کہ ہم اُس کی عبادت چھوڑ کر کسی ایسے لالچ میں نہ پڑیں جو ہماری ضرورت سے زیادہ ہو اور براہِ راست ہمارے مصرف میں نہ آسکتا ہو مگر ہم نے اپنی ضروریات کو غیر ضروری طور پر بڑھانا شروع کر دیا اور آج وہ مقام ہے کہ جو چیز ہمارے جیتے جی ہمارے کام نہیں بھی آسکتی ہم اُسے بھی اپنے لئے سنبھالنے میں گریز نہیں کرتے اور اس طرح وہ چیز جس کے کام آنے والی ہوتی ہے وہ اس شے سے محروم ہو جاتا ہے نتیجہ یہ کہ ہم ایک طرف ذخیرہ اندوزی جیسے بھیانک اور غیر اخلاقی عمل کے ذریعے اپنی عاقبت کو داغدار کرتے ہیں دوسری طرف اُس شخص کا حق تلف کر دیتے ہیں جو صحیح معنوں میں اس کا مستحق تھا۔ اور چونکہ ہم اپنے مقام کو سمجھنے کی طرف راغب نہیں ہوتے اس لئے اپنے گناہوں میں ہر وقت اضافے کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

شاہ حسین کی یہ کافی انہی لطافتوں سے مربوط ہے۔ کہ وہ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لئے سرگرداں ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ انہیں دوسرے لوگوں کی طرح یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ مجھے اپنا مرشد یا پیر تصور کرتے ہوئے اُس رتبے سے نوازدیں جس کا میں اہل نہیں کہ یہ سب میں اللہ کی طرف سے کرنے کا پابند ہوں تاکہ اپنی ستائش کے لئے جیسا کہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اپنی ستائش میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ ہوش ہی باقی نہیں رہتا کہ وہ کہاں سے چلے تھے اور اُن کی منزل کس طرف ہے اور وہ کس طرف جارہے ہیں۔

فقیروں کے بارے میں بھی تھوڑی سی وضاحت درکار ہے تو میں عرض کروں گا کہ فقیری فقر سے ہے اور فقر شیوۂ پیغمبری ہے۔ جس میں تقویٰ سب سے اہم جزو ہے یہ فقیری ہر ایک کے بس کا روگ نہیں——— آج کے دور میں آپ کا جن فقیروں سے

واسطہ پڑتا ہے اُن سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اس لفظ کے معنی ہی بدل کر رکھ دیئے اور ان کی یہ جرأت ہماری ضعیف الاعتقادی کی بنا پر پنپی جس کے تحت آج یہ لوگ ہمیں اپنی مرضی اور مفاد کے مطابق چلانے میں کامیاب ہیں جب کہ صحیح فقیر ان تمام لوازمات سے ماورا ہوتا ہے اُسے صرف اپنے رب سے غرض ہوتی ہے دنیا کا بوجھ تو اُس کے لئے بے معنی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے گئے اپنے مقام سے شناسا ہوتا ہے اس لئے اُس کی ضرورتیں محدود اور اللہ کے پیدا کردہ وسیلوں ہی کی محتاج ہوتی ہیں بہ الفاظِ دیگر اُس کے تمام تر رابطے اپنے رب سے ہوتے ہیں تمام درمیانی واسطے جنہیں ہم لوگ ضروری خیال کرتے ہیں اُن کے لئے اُن کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اور جب اُن کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے تو دنیا سے کیا مطلب رہ جاتا ہے خود بخود دنیا ترک ہو جاتی ہے اور پھر ذکرِ الٰہی کی پُر بہار فضا میں اُن کی سانسیں کبھی اللہ ہُو کا ورد کرتی ہیں کبھی سبحان اللہ اور کبھی اللہ اکبر اور الحمدللہ کی صدا گونجتی ہے جو اپنے اطراف کو ایک ایسی وجدانی کیفیت عطا کرتی ہے کہ ہر شے جھوم جھوم جاتی ہے۔ یہ ہے فقیری آیئے دیکھتے ہیں باقی صوفی اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

ایہہ تن ربّ سچے دا حُجرہ پا فقیرا جھاتی ہُو
نہ کر منت خواج خضر دی، اندر تیں حیاتی ہُو
شوق دا دِیوا بال ہنیرے، لبھّی وست کھڑاتی ہُو
مرن تھیں اگے مر رہے، جنھاں، حق دی رمز پچھاتی ہُو

(سلطان باہُوؒ)

اور یہ دوہڑا بھی ملاحظہ فرمایئے۔سلطان باہُو کہتے ہیں۔

ثابت صدق قدم اگیرے تاہیں رب لبھیوے ہُو
لُوں لُوں دے وچ ذکر اللہ دا ہر دم پیا پڑھیوے ہُو
ظاہر باطن عین عیانی ہُو ہُو پیا سُنیوے ہُو
نام فقیر تنہاں دا باہُو قبر جنہاں دی جیوے ہُو

(سلطان باہو)

فقیری کے لئے ایک اور نسخہ جو بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ایک اشلوک کے روپ میں ہمارے سامنے ہے۔

میں نُوں مار کے منج کر، نِکی کر کے کُٹ
بھرے خزانے رب دے، جو بھاوے سو لُٹ

(بابا فرید الدین گنج شکرؒ)

(78)

قادر دے ہتھ ڈور!

لکھی لوح قلم دی، مائے موڑ جے سکنی ایں موڑ
ڈولی پا لے چلے کھیڑے، نہ میتھوں عذر نہ زور
رانجھن سانوں کنڈیاں پائیاں، دل وچ لگیاں زور
مچھی وانگوں میں پئی تڑفاں، قادر دے ہتھ ڈور
کہے حسین فقیر سائیں دا، کھیڑیاں دا گوڑا شور

الفاظ ومعنی:

لکھی لوح قلم دی ——— تقدیر۔ جو قسمت میں لکھا جا چکا ہے
موڑ ——— تبدیل۔ بدل۔ رخ پھیرنا
عذر نہ زور ——— کوئی بس نہیں چلتا۔ بے بس لاچار
دل وچ لگیاں زور ——— زور سے دل میں لگیں۔ گہری لگیں
مچھی وانگوں ——— مچھلی کی طرح
تڑفاں ——— تڑپنا۔ بے چینی و بے تابی
قادر ——— رب کریم۔ قادرِ مطلق
ہتھ ڈور ——— اختیارات۔ طاقت
گوڑا زور ——— یہاں مراد ہے جھوٹی طلب، خوانخواہ کسی شے پر اپنا حق جتانا

ترجمہ:

اے ماں قسمت کے لکھے پر کس کا زور چلتا ہے اگر تُو اس کا رُخ موڑ سکتی ہے تو

موڑ دے کہ ڈولی کھیڑے لے جا رہے ہیں اور میرا کوئی زور نہیں چل سکتا کہ یہی قسمت کا لکھا ہے۔ رانجھن نے مجھے اپنے بس میں کرنے کے لئے کوشش کی اور مچھلی کے شکاری کی طرح میرا شکار کیا اب میں تڑپ رہی ہوں مگر کنڈی دل سے نہیں نکل سکتی کہ بُری طرح پیوست ہو چکی ہے اور ڈور قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے شاہ حسین اللہ کا فقیر کہتا ہے کہ کھیڑے یونہی اپنا حق جتا رہے ہیں جب کہ اُن کا کوئی حق نہیں بنتا۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے بندے کی تقدیر میں جو کچھ لکھا وہ اس کی بہتری کے لئے لکھا گیا اور تقدیر انسانی اختیار سے باہر ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار میں دیا اُس کا حساب اللہ تعالیٰ کو دینا ہوگا۔ شاہ حسین کی یہ کافی انہی دو حوالوں سے ہے کھیڑوں کا کردار جو کسی دوسرے کا حق چھین کر لے جاتے ہیں منفی کردار کا حامل ہے اسی کو شاہ حسین نے قسمت کے لکھے سے تعبیر کیا ہے جس میں تبدیلی کے امکانات مفقود ہیں۔ کیوں کہ اس کا اختیار صرف قادرِ مطلق کو ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک کی ڈور ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کے بغیر پتا تک نہیں ہل سکتا۔ یہی بات سمجھانے کے لئے شاہ حسین نے مچھلی سے تشبیہ دی ہے کہ مچھلی پکڑتے وقت ایک خاص قسم کا کانٹا (کنڈی) ڈور سے باندھ کر تالاب میں پھینکا جاتا ہے اور مچھلی اُسے اپنی خوراک سمجھ کر نگل لیتی ہے جو اُس کے وجود میں اس طرح پیوست ہو جاتا ہے کہ اُس کے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں بچتی اب جس کے ہاتھ میں ڈور ہے وہ جس طرح چاہے کھینچے یہ اُس کی مرضی پر ہے، مچھلی کس کرب اور درد میں مبتلا ہے۔ وہ اس سے بے نیاز ہے —— کھیڑے جو یہاں دنیا کا کردار ادا کر رہے ہیں شاہ حسین کو حق دار خیال نہ کرتے ہوئے خوامخواہ حق جتانے والوں میں شمار کرتے ہیں اور رانجھن جو ایک مثبت Symbol کے طور پر اس کافی میں ایک کردار کا روپ دھارے ہوئے ہے وہ

مستحق قرار پاتا ہے بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قسمت کا لکھا ٹل نہیں سکتا اور نہ ہی اس کا اختیار کسی کو ہے سوائے رب کائنات کے کہ وہ قادرِ مطلق ہے اسی تناظر میں راقم کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے۔

بس اک یہی ہے مرے پاس صبر کی صورت
ترے بچھڑنے کو قدرت کا فیصلہ سمجھوں!

(یوسف مثالی)

(79)

ماٹی سیوں رل جانا!

کیوں گمان جندونی، آخر ماٹی سیوں رل جانا
ماٹی سیوں رَل جانا تے سر پر دنیا جانا
میر، ملک، پاتشاہ، شہزادے، چوآ چندن لاندے
خوشیاں وچ رہن متوالے، ننگے پیریں جاندے
لا اُبالی درگاہ صاحب دی، کہیں نہ چلدا مانا
آپوں آپ جواب پچھیسی، کہے حسین نمانا

الفاظ و معنی:

گمان ـــــ غرور۔ تکبر۔ مان
جندونی ـــــ اے زندگی۔ اے جان
ماٹی سیوں رل جانا ـــــ مٹی میں مل جانا۔ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانا
سر پر ـــــ ضرور، ہر حال میں، لازماً
پاتشاہ ـــــ بادشاہ
چوآ ـــــ جلتی ہوئی لکڑی
چندن ـــــ صندل۔ ایک خوشبودار درخت کی لکڑی کا برادہ جو جلانے سے اور زیادہ خوشبو دینے لگتا ہے
لا اُبالی ـــــ بے پرواہ
پچھیسی ـــــ پوچھے گا

ترجمہ:

اے میری جان تو کس غرور میں ہے تیری حیثیت کیا ہے تجھے مٹی میں ملنا ہے اور اس سے ہرگز ہرگز چھٹکارا نہیں ہے۔ یہ امراء اور شاہ جو دنیا کی عیش و عشرت میں مگن ہو کر اپنے رب کو بھول چکے ہیں اور انہیں احساس ہی نہیں کہ جب خالق بے پرواہ کی طرف سے ان کو بلاوا آ گیا تو ان کی تمام کی تمام خوشیاں یونہی دھری کی دھری رہ جائیں گی اور ان کی کوئی کوشش اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ پھر جب ان سے پوچھا جائے گا تو یہ کیا جواب دیں گے کہ ان کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی عمل نہ ہو گا۔

تشریح:

زندگی عارضی ہے اور کسی عارضی شے کا بھروسہ نہیں ہوتا ——— ہم سب اس بات سے بخوبی آشنا ہیں کہ جو پیدا ہوا ہے اُسے ایک نہ ایک دن مرنا بھی ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ کوئی بڑا، چھوٹا، بوڑھا، جوان مرد، عورت، اور امیر یا غریب ہے موت کا مزہ سب نے چکھنا ہے اگر کوئی اپنے مال و دولت کے بل بوتے پر اس زعم میں ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے یعنی زندگی کے لئے جو طریق کار اپنا رہا ہے وہ اس لئے صحیح ہے کہ وہ بادشاہ ہے۔ امیر ہے اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں تو یہ خیال غلط ہے۔ اور اگر کوئی اس سوچ میں گم ہے کہ اُس کی زندگی بہت طویل ہے تو وہ غلط ہے کہ زندگی بھروسے کے لائق نہیں نجانے کب اللہ تعالیٰ اپنی سونپی ہوئی امانت واپس مانگ لے جس میں لحہ بہ لحہ ہم خیانت کر رہے ہیں اور اپنے گناہوں میں اضافہ کر رہے ہیں ہمیں یہ امانت جس طرح استعمال کرنے کے لئے دی گئی ہم نے وہ حق ادا نہیں کیا اور اگر کیا بھی تو صرف تھوڑی بہت خدا خوفی کے حوالے سے جو ہمارے لئے ناکافی ہے ——— اور ہماری بخشش کا ذریعہ بننے کے لائق نہیں۔

اگر ہم واقعی پوری غیر جانب داری سے غور کریں تو ہم زندگی کو ایسے

گذارنے کے عادی بن چکے ہیں جیسے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت کے طور پر ہمیں نہیں نوازی گئی بلکہ ہماری کوئی ذاتی ملکیت ہے۔ جس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں جیسے چاہیں اپنی مرضی سے اس کو جس سانچے میں ڈھالیں اور جو روپ رنگ اسے دینا چاہیں دے دیں ——— گویا ہم اپنی زندگی کے مختارکل بننے کی کوشش میں رہتے ہیں جب کہ ہماری سوچ، ہمارا کردار، اور ہمارے ہماری زندگی کے بارے میں خیالات کسی بھی طرح جائز اور درست نہیں کیوں کہ ہماری زندگی اللہ کی دی ہوئی امانت ہے جسے ہم نے اُسے لوٹانا ہے اس زندگی کو اپنے اللہ کے حکم کے مطابق گزار کر۔ اور ہم آپ اس بات سے ہرگز لاعلم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس راستے پر چلنے کا حکم فرمایا اور اس کے لئے پیغمبران دین بھیجے گئے جو ہمیں ہدایات پہنچاتے رہے اور اپنے عمل اور کردار سے ہماری سمت درست کرنے کی تگ و دو کرتے رہے۔ اور پھر رب العالمین نے انسان پر بے شمار احسانوں سے بڑھ کر دو عظیم ترین احسان قرآنِ حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں کئے اور فرمادیا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مگر افسوس ہم نے امانت میں خیانت کے عمل کو ترک نہ کیا اور زندگی کو اس قدر بے ترتیب اور بدشکل سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت لگتی ہی نہیں۔ ہم نے مکارانہ، ظالمانہ رویّوں سے زندگی کو مفلوج کردیا اپنی مفاد پرستی، نفس پرستی، عیاشی، توہم پرستی اور مکروہانہ اعمال سے زندگی کو داغدار کردیا اب جب یہ زندگی لوٹائی جائے گی تو کیا ہم شدید شرمندگی و پشیمانی سے اپنے آپ کو بچاسکیں گے کیا ہم جواب دے سکیں گے کہ ہم نے یہ سب کیوں کیا جب کہ ہمارے رب کی طرف سے ہمارے لئے ہماری تمام ضرورتوں کے مطابق نعمتیں موجود تھیں ہم نے دوسروں کا حق کیوں چھینا، کسی کو اس لئے قتل کیوں کیا کہ اُس کا حصہ بھی ہمیں مل جائے ہم نے وہ کیوں نہ کیا جو ہمارے رب نے ہم سے چاہا اور جس میں ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ ذرا سوچیے کہ جو کچھ اللہ نے ہم سے چاہا۔ کتنا حسین، سکون بخش، اور آسان ہے اور ہم بھی اُس کی رضا کے مطابق کوئی کام سرانجام دے لیتے ہیں تو کس قدر سکون

واطمینان سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم اُس طرف دھیان دیں تب ہی دیکھ پائیں گے ہمیں تو ہمارے لالچ نے اندھا کیا ہوا ہے۔ ان سب باتوں کا کوئی جواز، کوئی جواب، کوئی عذر ہے ہمارے پاس۔ نہیں —— مگر وہ بخشن ہار ہے اُس کی رحمتیں ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے ہیں جو تھوڑا بہت وقت بچا ہے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے رب سے اُس کی رحمتوں کی درخواست کر لیں نیک اعمال سے اُن داغوں کو دھونے کی کوشش کر لیں جو دن بدن پختہ ہوتے جا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ داغ مٹنے نہ پائیں۔ اور ہم مٹ جائیں۔

ہے خوف اگر جی میں، تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہے، تو ہے تیرے کرم کا

(میر درد)

(80)

ہنجھو درد روائیاں نی!

گوبکوا دن چار گوے! سیاں کھیڈن آئیاں نی
بھولی ماؤ نہ کھیڈن دیئی، ہنجھو درد روئیاں نی
چند کے چاندن سئیاں کھیڈن، غافل تمر رہائیاں نی
ساہورڑے گھر البت جانا، جانن سے سبھرائیاں نی
کہے حسین فقیر نمانا، چائیاں توڑ نبھائیاں نی

الفاظ و معنی:

گوبکوا دن چار گوے ـــــ پڑاؤ۔ مراد ہے چار دن کی زندگی

سیاں ـــــ سہیلیاں سکھیاں

ہنجھو درد روائیاں ـــــ درد کے آنسو رلانا

چند کے چاندن ـــــ چاند کی چاندنی

تمر ـــــ اندھیرا۔ تاریکی۔ ظلمت

البت ـــــ آخر

سبھرائیاں ـــــ سہاگنیں۔ شادی شدہ عورتیں

توڑ ـــــ آخر تک

ترجمہ:

زندگی چار دن کی ہے سہیلیاں کھیلنے کے لئے آئی ہوئی ہیں اے میری بھولی ماں تُو مجھے کیوں نہیں کھیلنے دیتی مجھے نہ کھیلنے کا شدید دکھ ہے اور میں رو رہی ہوں سہیلیاں چاندنی

میں کھیل رہی ہیں اور غافل اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آخر کار محبوب حقیقی سے ملنا ہے سب نے اپنے اپنے گھر جانا ہے۔ شاہ حسین عاجز بندے کا کہنا ہے کہ جو وعدے کیے ہوئے ہیں وہ نبھانے پڑیں گے۔ جو قسمیں اُٹھائی ہیں اُن کو پورا کرنا پڑے گا۔

تشریح:

تھوڑی سی زندگی جو ہمیں ملتی ہے وہ عارضی طور پر ہمارے پاس ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے خالقِ حقیقی کی عبادت میں اس وقت سے استفادہ کریں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق دن گزار رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا نور اُن پر نچھاور ہو رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں اُن پر نازل ہو رہی ہیں اور جو لوگ غفلت کا شکار ہیں یعنی دنیا کی مسرتوں، آسائشوں اور عیش پرستی میں میں مگن ہو کر اللہ کی عبادت اور اُس کے بتائے ہوئے راستے سے غافل ہیں وہ واقعی اندھیرے میں ہیں اور وہ بھول چکے ہیں کہ اُنہوں نے اللہ کے حضور بھی حاضر ہونا ہے اور جب وہ اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال سمیت پیش کئے جائیں گے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اور اُن سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

شاہ حسین کا کہنا ہے کہ ہم اپنے اللہ سے جو وعدہ کر کے اس دنیا میں آئے تھے وہ ہمیں پورا کرنا چاہیے اور پورا کرنا بھی پڑے گا۔ اور وہ وعدہ ہے کہ ہم اپنے رب کی عبادت کریں گے اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے ہر کام اُس کی رضا کے لئے کریں گے اُس کی مخلوق کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں گے۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لانے کے لئے اُس کے حضور جھکیں گے ——— مگر ہم اپنا وعدہ بھول گئے۔ نفسانی خواہشوں میں اپنے آپ کو الجھا لیا اللہ کے قوانین کی پاسداری نہ کی اور شیطان سے ناطہ جوڑ لیا۔ جس کی وجہ سے ہم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے اور اللہ کے عذاب کو دعوت دی۔ ہمارا رب ہمیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

بُلھے شاہ کی ایک کافی یاد آرہی ہے جو اسی مضمون سے مرصع ہے آپ بھی محظوظ ہوں وہ بھی ہمیں زندگی کی بے ثباتی کا اشارہ دے رہے ہیں اور ہمیں اس وقت سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی نصیحت فرما رہے ہیں۔

اب تو جاگ مسافر پیارے!
رین گئی لٹکے سب تارے
آوا گون سرائیں ڈیرے
ساتھ تیار مسافر تیرے
اجے نہ سُنیوں کوچ نقارے
اب تو جاگ مسافر پیارے!
کر لے اَج کرنی دا وَیرا
مُڑ نہ ہوسی آون تیرا
ساتھی چلّو چلّ پکارے
اب تو جاگ مسافر پیارے!
مُوتی چونی پارس پاسے
پاس سمندر، مرو پیاسے
کھول اکھیں اُٹھ بوہ پکارے
اب تو جاگ مسافر پیارے!
بُلھا! شوہ دی پَیری پڑیئے
غفلت چھوڑ کُجھ حیلہ کریئے

مرگ جتن بن کھیت اجاڑے

اب تو جاگ مسافر پیارے!

رین گئی لٹکے سب تارے!

(بلھے شاہ)

(81)

گھر سوہن سیاں ایتڑیاں!

گھر سوہن سیاں ایتڑیاں
کائیاں بھکھیاں، کائی تہائی، کائی جگیندیاں، کائی تندرائی
کئیاں سکھیاں ڈنڈ مچائی، گھر دیاں سبھ منجھ بھیتڑیاں
جو پنجاں نوں دھاگہ پائے، سے سبھرائی گنت رجھائے
ہوڑھیاں ہٹکیاں رہن نہ مولے، ڈونگھے چکڑ لٹیڑیاں
پنجے سکھیاں اِکو جیہیاں، حکم سنجوگ اکٹھیاں ہویاں
کہے حسین بشری سیاں، آئے پون اپھیتڑیاں

الفاظ و معنی:

سوہن ــــــ اچھی لگنے والی۔ خوبصورت، نظر کو بھانے والی

ایتڑیاں ــــــ اتنی۔ اس قدر

کائیاں ــــــ کئی

تہائی ــــــ پیاسی۔ تشنہ

جگیندیاں ــــــ جاگتی ہوئی

تندرائی ــــــ سوئی ہوئی

ڈنڈ مچائی ــــــ چور مچایا۔ دہائی دی

منجھ ــــــ اندر

بھیتڑیاں ــــــ بھیدی

جو پنجاں نوں دھاگہ پائے ـــــ پانچوں حواس کو نکیل ڈالے۔ قابو کرے

ے ـــــ وہ

سہاگن ـــــ سگھڑ ائی

گنت رجھائے ـــــ اپنے خاوند کو خوش کرے

ہوڑھیاں ہٹکیاں رہن نہ مولے ـــــ منع کرنے کے باوجود منع نہ ہوں۔ ضدی۔ اڑیل

ڈونگھے ـــــ گہرے

چکڑ لبڑیاں ـــــ کیچڑ سے آلودہ۔ گندگی سے بھری ہوئی۔ کیچڑ میں لیٹی

پنج سکھیاں ـــــ پانچوں حواس

اِکو جیہیاں ـــــ ایک جیسی۔ برابر۔ ہم پلہ۔ ہم مقام

حکم سنجوگ اکٹھیاں ہویاں ـــــ اللہ کے حکم سے سب اکٹھی ہوگئیں

بشری سیاں ـــــ اللہ کا بندہ۔ محبوب کا بندہ

پون ـــــ ہوا

اچیتڑیاں ـــــ دفعتاً۔ اچانک۔ بغیر اطلاع کے۔ یکا یک

ترجمہ:

گھر میں سب دوست اکٹھے رہتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں مگر کئی بھوکے ہیں، کئی پیاسے اور کئی جاگ رہے ہیں اور کئی سوئے ہوئے ہیں اور ان میں سے جو گھر کے بھیدی ہیں شور مچا رہے ہیں۔ جس نے پانچوں حواس کو نکیل ڈال لی یعنی اپنے نفس کو مار لیا وہ کامیاب ہے اور اُس نے اپنے اللہ کو خوش کر لیا ہے۔* جو لوگ اللہ کی راہ اختیار نہیں کرتے

* حدیث نبوی ﷺ ہے موت سے پہلے مرجاؤ یعنی موت سے پہلے نفسانی خواہشات کو مار دو۔

وہ گندگی سے بھرے ہوئے ہیں، پانچوں حواس کا ایک ہی مقام ہے سارے کے سارے ایک جیسے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا کر دیا ہے۔ شاہ حسین سب سے کہہ رہے ہیں کہ کسی دن اچانک بلاوا آجائے گا۔

تشریح:

حواس خمسہ جو ہماری زندگی کو ترتیب دینے کا کام کرتے ہیں اور اسی ترتیب کے تحت ہمارا کردار ہمیں دوسرے پر ظاہر کرتا ہے اور اس ظاہر پن سے جو شعاعیں دوسرے تک پہنچتی ہیں اُسے ہماری فطرت کہا جا سکتا ہے —— گویا حواس خمسہ ہی ہیں جو ہماری تمام ترحرکات وسکنات اور عادت کو مجموعی صورت میں ہمارے جسم کے اندر انڈیلنے کا ذمہ دارانہ کام سرانجام دیتے ہیں جس سے ہر انسان کی زندگی عبارت ہے۔

چونکہ ہر انسان حواس کا مرہون منت ہے اس لئے وہ عام طور پر اپنے حواس کی جانچ پڑتال سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس وہ لوگ جو کسی بھی طرح سمجھوتہ کرنے کے قائل نہیں ہیں وہ ہمیشہ اپنے حواس کو نکیل ڈالے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ خود وہ اس کے ماتحت رہ کر اس کی مرضی سے اپنے آپ کو زندگی کی طبع آزمائیوں کے سپرد کریں وہ حواس کو اپنے تحت رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے ان کے لئے سمتیں متعین کرتے ہیں —— یہ کوئی انہونی بات نہیں، شاہ حسینؒ، بلھے شاہؒ۔ شاہ شمس تبریزؒ، بہاؤالدین زکریاؒ اور کئی دوسرے اولیاؒ کرام اور صوفی جنہوں نے اپنی اپنی زندگی میں یہ ثابت کر دیا کہ اُنہوں نے ان منہ زور گھوڑوں کی لگامیں ہمیشہ کھینچ کر رکھیں اور انہیں کبھی اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا —— شاہ حسین کی یہ کافی ہمیں اسی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے کہ ہم اپنے حواس جن کی بدولت ہمیں اپنے باہر اور اندر کی تمام صورتِ حال کا جائزہ لینے کی اہلیت میسر آتی ہے وہ دراصل ہمارے اپنے اختیار میں ہونے چاہئیں تا کہ ہم جس بیرونی و اندرونی معمولات سے جس قدر تاثر قبول کرنا چاہیں کریں یا اُنہیں رد کرنے کے لئے ہماری اپنی قوتِ ارادی کسی بھی طرح کمزوری کا شکار نہ ہو —— یہی وہ عمل ہے جسے موت سے پہلے

مرنا بھی کہا جا سکتا ہے ـــــــ اور اگر ہم یہ مقام حاصل کرنے میں کامرانی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے کی طرف راغب ہوتے ہیں جو نہ صرف سعادت عظمیٰ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے حوالے سے بھی باعثِ ثواب و باعثِ نجات کا ذریعہ ہے۔ دوسرے ہم اُن خواہشات و جذبات سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں جو ظاہراً ہمیں سود مند دکھائی دے رہے ہوتے ہیں مگر ہمارے لئے کسی بھی طرح فائدہ مند نہیں ہوتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہی خواہشات و جذبات ہمیں دنیا کی رسی سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیتے ہیں اور ہوس و لالچ کی سیاہ پٹی سے ہماری آنکھیں بند کر دیتے ہیں جس سے ہمیں سوائے ان کا احساس ہونے کے کوئی دوسری شے دکھائی نہیں دیتی۔ یعنی یہ لالچ ہمیں مفاد پرستی کے ہاتھوں میں کھلونا بنا دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرتی اور جب ہم پوری طرح مفادانہ سوچ کی گرفت میں آ جاتے ہیں تو ہمارا ہر عمل شیطانی ہو جاتا ہے جو کسی بھی دوسرے انسان کو ایک آنکھ نہیں بھاتا جس سے ہم اللہ کی مخلوق کے حقوق تلف کرنے کے مرتکب بھی ہوتے ہیں اور انسانی سطح سے غیر انسانی سطح تک اُتر آتے ہیں دوسرا بڑا نقصان جس کی تلافی ممکن نہیں رہتی ہے وہ ہے اپنے اللہ کی نافرمانی اور اُس کے حبیب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے انحراف جس کی وجہ سے ہم اُس اللہ رب العزت کا ذکر کرنے، شکر کرنے، عبادت کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں جو ہمارا سب کا پالنہار ہے، ہمارا رب ہے ہماری زندگی و موت کا مالک ہے ہمیں نعمتیں نواز نے والا ہے غرض ہر اعلیٰ سے اعلیٰ صفتوں کا مالک ہے۔ اور ہمیں بخشنے، نہ بخشنے پر قادر ہے۔ اور جب ہم اپنے اللہ کی ناراضگی مول لے لیں گے تو آپ ہم خود اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارا پھر کیا ٹھکانہ ہے ہماری کیا حیثیت ہے۔ ہم اللہ کی بنائی ہوئی کس چیز کے حق دار رہ سکیں گے ـــــ یہ حق حاصل کرنے کے لئے اپنے اللہ سے رجوع کریں اُس کی رحمتوں کے طالب بنیں۔ اور اپنے حواس خمسہ کو اپنا مطیع کرتے ہوئے اللہ کی رضا کے مطابق اُن سے کام لیں کہ یہی ہمارا شیوہ اور یہی اطاعت ہے۔

حواس خمسہ جو ہمارے نفس کا دوسرا نام ہے کے بارے میں مختلف صوفیا نے اپنے

اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور وہ خیالات ایک ہی سمت سفر کرتے محسوس ہوتے ہیں جس کی تصدیق کے لئے پیشِ خدمت ہے سلطان باہوؒ کا یہ دوہڑہ۔

"اللہ" پڑھیوں حافظ ہویوں، نہ گیا تیرا پردا ہو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویوں، طالب ہویوں زر دا ہو
لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں، ظالم نفس نہ مردا ہو
باجھ فقیراں کوئی نہ مارے، ایو چور اندر دا ہو

(سلطان باہو)

اور ایک جگہ سلطان العارفین یہ بھی ارشاد فرمارہے ہیں۔

اوہو نفس اساڈا بیلی، نال جو ساڈے سِدھا ہو
جو کوئی اُس دی کرے سواری نام اللہ اُس لِدھا ہو
زاہد عابد آن لوائے، ٹکڑا ویکھن تھِدھا ہو
راہ فقیر دا مشکل باہو، گھر نہ سیرا رِدھا ہو

(سلطان باہو)

اور یہ شعر بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

اپنے احساس کا قتیل ہوں میں
میرا قاتل مرے وجود میں ہے

(عارف عبدالمتین)

(82)

ترا کھیڈن نال پیار جِندو!

راتیں سویں، ڈینہیں پھردی توں وتیں

تیرا کھیڈن نال پیار جِندو
کدی اُٹھ رام سمار جِندو
ساہورڑے گھر البت جانا
پیورڑے دن چار جِندو
اج تیرے مُکلاوو آئے
رہے نہ کوئی پچار جِندو
کہے حسین فقیر سائیں دا
آون ایہی وار جِندو!

الفاظ و معنی:

ڈینہیں پھردی تُوں وتیں ——— دن کے وقت آوارہ گردی کرنا۔ ادھر اُدھر فضول میں پھرنا اور چکر لگانا

جِندو ——— میری جان۔ میری زندگی

رام سمار ——— اللہ کی طرف دھیان دے، اللہ کو یاد کر

ساہورڑے ——— سسرال

البت ——— آخرکار

پیورڑے ——— ماں باپ کے گھر، میکے

مکلاروــــــــــ شادی کے فوراً بعد دلہن کو واپس دولہے کے گھر لے جانے والے، مکلاوا لے جانے والے

بچارــــــــــ بہانہ۔عذر۔سوچ

ایہی وارــــــــــ اسی مرتبہ مراد ایک ہی بار، ایک ہی دفعہ

ترجمہ:

رات کو آرام کی نیند سو جاتا ہے اور دن کے وقت آوارہ گردی کرتا رہتا ہے تیرا سارا دھیان فضول کاموں میں اور باتوں کی طرف ہے تو نے کبھی اپنے اللہ کا ذکر بھی کیا ہے کل کو جب تو اپنے اللہ کے حضور جائے گا تو کیا جواب دے گا اس دنیا میں تو دو چار دن رہے گا کہ دنیا ہے ہی چار دن کی، یہاں کسی کا ٹھکانہ مستقل نہیں ہے۔اور جب تجھے فرشتۂ اجل لینے کے لئے آجائے گا پھر تیرے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی تیرا عذر قابلِ قبول ہوگا۔اور نہ ہی تجھے دوبارہ یہاں آنے کا موقع ملے گا۔آج شاہ حسین بندۂ خدا تجھے بتا رہا ہے سمجھا رہا ہے کہ اس وقت سے فائدہ اُٹھا لے۔

تشریح:

بیشتر کافیوں میں شاہ حسین نے اس سے ملتے جلتے مضمون کو بیان کیا ہے۔اس سے اُن کے اُس احساس کی شدت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ وہ کس قدر ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں جو مزاجاً اور روایتاً ایسے راستے کے مسافر ہیں جس کی منزل نہ ہے نہ تھی نہ ہوگی اور ایک باشعور اور ذمہ دار ہونے کے ناطے شاہ حسین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسے مسافر کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں صحیح ڈگر پر ڈال دیں تا کہ وہ درست سمت سفر کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں ـــــــ اور ایسا ہی شاہ حسین نے کیا ـــــــ ورنہ اُن کی کافیوں میں مندرجہ کافی کے مضمون کی بہتات نہ ہوتی۔ دوسری جو قابلِ ذکر بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ شاہِ حسین ایک ہی لفظ کو منفی اور مثبت

دونوں معنوں میں استعمال کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اسی کافی سے ظاہر ہے ——— لفظ ''کھیڈن'' کو اُنہوں نے پہلی کافیوں میں * بمعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کا وسیلہ گردانا ہے جب کہ اس کافی میں کھیڈن سے مراد اپنے فرائض سے کوتاہی، غفلت، بے مقصد زندگی گزارنا اور آوارہ گردی کے ہیں۔

اس کافی میں آگے چل کر شاہ حسین دنیاوی رشتوں کے استعاروں سے حقیقی رشتے کی بات کرتے ہیں جیسے کسی لڑکی کی شادی ہونا ماں باپ کے گھر سے رخصت ہونا اور سسرال جانا وغیرہ وغیرہ۔

اب ماں باپ کے گھر میں ظاہر ہے جس آزادی اور خود مختاری سے زندگی گزاری جاتی ہے سسرال میں اس کے امکانات نہیں ہوتے اور جو فن یا ہنر ماں باپ کے گھر میں سیکھا جاتا ہے وہ سسرال میں کام آتا ہے جس کی وجہ سے سسرال میں عزت و آبرو میں اضافہ ہوتا ہے اسی کو جب ہم حقیقت کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو شاہ حسین جو ہمیں دکھانا چاہتے ہیں، جو ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں اُس تک رسائی ممکن نظر آتی ہے۔ اور ہم آسانی سے اُس روشنی کو دیکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو تاریک رات میں کہیں دُور سے نظر آرہی ہوتی ہے اب اُس تک پہنچنے کا عمل باقی ہے۔ اُسے حاصل کرنے کی خواہش باقی ہے۔ جس کے لئے کچھ طریقِ کار وضع کر دیئے گئے ہیں۔ اور وہ طریقِ کار اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اور سیدھی راہ کا انتخاب ہے جو ہمیں اُس روشنی تک جلد پہنچا دے، یعنی شریعت پر عمل اور چار دن کی زندگی میں ہوس کاری، اور نفس پرستی سے پرہیز، اپنا محاسبہ، اور رب کریم کے کرم اور فضل کی طلب اور توبہ کی توفیق، گناہوں سے بچے رہنے کی تگ و دو اور اللہ کے بندوں سے حسنِ سلوک، مختصراً ہر نیک عمل کی کوشش اور بُرے عمل سے نفرت سے عبارت ہے۔

اور یہ بات بھی کسی طرح غلط نہیں کہ اس دنیا میں صرف اور صرف ایک بار ہی ایک انسان کو بھیجا جائے گا اور اسی میں اُسے اپنے بہتر یا بہتر نہ ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہو

---

* آپ اسی کتاب میں ''کھیڈن'' لفظ کو بمعنی عبارت کے پڑھ چکے ہیں۔

گا ــــــ پھر ہم لوگ کس انتظار میں ہیں ہر لحہ جو گزر رہا ہے وہ ہم سے ایک ساعت چھین رہا ہے اور ہم اُس ساعت میں بھی اپنے اللہ کا ذکر کرنے سے محروم رہے اور یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم اپنی کوتاہی کو چیک نہیں کرتے ہم اپنی سوچوں کی سمت متعین نہیں کرتے۔ اور اپنے رب کی طرف دھیان دینے سے کتراتے ہیں شاید ہم یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ ہم اس لائق نہیں کہ اپنے رب سے التجا کرسکیں اپنی بہتری کے لیے دُعا کرسکیں۔ ہماری یہ سوچ سراسر غلط ہے کہ وہ تو ہمارا پروردگار ہے، رحیم ہے، رحمٰن ہے کریم ہے، حلیم ہے اور وہ ہماری ہر حالت کو ہم سے زیادہ جانتا ہے پھر اُس سے رحم مانگنے اور توبہ کرنے کے لئے ہماری شرمندگی ہمارے آڑے کیسے آسکتی ہے ہم اُس کے حضور کھڑے تو ہوں ہم اُس کو اُس کے حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ تو دیں اُس کی رحمتوں کو پکاریں تو سہی ــــــ کہ یہ ممکن نہیں بندہ اپنے اللہ کو پکارے تو وہ اُس کی مدد کے لئے نہ آئے۔

آیئے اپنے اللہ سے مدد مانگیں اور توفیق مانگیں کہ وہ ہمیں دنیا کی دلآویزیوں کا گرویدہ ہونے کی بجائے اپنی رحمتوں کا گرویدہ کرے۔ اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہمیں اپنے نیک بندوں میں شمار کرلے۔ آمین

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں، رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بے زار دوزخ سے، نہ میں مشتاق جنت کا
فروغِ جلوۂ توحید کو تُو برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہلِ ضلالت کا
مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سُنت کا
امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں۔ یعنی
ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا
(مؤمن)

(83)

اک عرض نمانیاں دی سُن جِند نی!

اک عرض نمانیاں دی سُن جِند نی
سُرت دا تانا، نرت دا بانا
ہر ہر پٹیا ؤن جِند نی
رام بھجن بن بازی ہاریں
بھیاں ای سو لُن جِند نی
کاہے گربیں دیکھ جوانی
خان خوانی تے سُلطانی
کال لئیاں سبھ چُن جِند نی
کہے حسینؒ فقیر گدائی
پچھی پُونی دے لٹائی
شوہ نوں ملنی ہیں ہن جِند نی

الفاظ و معنی:

سُرت ——— عقل، ہوش، سمجھ
نرت ——— عبادت۔ اپنے اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنا
تانا بانا ——— پیوستگی
ؤن ——— اُون۔ دھاگہ۔ سُوت وغیرہ

رام بھجن ــــــ اللہ کی عبادت، اللہ کا ذکر

بِیجیا ــــــ بویا۔ کاشت کیا

لُن ــــــ کاٹنا۔ حاصل کرنا۔ نتیجہ

گربیں ــــــ مان کرنا، گھمنڈ کرنا۔ غرور کرنا۔

خان خوانی تے سُلطانی ــــــ آن بان، شان و شوکت، ٹھاٹھ

کال لَیاں ــــــ موت نے لے لیں۔ موت نے چُن لیں، یعنی موت

واقع ہوگئی۔ ختم ہونا

فقیر گدائی ــــــ مراد انتہائی انکسار

چَھپی پُونی ــــــ اٹیوں سے بھری ٹوکری (مراد اعمالوں کی ٹوکری) یعنی سب کچھ

شوہ ــــــ رب العالمین۔ محبوبِ حقیقی

ترجمہ:

اے زندگی اے جان ہم عاجزوں اور لاچار لوگوں کی ایک عرض سُن لے، عقل اور ہوش اور عبادتِ الٰہی کی بیونگی سے جو کچھ نتیجہ سامنے آرہا ہے۔ وہی کامیابی ہے اگر تو اس کا عادی نہیں اپنے اللہ سے عشق کے لطف سے آشنا نہیں تو بے کار ہے تیری کوئی کامیابی تیرے کسی کام کی نہیں جس نے جو بویا ہوتا ہے اُسے وہی کاٹنا ہوتا ہے۔ یعنی جو کچھ بھی کرے گا وہی کچھ بھرے گا۔ تو جوانی کے غرور میں غفلت کا شکار ہو رہا ہے یہ رُعب، یہ آن بان سب ختم ہونے والی ہے اس کی کوئی حقیقت ہے نہ اہمیت ــــــ اگر کوئی اہمیت اور حقیقت ہے تو صرف اس کی کہ تو اپنا سب کچھ اپنے اللہ کی راہ میں قُربان کردے اور اُس کے وصال کا حق دار بن جا۔ کہ وہ اپنے بندوں سے بے پناہ پیار کرنے والا ہے۔

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین ہمیں اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کی تلقین کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہمیں انکسار اور عجز کا سبق دے رہے ہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہترین عمل ہے۔ اور یہ تو طے ہے کہ انسان جو کرے گا سو بھرے گا جو بوئے گا سو کاٹے گا اس لئے نیک اعمال کرنے والے اجر و ثواب حاصل کرتے ہیں اور جو گناہوں سے آلودہ ہیں وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اس حوالے سے، میر درد کا ایک خوبصورت شعر یاد آ رہا ہے۔

اے درد! منبسط ہے ہر سُو کمال اُس کا
نقصان گر تُو دیکھے، تو ہے قصور تیرا!

(خواجہ میر درد)

مگر ہم یہ سب جانتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں اور اس حقیقت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس موجود ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، ہمارے اختیارات، صحت و تندرستی، اور طرح طرح کی نعمتیں، ہمارا اپنا کیا ہے جس پر اتنا غرور، تکبر، زعم ہمارے پاس سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہے سب سے بڑی شے زندگی جس کے ہونے سے سب کچھ ہے اگر زندگی نہیں تو کچھ بھی نہیں، جب یہ ہم سے چھین لی جائے گی تو باقی کیا رہتا ہے۔ کہ ہم جب تک ہیں تب تک ہی ہماری خواہشیں آرزوئیں، تمنائیں ہیں اور جب ہم خاک میں مل جائیں گے تو جو کچھ بھی ہوگا وہ کسی دوسرے کا ہوگا سو مختصر سی زندگی جو نجانے کس وقت واپس لے لی جائے۔ کم از کم اسے سنوارنے کی کوشش کرنا تو ہمارا فرض ہے۔ اور یہ سنوارنا مشکل ترین ہے اور آسان ترین بھی۔ مشکل اس لئے کہ جب ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ ہماری زندگی کا سنگھار ایسا ہو کہ وہ ہمارے رب کو پسند آ جائے تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اور آسان اس لئے کہ جب ہم اپنی زندگی کے نقش و نگار کو سلیقے سے ترتیب دینے کی کوشش کریں گے تو پھر ہم اکیلے ہی اس کوشش میں نہیں ہوں گے بلکہ پاک پروردگار کی مدد قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائے گی اور وہ سبب پیدا

فرمادے گی جو انسانی عقل وفہم کے احاطے میں آ ہی نہیں سکتے۔اور ہمارے حصے میں کامرانی لکھ دی جائے گی۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ خاص ہوگا۔اور جب وہ اپنے بندوں پر احسانِ خاص کرنے والا، انسان کی قدم قدم پر رہنمائی اور اس پر رحمتیں کرنے والا اور اس کی خطائیں معاف اور درگزر کرنے والا خود ہماری بخشش کے بہانے تلاش کر رہا ہے تو اس سے بڑھ کر ہماری بدنصیبی کیا ہوگی کہ ہم پھر بھی اُس کی طرف دھیان نہ دیں، اُس کی عبادت سے جی چرائیں، اُس کے برگزیدہ بندوں کا احترام نہ کریں اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے اپنے لئے جہنم کی آگ کو دعوت دیں۔

ذرا سوچیے کیا ہم اُسی کے دیئے ہوئے سے اُس کی خوشی کے لئے کچھ بھی اُس پر قربان نہیں کرسکتے، جب ہے ہی سب کچھ اُسی کا تو پھر اُس کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کیوں، ہم اپنی طرف سے تو کچھ بھی اُسے پیش کرنے کے اہل ہیں ہی نہیں تو پھر اس سعادت سے اجتناب کیوں صرف اس لئے کہ ہماری لالچ، اور نفسانی کشش، جس کو ہمیں نے منہ زور کیا ہوا ہے جو ہماری اپنی پیدا کردہ ہے اُسی کے چنگل میں پھنس کر ہم اپنے اللہ کو ناراض کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔افسوس ہمیں سنبھلنے کا موقع دیا گیا، مگر ہم نے گنوا دیا۔ہم اپنے اللہ کے حضور کیا مُنہ لے کر جائیں گے اے بندۂ خدا اپنے اللہ کے سامنے جھک اور اپنے گناہوں سے توبہ کر اور جان لے کہ جو کچھ اُس نے تجھے نوازا ہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔تمہاری لالچ، ہوس، نفس یہ سب تیرے دشمن ہیں اور تیرا رب ہی صرف تیرا سچا دوست اور ہمدرد ہے۔

ہم نصیبو! ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جب ہم اپنے لالچ اور نفس کی پرستش کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں تو کیا ہم اپنے دین پر قائم رہتے ہیں ——— ہرگز نہیں کیوں کہ ہم اس حوالے سے ہر چیز پر اپنے آپ کو فوقیت دیتے ہیں۔اور اللہ کے سوا کسی دوسری شے میں اتنا دھیان دیتے ہیں جس کی وہ کسی بھی طرح مستحق نہیں۔ یہی دھیان اگر اللہ تعالیٰ کی شان اور رحمتوں کی طرف دیا جائے تو ہم نہ صرف دنیا بلکہ اپنی آخرت میں بھی سرخرو ہونے کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔اور کسی ایسے گناہ کی زد میں نہ آئیں

جو نا قابلِ معافی ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور وہ اپنی رحمت سے گناہ معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے ـــــــ مگر ہم بھی تو کچھ کریں اپنے آپ کو اس قابل بنانے کا عہد کریں، کوشش کریں، احساس کریں کہ ہم اپنے اللہ کے بندے بن کر زندگی گذاریں اس کے بتائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی سے پرہیز کریں۔ اُس کے بتائے ہوئے اصول وضوابط سے استفادہ کریں۔ کہ اُس نے پیغمبرانِ اسلام اور اپنے رسولوں کے ذریعے بھی ہمیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی ہے اگر اب بھی ہم نہیں سمجھتے تو پھر ہمارا کیا حال ہونے والا ہے اس کے تصور سے بھی ہماری روح کانپ اُٹھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہمیں اس قابل بننے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اُس کی راہ میں اپنا سب کچھ خوشی خوشی قربان کرنے کے اہل ہوں کہ ہمارے پاس سب کچھ اُسی کا دیا ہوا ہے۔

(84)

چار دیہاڑے گوئل واسا!

کدی سمجھ میاں مر جانا ای

گوڑی سیج سویں دن راتیں، گوڑا تول وہانا ای

ہڈاں دا کلبوت بنا وچ رکھیا بھور ربانا ای

چار دیہاڑے گوئل واسا، چلیو لَد لبانا ای

کہے حسین فقیر مولیٰ دا، سائیں دا راہ نمانا ای

الفاظ و معنی:

گوڑی ـــــ جھوٹی۔ بے حقیقت

تول ـــــ رضائی۔ لحاف ۰

وہانا ـــــ تکیہ۔ سرہانہ

ہڈاں ـــــ ہڈیاں

کلبوت ـــــ جسم۔ ڈھانچہ

بھور ربانا ـــــ روح

چار دیہاڑے ـــــ چار دن، عارضی۔ وقتی، کچھ دیر کے لئے

گوئل واسا ـــــ عارضی ٹھکانہ، سرائے (مراد ہے دُنیا)

لَد چلیو ـــــ چلا گیا۔ گزر گیا

لبانا ـــــ خانہ بدوش۔ بنجارے، جو کبھی کہیں کبھی کہیں پڑاؤ ڈال کر زندگی بسر

کرتے ہیں ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اور یہ اُن بنجاروں کی ایک ذات کا نام ہے۔ جس سے اس کافی میں مندرجہ معنی اخذ کیے گئے ہیں۔

نمانا ـــــــ عاجز

ترجمہ:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں بھی ہمیں راہِ راست پر لانے کی کوشش میں ہیں۔ اور ہم سب کو یہی کہہ رہے ہیں کہ بہتر ہے کہ تو سمجھ جائے یہ دنیا کی سیج جہاں تو آرام کر رہا ہے یہ دو چار دن کی ہے اور تو آرام سے لیٹا ہوا ہے اپنے رب کی طرف راغب ہو۔ اللہ کی طرف دھیان کر، جس نے ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر اس میں روح پھونک دی اور تجھے دنیا میں بھیج دیا، جہاں سب خانہ بدوش ہیں کسی کا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے سب کے سب مسافر ہیں۔ شاہ حسین اپنے مولا کا فقیر اور عاجز بندہ کی بات سن کہ اللہ تعالیٰ عاجزی وانکساری کو بے حد پسند فرماتا ہے اُس تک پہنچنے کا راستہ یہی ہے۔

تشریح:

دنیا کے حسن سے تو کوئی شخص منکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کوئی بھی شے کسی بھی طرح غیر معیاری نہیں اُس کا استعمال جو کچھ اُس سے اخذ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے وہ اگر درست نہ ہوگا تو ہمارے استعمال کرنے کا طریقہ غلط ہوگا اس سے اُس شے کے محاسن کی نفی نہیں کی جاسکتی ـــــــ اور ایسی ہی بے شمار خوبصورت اشیاء سے مل کر بنی ہوئی دُنیا کیسے خوبصورت و دلکش نہیں ہو سکتی۔ مسئلہ دیکھنے والی آنکھ کا ہے۔ یعنی ہمارا باطنی حسن ہماری آنکھوں میں سمٹ کر کسی شے کو جب اپنی بساط کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے خود میں جذب ہونے کی دعوت دیتا ہے اور مقابلتاً مد مقابل کو اپنے آپ پر حاوی خیال کرتا ہے تو وہ شے ہمارے نزدیک حسین ترین قرار پاتی ہے اور اگر کوئی شے اِس کے برعکس ہمارے حسنِ نظر جو اصل میں ہمارا باطنی حسن ہے، کے معیار پر پورا نہیں اُترتی، اور جس قدر پورا نہیں اترتی اُسی

قدر کم خوب صورت تصور ہوتی ہے۔ یہ میزان قدرت نے ہر انسان کو عطا کی ہے۔ جسے کبھی حسنِ نظر کا نام دیا جاتا ہے کبھی اچھی پسند اور معیار کے حوالے سے فیصلہ کیا جاتا ہے——اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میزان کو ہاتھ میں تھام کر ہم کہاں تک انصاف کر پاتے ہیں ایک طرف خارجی حُسن ایک طرف باطنی حسن، جس کا میک اَپ ہر انسان کے اپنے اختیار میں ہے اگر تو اللہ کی یاد اُس کی عطا کردہ نعمتوں کے شکر، اُس کے رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اپنے باطنی حسن کا میک اَپ کیا جائے تو اُس کو نکھار سکتے ہیں اور اگر نفس پرستی، ہوس پرستی اور مفاد جیسی لعنتوں سے اُس کا میک اَپ کیا جائے گا تو ہم ایک طرف تو اپنے باطنی حسن کو بگاڑنے کا کام کر رہے ہونگے دوسری طرف حسن کار جو کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اُس کو خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے اور یوں گناہ گار تو ہوں گے ہی مگر خارجی حسن جو ہمیں قدم قدم پر تقویت دیتا اور ہمیں ہمارے حقیقی حسن کار کے جلووں کی جھلک حسب ظرف نوازتا ہے، سے کیسے انصاف کر پائیں گے، لہٰذا ناچیز کا خیال اپنی رائے سے مکمل طور پر متفق ہے کہ "باطنی حسن سے خارجی حسن کو دوبالا کیا جاسکتا ہے اور باطنی حسن جس حد تک حسن کار کے فیضان سے فیض یاب ہوگا اُسی حد تک خارجی حسن کی جاذبیت قبول کرنے کا اہل ہوگا۔

سو دنیا کی خوبصورتی ہمیں دنیا کی طرف راغب کرتی ہے اور ہم اس کی طرف اس لئے کھنچے چلے جاتے ہیں کہ ہمارے اندر کا حسن اس سے زیادہ نہیں اور اگر اندر کا حسن دنیاوی حسن سے بڑھ کر ہوگا تو دنیا کے حسن میں دلچسپی کا کوئی سبب ہمارے سامنے نہیں رہتا۔

شاہ حسین کی بیشتر کافیوں کی تہوں میں اُترتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے اندر کے حسن کی بات کرتے ہیں کہ ہم اپنے باطنی حسن کا سنگھار سچے، اچھے اور اعلیٰ جذبوں سے کریں نہ کہ بدسلیقہ اور بے ڈھنگے انداز میں——اس کافی میں بھی وہ انسان کو اپنی شخصیت نکھارنے کے گُر سکھاتے ہوئے کہہ رہے ہیں اپنے آپ کو اس دنیا کی بھول بھلیوں سے نکال اور اُس خالقِ حقیقی کی طرف رخ پھیر لے جو تیری سوچوں سے بھی بڑھ کر

رحیم و کریم ہے اور جس نے تجھے ہڈیوں کے ڈھانچے سے جسم بنا دیا اور تجھے روح عطا کر دی تا کہ تو اُس کی عبادت سے سنورنے کی کوشش کرے ـــــــ اس چار دن کی زندگی کو حرص و ہوس کے آگے رہن نہ رکھ دے اور یہ نہ سوچ لے کہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے والا ہے ـــــــ یہاں کوئی چیز تیری ملکیت نہیں، جس کے بل بوتے پر تو اپنے آپ کو اہمیت دے سکے۔ تو کیوں نہ وہ راستہ اختیار کیا جائے جس پر چل کر اپنے اللہ کی رضا اور اُس کی حسن کاری سے سنورنے کے مواقع مل سکیں، کیوں نہ اُسی کے سامنے جھکا جائے جو ہمیں بخشنے والا اور ہمارا حاجت روا ہے۔ کہ اُس کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہمیں عجز و انکساری سے کام لینا چاہیے۔

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فطرت کا

(مومن)

(85)

نر گوڑا مان کریندا ای!

سُن توں نی، کال مریندا ای، ہر بھج نے، گاہک ویندا ای

ڈوہنگے جل وچ مچھلی وسدی، بھئے صاحب دا من نہیں رکھدی

اوس نوں جال ڈھونڈیندا ای

میر، ملک، پاتشاہ، شہزادے، جھلدے نیزے، وجدے واجے

اک گھڑی فنا کریندا ای

کوٹھے، ممٹ تے چوبارے، وس وس گئے کئی لوک وچارے

اک پلک رہن نہ دیندا ای

چڑی جندڑی، کال سچانا، تس دن لاء بیٹھا ہے دھیانا

اوہ اَج کل تینوں پھڑیندا ای

کہے حسین فقیر نمانا، نر گوڑا مان کریندا ای

الفاظ و معنی:

کال ــــــ موت کا فرشتہ۔حضرت عزرائیل علیہ السلام۔ملک الموت

ہر بھج نے ــــــ اللہ کو یاد کرلے

گاہک ویندا ای ــــــ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے

ڈونگھے ــــــ گہرے

بھئے صاحب دا ــــــ اللہ کا خوف، اللہ کا ڈر۔مالک کا ڈر

ڈھونڈیندا ـــــــ تلاش کرتا ہے۔ ڈھونڈ رہا ہے

میر ملک ـــــــ دولت منداور جائیداد کے مالک

پاتشاہ ـــــــ بادشاہ۔ سربراہِ مملکت

جھلدے نیزے ـــــــ لہراتے ہوئے نیزے

اک گھڑی فنا کریندا ای ـــــــ ایک پل میں فنا کر دیتا ہے

ممٹ تے چوبارے ـــــــ اونچے اونچے محل، چوبتروں والے محل

وس وس گئے ـــــــ آباد ہو کر گئے۔ رہ کر گئے

اک پلک ـــــــ ایک لمحہ۔ ایک پل

چڑی جندڑی ـــــــ چھوٹی سی زندگی، کمزورونحیف جان

پچانا ـــــــ چوی مار پرندہ

نس دن ـــــــ ہردن۔ ہرلمحہ

دھیانا ـــــــ گھات۔ تاک میں رہنا

پھڑیندا ـــــــ پکڑنا۔ گرفتار کرنا۔ قابو کرنا

نر ـــــــ انسان۔ بندہ۔ آدمی

کوڑا ـــــــ جھوٹا

مان کریندا ای ـــــــ غرور کرتا ہے۔ تکبر کرتا ہے

ترجمہ:

شاہ حسین ہماری توجہ ہماری موت کی طرف دلوار ہے ہیں اور ہمیں یہ ادراک مہیا کرر ہے ہیں کہ موت ہر پل ہر گھڑی ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے نجانے کب ہمیں دبوچ لے اور وقت گزرتا جارہا ہے اپنے اللہ کی عبادت کرلے کہ یہ گھڑیاں غنیمت ہیں ـــــــ انسان سمجھتا ہے کہ میں مچھلی کی طرح بہت گہرے پانی میں رہ رہا ہوں اور موت شاید وہاں تک نہ پہنچے مگر یہ اُس کی خام خیالی ہے اُسے اپنے اللہ سے ڈرنا چاہیے کہ اُسے موت کا جال ڈھونڈ رہا

ہے وہ کسی بھی وقت اُسے اپنی گرفت میں لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ امراءٔ بادشاہ، شہزادے اپنے اپنے گھمنڈ میں اپنے اللہ کو فراموش کئے ہوئے ہیں موت کے نیزے فضا میں لہرا رہے ہیں کیا خبر کون سا نیزہ کس طرف سے آئے اور کب کس کی جان لے لے اور وہ اپنے اللہ سے توبہ کئے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے، یہ محل، اور یہ محلوں والے سب ختم ہو جانے والے ہیں یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکا اور نہ رہ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر تو کوئی ایک لمحہ بھی اس دنیا میں اپنی زندگی سے زیادہ نہیں گزار سکتا ——— چھوٹی سی زندگی۔ بالکل کمزور جب کہ موت طاقت ور ترین ہر لمحہ اس کی تاک میں بیٹھی ہوئی ہے نجانے کس وقت کون سے لمحے تو اس کی گرفت میں آ جائے کہ یہ زندگی کو مہلت دینے والا نہیں۔ شاہ حسین یہی تلقین کر رہے ہیں کہ اے بندے تو اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کر اور غرور نہ کر کہ تیری کوئی حیثیت نہیں، اور اپنے عجز سے اپنے اللہ کو راضی کر۔

تشریح:

اس میں شبہ نہیں کہ موت ہر وقت ہمارے سر پر کھڑی ہے اور ہم بے خبری میں اپنے امور جو صرف ہماری دنیاوی زندگی تک محدود ہیں، میں کھوئے ہوئے اپنے اللہ کو بھلائے بیٹھے ہیں ——— یعنی اللہ کے احکام سے منہ موڑے بیٹھے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے نیکیوں کی راہ سے اپنے آپ کو کسی دوسری راہ پر ڈال دیا جہاں ہمارے نفس نے ہمیں بے سروپا کر کے رکھ دیا۔ ہم اس کے قیدی ہو گئے، ہر بُرائی ہمارے لئے جاذبِ نظر اور دل کو لبھانے والی ہے، ہم نے اپنی قدر کھو دی ہے اور اُن قدروں کو اپنا لیا ہے جو شیطانیت سے آلودہ ہیں، دھوکا دہی ہمارا نصب العین بن چکا ہے ہم ہر شے میں ملاوٹ کے عادی ہو چکے ہیں کسی کی بھی زندگی سے کھیلنا ہمارا شغل بن چکا ہے، چوری چکاری، غلط کاری ہمارا امتیاز ہے، ذخیرہ اندوزی ہمارا بھروسہ اور پیسہ ہمارا ایمان ہے۔ کیا ہم اللہ کے حضور حاضر ہونے کے لائق ہیں۔ ہم اپنی طرف سے اُس اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو ہمارے ہر فعل ہماری ہر سوچ ہمارے ہر خیال سے واقف ہے اور اُس موت کو ٹالنے کی سعی میں بے

کار محنت کر رہے ہیں۔ جس کا ٹلنا ناممکن ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی پابند ہے۔ اور ہم اپنے نفس کے حکم پر چلنا فخر سمجھتے ہیں جب کہ آج تک بڑے بڑے لوگ جو ہم سے بھی زیادہ طاقت ور، اثر ورسوخ والے اور کئی لوگوں کے حاکم جو اپنی شان وشوکت سے کسی بھی طرح کم نہ تھے، موت نے کسی کو نہیں بخشا اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیلؑ کو حکم فرما دیا تو اُنہوں نے فوراً روح قبض کر لی ایک لمحہ کی مہلت تک نہ دی کیا ہم اپنے غرور وتکبر سے اپنی زندگی سے زیادہ جی سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کہ نہ تو اس سے پہلے کبھی ایسا ممکن ہوا اور نہ ہی آئندہ اس کا کوئی امکان موجود ہے —— پھر ہم وہ کام کر کیوں نہیں لیتے جو کرنے کے لئے ہمیں کہا گیا، جو فرائض ہمارے سپُرد کئے گئے اور جن کی بدولت ہم سے اچھا سلوک کیا جانے والا ہے ہم کیوں بھول گئے ہیں کہ ہم وقت کو گرفتار نہیں کر سکتے ہماری دولت، مصنوعی عزت، شان وشوکت ہمارے کسی کام نہیں آنے والی اور نہ ہی ہمیں موت سے بچانے والی ہے اگر کوئی شے ہمارے کام آئے گی تو وہ ہمارے نیک اعمال جن کی تصدیق خود ہمارا دل کر رہا ہوتا ہے کہ ہر نیک عمل دل کو جس تسکین سے ہم آہنگ کرتا ہے وہ تسکین اس قدر حسین اور پُرلطف ہوتی ہے کہ ہم اُس کے سحر سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سر دست ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری نیکی کا فوراً اجر ہمارے دلی اطمینان کی صورت میں ہمیں دے دیا جاتا ہے اور علاوہ ازیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کسی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دیتیں۔ سو موت برحق ہے۔ اسے آنا ہے اور یہ آ کر رہے گی۔ جس سے کسی بھی مخلوق کو انکار نہیں۔

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو!
اک پل میں ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کے ساتھ

(شکیب جلالی)

اور

جمع برسوں حیات کرتی رہی
موت یکمشت لے گئی مجھ کو

(مظفر وارثی)

اس زیست کا اعتبار کیا ہے
کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے
گزرا ہے نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہے نقشِ پا ہے

(خواجہ ...)
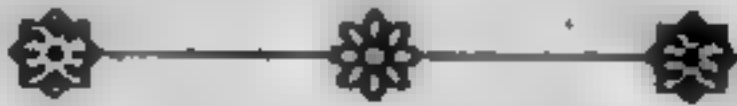
(86)

نِکلیا سُوت پرانا!

ہن تن دیساں تیرا تانا، مینڈی جندڑیئے نی
صاحب زادڑیئے نی، سر پر جانیئے نی گھُم نہ آونیئے نی
تن دیساں تیرا تانا!
کتدیاں کتدیاں عمر وہائی نِکلیا سُوت پرانا
کھڈی وچ جلاہی پھاتھی، نلیاں دا وقت وہانا
تانے پیٹے اِکو سُوتر، دُوتیا بھاؤ نہ جانا
چوسی پینسی چھڈ کراہیں، ہزاریں رچھ پچھانا
تانا آندا، بانا آندا، آندا چرخہ پرانا
آکھن دی گجھ حاجت ناہیں، جو جانیں سو جاناں
دھرن آکاش وچ وِتھ پچھے دی، تہاں شاہاں دا ٹھانا
سبھ ویسے شیشے دا مندر، وچ حسین نمانا

الفاظ و معنی:

ہن تن دیساں تیرا تانا ——— مراد اب تجھے اپنی مرضی کے مطابق چلاؤں گا
مینڈی جندڑیئے نی ——— اے میری زندگی
سَر پَر جانیے نی ——— ہر صورت میں گذر جانے والی۔ یعنی مرنے والی
گھُم نہ آویے ——— پلٹ کر نہ آنے والی۔ دوبارہ نہ آنے والی

کتدیاں کتدیاں ــــــ فرض نبھاتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہوئے

عمروہائی ــــــ عمر گزاری

نِکلیا سُوت پُرانا ــــــ یعنی عبادت کا حق ادا نہ ہوا

کھڈی ــــــ پرانے وقتوں میں جس پر کپڑا بُنا جاتا تھا

پھاتھی ــــــ پھنس گئی، اُلجھ گئی

تانا ــــــ لمبائی کے رخ کے دھاگے

پٹیا ــــــ چوڑائی کے رخ کے دھاگے

دُوتیا ــــــ چغل خور۔ لگائی بجھائی کرنے والے۔ دشمن

بھاؤ ــــــ حالت، کیفیت، عادت، روحانی طاقت

چوسی ــــــ ایسا دیسی کپڑا جس کے تانے میں سُوت کے چار سو دھاگے ہوں

پنجسی ــــــ پانچ سو تاروں والا کپڑا جس کے تانے میں سُوت کے پانچ سو دھاگے ہوں (کھدر کی قسم کا ایک کپڑا)

رَچھ ــــــ جلاہے کا اوزار، بہت بڑا برش جو کلف لگے دھاگوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے کام آتا ہے۔ اُسترا۔ ہتھیار وغیرہ۔

پچھانا ــــــ پہچاننا

بانا ــــــ چوڑائی کے رخ کے دھاگے

آندا ــــــ لے کر آیا۔ لایا گیا۔ لانا

آکھن ــــــ کہنا۔ بات کرنا

دھرن آکاش ــــــ دھرتی۔ زمین۔ آسمان

وِتھ چپے دی ــــــ چار انگلیوں کا فاصلہ

تہاں ــــــ وہاں

شاہاں دا ٹھانا ــــــ بادشاہوں کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقام

ویسے ------ پہنچ گئے

شیشے دا مندر ------ مراد اعلیٰ مقام

نمانا ------ عاجز۔ ناچیز

ترجمہ:

اے میری جان میری زندگی! اب میں تیری طنابیں کھینچ لوں گا تو جس طرح گزر رہی ہے ویسے نہیں گزاروں گا اے میری پیار یئے! آخر کار تو نے رخصت ہونا ہے اور دوبارہ کبھی اس دنیا میں واپس نہیں آنا کہ آج تک ایسا ہوا ہی نہیں بس میں تجھے اپنی مرضی سے چلاؤں گا۔ میری زندگی ریاضت و عبادت میں گزری مگر مجھ سے حق ادا نہ ہو سکا میں اپنے رب کو جیسے راضی کرنا چاہتا تھا نہ کر سکا۔ کہ مجھے دنیاوی خواہشوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ لمبائی اور چوڑائی کے رخ کا سُوت تو ایک ہی جیسا ہے جسے چغل خور اور منافق لوگ نہیں جانتے کیوں کہ یہ روحانی طاقت ہے۔ اور چار سو سُوت کے دھاگوں کا کپڑا اور پانچ سو سُوت کے دھاگوں کے کپڑے کو وہ برش ہی جان سکتا ہے جو ان کے دھاگوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ میں آنے جانے کے چکر میں پھنس گیا اور اپنے لئے انتہائی نحیف جسم لے کر آیا یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں جو جانتا ہے سو جانتا ہے۔ زمین اور آسمان میں بہت کم فاصلہ ہے۔

نیک لوگ اپنا اپنا مقام حاصل کر چکے ہیں مگر میں ایک عاجز اور ناچیز بندہ ابھی اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچا۔

تشریح:

زندگی کس قدر حسین ہے اس کا اندازہ ہر شخص نے اپنے اپنے معیار کے مطابق لگا رکھا ہے۔ اور اُسی معیار کے مطابق اُسے گذارنے اور سنوارنے کے طریق کار کو وضع کیا ہوا ہے، انسان کی اپنی تبدیلی سے اس طریق کار میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور ان تبدیلیوں کے محرکات ہمیں کبھی اپنے اندر سے مل جاتے ہیں اور کبھی باہر سے جس کی وجہ سے

ہمارا تغیراتی پراسس سے گزرنا یا اس پر آمادہ ہونا قدرتی عمل ہے ـــــــ اب ہم اس عمل کو کس حد تک اپناتے یا نہیں اپناتے یہ اُس ماحول کی کارکردگی ظاہر کرتا ہے جو ہمارے اردگرد ہے۔

شاہ حسین کے اردگرد جو ماحول کارفرما ہے وہ مثبت نہیں اور زندگی پر اپنے اثرات مرتب کرتا چلا جارہا ہے جس سے زندگی اُس انداز میں یا اُس سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے میں ناکام رہی ہے جو رب العزت کے نزدیک پسندیدہ ہے، جب یہ احساس ہو جاتا ہے کہ زندگی کی سمت درست نہیں تو پھر اس کی طنابیں کھینچنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ وہ راستہ نجانے ہمیں کہاں کہاں لے جائے اور ہم اپنی اُس منزل سے کہیں بہت دور نکل جائیں جو ہمارا اصل ٹھکانہ اور ملنے والی ہے۔ اسی احساس کے بعد کی صورتِ حال میں یہ جاننا زیادہ مشکل نہیں رہتا کہ ہمیں کیا کرنا ہے، کیا کرنا چاہیے اور کس کے لئے کرنا چاہیے لہٰذا ہم اپنے تمام جذبوں اور احتیاجوں سمیت راہِ راست پر آنے کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ اور یوں اپنے رب کی طرف ہمارا جھکاؤ ہمیں نیکیوں سے سنوارنا شروع کر دیتا ہے اب اس میں ہماری ہمت ہے کہ ہم کس حد تک اپنے اللہ کو یاد کرتے اور اُس کے قُرب کی سعادت حاصل کرتے ہیں ـــــــ مگر یہ وہ بحرِ بیکراں ہے جس کا دوسرا کنارہ ہے ہی نہیں، انسانی اندازے بس اُس کی اپنی ذات تک محدود ہیں اُس کی ذات سے باہر کیا کچھ ہے اور کہاں تک ہے اس کے بارے میں صرف اور صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اسی لئے شاہ حسین اپنی کافی میں اپنے عجز کا اظہار فرماتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے اللہ کی عبادت کا حق ادا نہیں ہوا۔ جب کہ اُن کی پوری کوشش اور خواہش ہے کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو اُس کی راہ میں قربان کر دیں اور اُسے راضی کر لیں اُس کے قرب کے لئے، اس کی رحمتوں کے لئے۔

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

(حسرت موہانی)

اور جب اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جاتا ہے تو وہ دل جو خواہشوں کے جال کی گرفت میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور ہر سانس ذکرِ الٰہی سے متبرک ہوا جاتی ہے اس کیفیت کو کوئی اللہ والا ہی جان سکتا ہے اور اللہ والوں کا مقام ہم سب کے مقام سے بہت بلند ہے ـــــــ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے جو زمین و آسمان کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے وہ صرف روحانی سطح پر ہی طے ہو سکتا ہے کیوں کہ روحانیت ہی وہ طاقت ہے جس کے طفیل وہ فاصلہ انتہائی کم دکھائی دیتا ہے اور اللہ کا بندہ اُس فاصلے کو طے کرنے میں جو سرور محسوس کرتا ہے وہ اُس کی تمام تھکن مٹا دیتا ہے اور اُس کو ہر لحہ شگفتگی کا احساس بہم پہنچاتا ہے اور یہ احساس ہمت عطا کرتے ہوئے اُسے پوری کشش اور قوت سے ربِ کائنات کی جانب کھینچتا چلا جاتا ہے ربِ کائنات جو ہر پل اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے، اپنے بندے کی محبت، عبادت، عجز کے صلے میں بندے کو اپنی بے پناہ محبتوں سے نوازتا ہے۔ اور اُسے وہ ارفع مقام عطا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے ـــــــ شاہ حسین ایسے ہی لوگوں میں شمار ہونے کی طلب میں عصائے عجز لئے محدود سے لامحدود کی جانب رواں ہیں اور مکمل یقین توکل اور تقویٰ سے بھرپور اپنے اللہ کی رحمتوں کے منتظر ہیں۔ بے شک اللہ رحیم و کریم ہے!

شاہ حسین اس کافی میں دنیا سے بے زاری کا ایک پہلو بھی ہمارے سامنے ٹمٹاتا ہے کہ ہر بندۂ خدا جو رب العالمین سے عشق کی سعادت سے مالا مال ہے اُسے دنیاوی مال و زر سے قطعاً کوئی رغبت نہیں اور نہ ہی وہ دنیا کو اس قابل تصور کرتا ہے کہ یہاں رہے۔ اس لئے اُس کا تمام تر سفر اپنے اصلی مقام کی طرف ہی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے

منتخب کیا ہوا ہے۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا اشلوک یاد آ رہا ہے۔ جو مندرجہ سطور کی تصدیق کے لئے پیش کرنے کا آرزومند ہوں۔ بابا جی فرماتے ہیں۔

کلّر کیری چھپڑی، آؤ لتھے ہنجھ *

چنجو بوڑ نہ پیویں، اُڈن سناری ڈنجھ **

(بابا فرید الدین گنج شکرؒ)

دنیا شور زدہ چھوٹا سا تالاب ہے اور ہنس یہاں اُترتے ہیں اور پیاسے ہی اُڑ جاتے ہیں۔

اور ناچیز کا بھی ایک شعر ملاحظہ فرمالیجیے ۔

یونہی اپنے سے لگتے ہیں مگر اپنے نہیں ہوتے

قسم لے لو، یہاں کے سب در و دیوار جھوٹے ہیں!

(یوسف مثالیؔ)

* ہنس مراد درویش لوگ۔ نیک لوگ۔

** پیاسے۔

(87)

جلدیاں رنگ نہ موڑیئے!

گل کیتی ساڈے خیال پئی، گل پئی وو، نبھاہی لوڑیئے
شمع دے پروانے وانگوں، جلدیاں انگ نہ موڑیئے
ہاتھی عشق، مہاوت رانجھا، آنکس دے دے ہوڑیے
کہے حسین فقیر سائیں دا، لگڑی پریت نہ توڑیئے

الفاظ و معنی:

خیال پئی ـــــ یاد آگئی، ذہن میں آگئی
گل پئی ـــــ گلے میں پڑی
نبھاہی لوڑیئے ـــــ نبھانا ضروری ہے۔ نبھانی پڑے گی
رنگ نہ موڑیئے ـــــ پیچھے نہ ہٹنا، قائم رہنا، کر گزرنا، پابند رہنا
مہاوت ـــــ ہاتھی کو ہانکنے والا
آنکس ـــــ آنکڑا۔ کجک، ہاتھی کو ہانکنے والی لوہے کی سلاخ
ہوڑیئے ـــــ روکنا
لگڑی ـــــ لگی۔ وابستگی۔ تعلق، رشتہ
پریت ـــــ محبت، پیار، عشق

ترجمہ:

شاہ حسین اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے کہ مجھے وہ بات یاد آگئی ہے جو میں نے کی تھی اور
بات ایک درویش کے نزدیک یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے روحوں سے پوچھا تھا، ”کیا

میں تمہارا رب ہوں" تو تمام روحوں نے جواب دیا تھا، "ہاں تُو ہمارا رب ہے" اب اُس بات کو نبھانا نہایت ضروری ہے کہ یہی ہمارے فرائض میں شامل ہے اور ہمیں اسے نبھانا ہے جیسے شمع کے پاس آتا ہوا پروانہ اپنے جلتے جسم سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور کبھی واپسی کی سوچ تک نہیں سوچتا اور جیسے عشق کے ہاتھی کو مہاوت، عشق کرنے والا کچک سے بار بار روکنے کی کوشش کرتا ہے وہ کسی صورت رکنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اُسے نبھانا پڑتا ہے، دل سے مجبور ہو کر یا میلان طبع کے تحت، دونوں صورتوں میں اس کا نبھانا ضروری ہے کہ اس پر کچھ اختیار نہیں رہتا۔

تشریح:

انسانی زندگی کے معمولات ہر دور میں بعض زاویوں سے مختلف بھی رہے ہیں جو اس کے باطنی رجحان کی سمت کو متعین کرتے ہوئے اس کے ذہن و دل سے اُن یادوں کو کچھ دیر کے لئے روپوش کر دیتے ہیں جو نہ بھولنے والی ہوتی ہیں——پھر کسی نہ کسی حوالے سے وہی یادیں دوبارہ اُمڈ آتی ہیں ان کے آنے جانے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ ہمارے باطنی رجحان کی شدت کے گراف کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس قدر شدت ہو گی اُسی قدر مدت قلیل ہو گی۔

شاہ حسین کی مندرجہ کافی میں جس کشش کا اظہار کیا گیا ہے اُس کی شدت کا گراف انتہائی بلند مقام تک پہنچ چکا ہے۔ جس کے سبب شاہ حسین عشق حقیقی کی اُس طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں جو ایک سچے عاشق کے کردار کے پسِ پردہ کارفرما ہوتی ہے۔ اور اس طاقت کے آگے کسی کی کیا بساط——سو اس بے اختیارانہ اور منکسرانہ شخصی پیکر کو پروانہ کہنا بجا ہے اور یہ حقیقت بھی ہم سب پر واضح ہے کہ پروانہ شمع کا عاشق ہے، جب کہ شمع آگ ہے محبوب ہے اور پروانے کا شمع پر جلنے کا عمل عشق ہے۔ اگر اس عشق پر اختیار ہوتا تو ممکن ہو سکتا تھا کہ پروانہ واپسی کا راستہ اختیار کرنے کی طرف راغب ہوتا یا وہ شمع کا عاشق ہوتا ہی نہیں۔ گویا عشق وہ مست ہاتھی ہے جو کسی کے کہنے میں نہیں

آنا ــــــ لہٰذا اس عشق کے تقاضوں کو پورا کرنا اس لئے بھی ضروری ٹھہرتا ہے کہ انہیں پورا نہ کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں ــــــ اور یہ عشق جو سچائی پر مبنی ہے جو اُس پاک ذات سے منعکس ہو کر اُس کے بندوں میں تقسیم ہوا ہے، اس سے باز رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر پورا اُترنے کے لئے بھی اللہ ہی کی توفیق درکار ہے جس کا اظہار مختلف صوفیا نے اپنے اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔ جیسا ذیل کی کافی سے بھی ظاہر ہے۔ اور اللہ سے روحوں کا واپسی کا وعدہ بھی اسی عشق کی شق قرار دیا جا سکتا ہے کہ ہمیں اپنے رب کی طرف بہر حال لوٹ کر جانا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ ممکن نہیں۔ اور اس عمل کو وعدۂ عشق کے وفا کرنے سے بھی تعبیر کرنا غلط نہ ہوگا۔ اور مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ خالقِ حقیقی سے عشق اُن اوصاف سے مرصع ہوتا ہے جو کسی درویش کو دنیا و آخرت میں امتیاز کرنے کا شعور بخشتے ہوئے اُسے دنیا سے یکسر بے نیاز کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اس ضمن میں آیئے دیکھتے ہیں کہ دوسرے صوفیا نے عشق کے تقاضوں کو اظہار کے پیرائے میں کیسے پورا کیا ہے۔

عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
دل دی ویدن کوئی نہ جانے، اندر دیس بگانے
جس نوں چاٹ امر دی ہووے، سوئی امر پچھانے
ایسی عشق دی اوکھی گھاٹی، جو چڑھیا سو جانے
عشق اساں نال کیہی کیتی لوک مریندے طعنے
آتش عشق فراق۔ تیرے نے، پل وچ ساڑ وکھائیاں
ایس عشق دے ساڑے کولوں؛ جگ وِچ دیاں دہائیاں
جس تن لاگے سو تن جانے، دوجا کوئی نہ جانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
عشق قصائی نے جیہی کیتی، رہ گئی خبر نہ کائی

عشق چواتی لائی چھاتی، پھیر نہ جھاتی پائی
ماپیاں کولوں چُھپ چُھپ روواں، کر کر لکھ بہانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
ہجر تیرے نے جھلی کر کے، کملی نام دھرایا
صُمٌ بُکمٌ عُمیٌ ہو کے، اپنا وقت لنگھایا
کر ہن نظر کرم دی سائیاں، نہ کر زور دھگانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
ہس بلاواں تیرا جانی، یاد کراں ہر ویلے
پل پل دے وچ درد جدائی تیرا شام سویلے
رو رو یاد کراں دن راتیں، پچھلے وقت وہانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
عشق تیرا درکار اسانوں ہر ویلے ہر حیلے
پاک رسول محمد ﷺ صاحب میرے خاص وسیلے
بُلھے شاہ جے ملے پیارا، لکھ کراں شکرانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے
(بُلھے شاہؒ)

سچل سرمست اپنی کافی میں کچھ یوں فرما رہے ہیں۔

اکھیاں لکیاں ڈاہڈی جا
عشق دیوانی میں کیتیاں

لگی جنہاں گوں سے ہی جانن، خبر لوکاں گوں ناء
عالم وچ پیا ہل حُسن دا جلوہ جا بجاء
درد اہیں دی اور نہ کائی، باجھوں درس دواء
سچل سائیں سبھ وچ وسدا، لوکاں کل نہ کاء

(سچل سرمستؒ)

عشق اساں نوں لِسیاں جاتا، بیٹھا مار پُھلا ہُو
وچ جگر دے سنھ چا لائیس، کیتُس کم اولا ہُو
جاں اندر وڑ جھاتی پائیس، ڈِٹھا یار اکلا ہُو
باجھوں مُرشد کامل باہُو ہوندی نہیں تسلا ہُو

(سلطان باہُوؒ)

(88)

بُلبُل باغ تہارے دی!

اِہ نِس وس رہی دل میرے، صورت یار پیارے دی
باغ ترا، باغیچہ تیرا، بُلبُل باغ تہارے دی
اپنے شوہ نوں آپ رجھاواں، حاجت نہیں پسارے دی
کہے حسین فقیر نمانا، تھیواں خاک دوارے دی!

الفاظ و معنی:

نِس ـــــ ہر۔ہمیشہ، ہروقت
وَس ـــــ بسی ہوئی۔رچی ہوئی۔آباد
تہارے ـــــ تمہارے
شوہ ـــــ خاوند۔محبوب۔خالقِ حقیقی۔مالک
رِجھاواں ـــــ خوش کرنا۔آسودہ کرنا۔مطمئن کرنا
حاجت ـــــ ضرورت
پسارے ـــــ پھیلائے۔پھیلے
تھیواں ـــــ بن جاؤں
خاک دوارے دی ـــــ در کی خاک۔عجز کی علامت کے طور پر اس ترکیب کو استعمال کیا گیا ہے۔

ترجمہ:

ہر پل میرے محبوب کی صورت میرے دِل میں بسی رہتی ہے۔وہ محبوب جو مالک

ہے باغ، باغیچوں کا، میں اُس کے باغ کی بلبل ہوں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے بس میں اپنے خالقِ حقیقی اپنے مالک کو خوش کرنا چاہتا ہوں چاہے اس کے لئے مجھے اُس کے در کی خاک بھی بننا پڑے کہ جس پر وہ پاؤں رکھ کر گزرے مراد ہے انتہائی عجز و انکسار۔

تشریح:

عجز ایک ایسا وصف ہے جس کے طفیل بندہ اپنے اللہ کو خوش کر سکتا ہے۔ اور یہ وصف وصف ہی نہیں بلکہ حقیقت میں بھی بندہ کی بساط کیا ہے اگر اس کا کوئی وقار ہے تو صرف اس لئے کہ اس کا خالق ہمیشہ رہنے والا اور قادرِ مطلق ہے۔ اب جو اس کی عزت و آبرو کا مالک ہے اگر اُسی کو خوش نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ انسان اپنے آپ سے نفی ہو جاتا ہے۔ اور باقی کچھ بھی نہیں رہتا۔ کیوں کہ انسان کی ضروریات اور خود انسان سب اُس کے مالک کے قبضے میں ہے وہی انسان سرخرو ہوا جو اپنے رب کی عبادت میں دن رات ایک کر دے اُس کے حکم اور رضا کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھے۔ اُس کی بنائی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرے اور اُس کا شکر ادا کرے تا کہ نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے رب کو بھول جائے۔

شاہ حسین رب کریم کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ باغ باغیچے جو اللہ تعالیٰ نے بنائے ہوئے ہیں سب انسان کے لئے ہیں بس انسان کو اُس کے در پر سر کو جھکائے رکھنا چاہیے اور اُسی سے مدد مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ اپنے بندے کی محبتوں کے بدلے اُس کے دل کو اپنے نور سے منور کر دیتا ہے اور بندے کے لئے اس سے بڑا انعام کوئی نہیں۔

میر تقی میر کا یہ شعر دیکھئے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی گئی ہے

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا!
(میر تقی میر)

بے شک خاکِ ناچیز کو انسان بنانا اُسی کی قدرت ہے۔

(89)

آکھے سخن حقانی دا!

کیا کرسی باب نمانی: دا
نہ اساں کتیا، نہ اساں ٹمبیا، بخرہ کیہا تانی دا
جمدیاں تِل روون لگے، یاد پیو دن گھانی دا
ہو ہوائیں اتھے رہیاں، واس آیا وچ وانی دا
کہے حسین فقیر مولا دا، آکھے سخن حقانی دا

الفاظ و معنی:

کیا کرسی باب ـــــ میرے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا
کتیا ـــــ نیک اعمال کئے
ٹمبیا ـــــ مراد عبادت کرنا
بخرہ ـــــ حصہ
جمدیاں تِل روون لگے ـــــ پیدا ہوتے ہی دنیا کی پریشانیوں کے خیال سے رونا
یاد پیا ـــــ یاد آیا
گھانی ـــــ تیل نکالنا، کولہو میں تِل ڈال کر تیل لگانا (مراد ہے دنیا کی مشکلیں)
واس ـــــ بسنا۔ آباد ہونا
حقانی ـــــ حق۔ سچ

ترجمہ:

پتہ نہیں میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں نہ تو کوئی نیک عمل کیا اور نہ ہی اللہ کی عبادت کی اس طرح میں کسی بھی حصے کا مستحق نہیں، جب تل پیدا ہوئے تو وہ یہ سوچ رو انے لگے کہ اُن کو کولہو میں ڈال کر تیل نکالا جائے گا جن تلوں میں تیل ہوتا ہے اُنہیں سے تل نکالا جاتا ہے مراد ہے انسان کے اعمال کا حساب کتاب، اور جو کچھ تو نے یہاں حاصل کیا ہے جمع کیا ہے وہ یہیں رہ جانے والا ہے اور تجھے تن تنہا قبر میں رہنا ہے شاہ حسین اپنے مولا کا فقیر یہ کھری اور سچی بات کہہ رہا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین ہمیں اپنے حوالے سے اس بات سے آگاہ کر رہے ہیں کہ جو لوگ اپنی زندگی میں نیک اعمال نہیں کرتے اور دنیا کے دھندوں میں اُلجھ کر اپنے رب کی طرف دھیان نہیں دیتے وہ دنیا کی مشکلوں سے نکلنے کے اہل نہیں اُنہیں یہاں بھی پریشانیوں کا سامنا ہے اور اپنے رب کے حضور بھی اُن کے ساتھ نجانے کیا سلوک کیا جائے ——— یہاں جو کچھ اُنہوں نے اللہ کی یاد سے غافل رہ رہ کر جمع کیا ہوا ہے۔ اپنے بھائی بندوں کے حقوق سلب کئے ہوئے ہیں، بے ایمانی اور ذخیرہ اندوزی اُن کا شیوہ بن چکا ہے۔ وہ لحہ بہ لحہ اپنے نفس کی پرستش میں گزار رہے ہیں اپنی مفاد پرستی کو ہر حوالے سے اولیت دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ بھول گئے ہیں، نہ اُنہیں موت یاد ہے اور نہ ہی اپنے مالک کی یاد کبھی اُنہیں آئی ہے جو اُن کا رازق اور پروردگار ہے وہ اس بات سے بے خبر لوٹ مار اور غلط کاریوں میں مگن ہیں کہ قبر میں اُن کے ساتھ کچھ بھی نہیں جانے والا۔ وہ اکیلے ہی اس دنیا سے رخصت ہوں گے اُن کی شان و شوکت اور تکبر و غرور سب کا سب دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کا، بادشاہوں کا، امراء کا، اور یہی سب سے بڑی

حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر ہم تو اپنے نفس کے غلام بن کر اپنے اصل کو فراموش کر چکے ہیں اور اسی کی سزا ہمیں ملنے والی ہے اور مل کر رہے گی۔

ذرا سوچیئے! کیا ہم دنیا میں اس لئے آئے تھے۔ کہ اپنی ضرورتوں سے کہیں زیادہ مال جمع کر سکیں اور کسی دوسرے کا حق خرد بُرد کرنے میں فخر محسوس کریں۔ غرض ہر قسم کی بُرائی کو اپنا طرۂ امتیاز بنا لیں اگر نہیں تو یہ سب کیا ہے یہ کیسی ہوس ہے جس کی وجہ سے ہم توکل جیسی نعمت سے دُور ہو رہے ہیں اور اُس خالقِ کائنات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اُن لوگوں پر بھروسہ کر رہے ہیں جو ہمارے لئے کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور اگر وہ شعوری یا غیر شعوری سطح پر کسی طرح بھی ہماری بھلائی میں شامل ہوتے ہیں تو یہ بھی رب العالمین کے کرم اور رضا سے ہے جس کا کریڈٹ دوسرے لوگ لے رہے ہیں اور ہم جو کریڈٹ دینے والے ہیں وہ ایک طرف تو اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اللہ کی رحمتوں سے مستفید ہو کر بندوں کے شکر گذار ہوتے ہیں دوسری طرف اپنے مفاد کے لئے اللہ کے نام کو استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ اور دوسرے کو دھوکا دینے کے مکروہ عمل سے گزرتے ہوئے جہنم کی آگ کا ایندھن بننے کی تیاری میں ہیں۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ آمین یہ صورت حال اپنے چاروں طرف پھیلے لوگوں کا تجزیہ کرنے سے کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی۔ اور آپ خود اندازہ کر سکیں گے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں اور ہمیں کس طرف جانا چاہیے تھا۔

کہ ہمیں نہ تو کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کچھ سنائی دیتا ہے ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ سے خلق خدا غائبانہ کیا

زینہ صبا کا ڈھونڈتی ہے اپنی مشتِ خاک
بامِ بلند یار کا ہے آستانہ کیا

چاروں طرف سے صورت جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

طبل و علم ہے پاس نہ اپنے ہے ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

(حیدر علی آتش)

(90)

ٹہل کراں سرکار دی!

چوہڑی ہاں دربار دی
دھیان دی چھجلی، گیان دا جھاڑو، کام کرودھ نت جھاڑ دی
قاضی جانیں، حاکم جانیں، فارغ خطی وگار دی
مل جانیں، ار مہتہ جانیں، ٹہل کراں سرکار دی
کہے حسین فقیر نمانا، طلب ترے دیدار دی

الفاظ و معنی:

دھیان ــــ توجہ
چھجلی ــــ (چھاج) جس میں اناج ڈال کر صاف کیا جاتا ہے
گیان ــــ معرفت
کام ــــ شہوت
کرودھ ــــ غصہ
نت ــــ ہمیشہ۔ ہر وقت۔ ہر لحہ
وگار ــــ بلا معاوضہ
مل ــــ پہلوان۔ طاقت ور، با اختیار
مہتہ ــــ مقدم۔ منشی۔ پٹواری۔ حساب کتاب رکھنے والا
ٹہل کراں ــــ سیوہ کروں، خدمت کرنا۔ مہمان نوازی
سرکار ــــ برسر اقتدار

نمانا ــــــــ عاجز

ترجمہ:

میں اللہ کے دربار میں کام کرنے والا ہوں دھیان کے چھاج اور معرفت کے جھاڑو سے اپنی شہوت اور غصہ کو جھاڑ دیتا ہوں۔ قاضی، حاکم اور تمام عہدے دار مجھے جانتے ہیں کہ میں فارغ و بے کار نہیں رہتا بلکہ سرکار کا خدمت گزار ہوں، شاہ حسین عاجز و حقیر صرف اپنے اللہ کے دیدار کا مشتاق ہے۔

تشریح:

صوفیا نے ہمیشہ اپنا احتساب کیا ہے اور اپنے نفس کو مارنے میں کبھی لیت و لعل سے کام نہیں لیا یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں یعنی جو کام بھی اللہ تعالیٰ اُن کے سپُرد کرتا ہے اُسے بخوبی انجام دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اس دوران اِدھر اُدھر سے جو غیر موافق یلغار ہو رہی ہوتی ہے وہ ہر حال میں اپنے آپ کو اُس سے بچاتے ہوئے اللہ کی پناہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں کسی بھی قسم کا ڈر، خوف اور پریشانی اُن کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ اور جن کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے پھر اُن کے تمام کام درست اور اللہ کی رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ جو دنیا و آخرت میں اُن کی بخشش کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

شاہ حسین ذیل کی کافی میں خود احتسابی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ میرے اس عمل سے ہر کوئی شناسا ہے اور میرا یہ عمل میرے رب کی عبادت کا حصہ ہے ہو سکتا ہے میرا اللہ میرے عمل سے خوش ہو کر مجھے اپنا دیدار نصیب کر دے کہ میں اُسے دیکھنے کا شدید تمنائی ہوں۔

ہم آپ اس امر سے بخوبی آشنا ہیں کہ خود احتسابی کا عمل انتہائی مشکل عمل ہے کہیں نہ کہیں ہماری خواہش ضرور بیدار ہوتی ہے کہ میزان کے پلڑے کا جھکاؤ ہماری طرف ہو اور یہیں سے ہماری چُوک کا آغاز ہوتا ہے جو ہمیں آہستہ آہستہ کہیں کی کہیں لے جاتی ہے

اور ہم اللہ کے نیک اور پرہیزگار بندوں کی صف میں شامل ہونے کے قابل نہیں رہتے اور اگر یہ عمل پوری ایمانداری سے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے تو اس کے طفیل آئندہ کے اعمال درست سمت اختیار کرتے ہوئے نیکی کے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ہمراہ اُس منزل کی نوید عطا کرتے ہیں جو رب العالمین کی طرف سے بطور انعام نیک بندوں کو نوازا جاتا ہے——جس سے فیض یاب ہوتے ہی اللہ کا بندہ اپنے اللہ کے ذکر اور اُس کی حمد و ثنا کی لطافتوں سے مزین ہوتے ہوئے درویش کے رتبے کو پہنچتا ہے۔ اور پھر اُسے صرف اور صرف ایک ہی آرزو ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ اپنے رب کا دیدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے جس کے لئے اُس کی عبادت، عجز، شکر، تقویٰ۔ توکل اور اپنے اللہ سے بے پناہ پیار ہمہ وقت اُس کی آرزو کا اظہار بن کر اُس کے وجود سے جھلکتا ہے اور یہ چشمہ اُس وقت تک بے تابی سے اُبلتا رہتا ہے جب تک ربِ کائنات اُسے بلاوا نہ بھیج دے، اُسے اپنے پاس نہ بُلا لے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نیک بندوں کو بلاوا اس بات کی دلیل بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہیں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہونے والا ہے۔

آیئے اس ضمن میں ایک انتہائی خوبصورت اشلوک سے اپنی روح کو معطر کریں۔

اُٹھ فریدا سُتیا، جھاڑو دے میت
تُوں سُتا رب جاگدا، تری ڈاہڈے نال پریت

(بابا فرید الدین گنج شکرؒ)

(91)

ڈھولا!

آؤ گوے گل جھومر پاؤ نی
آؤ گوے دل رام دھیاؤ نی
مان لے گلیاں بابل والیاں،
وت نہ کھیڈن دیسی ماؤ نی
ساڈا جیو ملن نوں کردا
سُنجا لوک بخیلی کردا
سانوں ملن دا پہلوا چاؤ نی
آؤ گوے گل جھومر پاؤ نی!

سیاں وِن رنگ محلیں
چاؤ جنہاں دے کھیڈن چلی
ہتھ اٹیرن رہ گئی چھلی
در ہکلارو بیٹھے آؤ نی
اُچے ڈیل پینگھاں پیاں
سبھ سیاں مِل جھوٹن گئیاں
آپو اپنی گئی لنگھاؤ نی
آؤ گوے گل جھومر پاؤ نی!

کہے حسین فقیر نمانا

دُنیا چھوڑ آخر مرجانا
کدی تاں اندر جھاتی پاؤ نی
آؤ کُڑے گل جھومر پاؤ نی!

الفاظ و معنی:

جھومر ——— ایک ناچ جو گھوم گھوم کر اور جھوم جھوم کر ناچا جاتا ہے۔ ماتھے کا ایک زیور۔
رام دھیاؤ نی ——— اللہ کو یاد کرو۔ ذکرِ الٰہی، حمد و ثنا
مان لے لگیاں بابل والیاں ——— ماں باپ کے گھر عیش کر لے
وت ——— پھر
ماؤ ——— موت
جیو ——— دل۔ جی
سُنجا ——— ویران۔ سنسان۔ اللہ کی یاد سے خالی وہ لوگ جو اللہ کی محبت سے فیض یاب نہیں
بخیلی کردا ——— کمینگی کا مظاہرہ کرنا۔ منافق۔ بغض رکھنے والا
پہلوا ——— پہلا، ازل سے شروع سے پہلے دن سے
چاؤ ——— خواہش، آرزو۔ طلب
ہتھ اٹیرن رہ گئی چھلّی ——— ہتھے کے دانے توڑنا۔ مراد ہے عبادت کرنا، اللہ کے پاک نام کی تسبیح کرنا
مکلا رو ——— موت کے فرشتے۔ مکلا والے کر جانے والے
پپل ——— ایک درخت، عام طور پر اس درخت پر جھولا ڈالا جاتا ہے اس کی

شاخیں مضبوط ہوتی ہیں۔ (ہندو اس درخت کو متبرک خیال کرتے ہیں)

پینگھاں پیّاں ـــــ جھولے پڑنے

جھوٹن ـــــ جھولا جھولنا

لنگھاؤ ـــــ گذارو

جھاتی ـــــ دھیان

ترجمہ:

آؤ جھوم جھوم کر اپنے اللہ کو پکاریں کہ یہ وقت پھر نہیں ملے گا۔ ماں باپ کی گلیوں میں بے فکری سے کھیل کہ دوبارہ تجھے یہ موقع نہیں ملنے والا، میرا دل اپنے محبوب کو ملنے کے لئے ترس رہا ہے اور لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہیں، بخیل اور ویران ہیں وہ کیا جانیں کہ میں تو ازل سے ہی اپنے اللہ کی محبت کا طالب ہوں۔

میرے دوست احباب رنگ محلوں میں رہ رہے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اُس کی محبت سے سرشار ہو چکے ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اُن جیسا بن جاؤں مگر میری ریاضت پوری نہیں ہوئی اور نہ ہی میری خواہش پوری ہوئی کہ میرے در پر موت آ کر بیٹھ گئی۔ ظاہر ہے میں نے جس سے عشق کیا ہے وہ بہت بلند وارفع ہے میرے دوست اپنی اپنی باری آنے پر اُس تک پہنچ چکے ہیں،

شاہ حسین ایک عاجز بندہ کہہ رہا ہے کہ دنیا تو ہر ایک نے چھوڑ جانی ہے۔ پھر اس دنیا سے کیا دل لگانا۔ اپنے آپ کو پہچاننا چاہیے کہ اس طرح اللہ کی پہچان ہوتی ہے۔

تشریح:

ماحولیاتی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ حسین نے جو کافیاں تخلیق کیں ہیں وہ ایک طرف تو اُس دور کی عکاس ہیں جن میں وہ خود موجود تھے دوسری طرف موجودہ دور کے انسان کو ایک بنیاد فراہم کرتے ہوئے اُس کو اُس کے ماحول کا ادراک بخشتی ہیں یعنی

ان میں آج کے دور کی جھلک بھی نمایاں طور پر ملتی ہے جس کے تحت شاہ حسین کی کافیاں ہمارے اتنے قریب آجاتی ہیں کہ ان میں بیان کی گئی ہر واردات ہمیں اپنی واردات لگنے لگتی ہے اور ہم شاہ حسین کی کافیوں کو کبھی خود پر کبھی ماحولیاتی سرگرمیوں پر اور کبھی گذرے زمانے کے مناظر پر فٹ کر کے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں اور حسب توفیق ان سے مستفید بھی ہوتے ہیں —— لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاہ حسین کی کافیاں ایک ہی وقت میں مختلف سمتوں سے اپنے قاری کو آگاہ کرنے کا کردار ادا کرتی ہیں اور ان کا قاری بیک وقت قلبی و ذہنی اور روحانی اعتبار سے مختلف کیفیات محسوس کر سکتا ہے۔

شاہ حسین کی متذکرہ کافی بھی اپنے اردگرد کے ماحول سے گندھی ہوئی ہے اور ہمیں احساس دلا رہی ہے کہ زندگی زیادہ دیر تک نہیں رہنے والی اور جب تک ہے اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جانا چاہیے بھرپور فائدے سے مراد ہے کہ ہمیں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جانا چاہیے اور اپنی اُس غفلت کو ترک کر دینا چاہیے جس کی وجہ سے ہم کل کو اپنے کیے پر نادم ہوں۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو قدرت اُسے اپنی بخشش سے نواز دیتی ہے اور وہ ہمہ وقت رب العالمین کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے جس میں اُس کی تیزی کے ساتھ ساتھ اُس کی طلب بھی شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے اور پھر ایسا لگنا بعید از قیاس نہیں رہ جاتا کہ یہ خواہش ازلی ہے کہ اپنے رب کی حمد وثنا اور اُس کی رحمتوں میں ڈوبے رہیں اور دیدارِ الٰہی کے انتظار میں اُسے پکارتے رہیں۔ ویسے بھی اللہ سے ملاپ اور اُس کی بندگی تو انسان کے خمیر کا حصہ ہے مگر وہ لوگ جو اپنے رب کو چھوڑ کر دنیا داری کے جھمیلوں میں اپنے آپ کو قید کر لیتے ہیں اور اپنے نفس کی غلامی میں اطمینان محسوس کرتے ہیں وہ یقینی طور پر اس دنیا اور اس نفس کے ہاتھوں ذلیل ہو جاتے ہیں بھلے ہی اُن کی ذلت کا اُنہیں احساس نہ ہو مگر ان کے قرب و جوار میں بستے ہوئے لوگ آسانی سے محسوس بھی کر رہے ہوتے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہوتے ہیں کہ مذکورہ شخص اپنی کرتوتوں کی وجہ سے خوار ہو رہا ہے —— اور جو لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں وہ اپنی تمام تر عبادت و بندگی کے باوجود اسی کوشش میں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اللہ کو اور خوش کر لیں،

اپنے دل میں اُس کی محبت زیادہ سے زیادہ بھر لیں کہ اس سے بڑی نعمت اور اس سے بڑا سرور نہ تو کوئی ہے نہ ہوگا۔ اور اسی سرور میں جب وہ بصیرت و بصارت کے اوصاف تک پہنچتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے تو اُنہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تر اُس کے بے شمار بندے دکھائی دینے لگتے ہیں اور پھر یہ خواہش جو انسان کی اساس کا حصہ ہے کا جنم لینا قدرتی امر ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ اپنے رب کی قربت حاصل کر سکوں۔

دنیا کا بننا، مٹنا اور تغیر پذیر ہونا جس جس انداز میں ہم پر اثر انداز ہوتا ہے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں اس کے باوجود بھی اگر ہم اپنی آنکھیں بند رکھیں اور اس حقیقت سے مُنہ موڑیں تو گناہ گار ہونے سے نہیں بچا جا سکتا——اسی لئے شاہ حسین ہمیں بار بار یہی تاکید کرتے ہوئے ملتے ہیں کہ ہمارا اُس پاک پروردگار سے ناطہ ہے جو بہت بلند و بالا ہے اور اُس سے پیار نبھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں نہ کہ اپنے وضع کئے ہوئے راستوں پر جہاں مکاری، عیاری، دھوکہ دہی، خود فریبی اور لالچ جیسی لعنتیں اور غلاظتیں ہمارے وجود کو ناپاک کرنے کا عہد کئے ہوئے ہیں——ان اتنی ساری پریشانیوں سے بچنے کا صرف ایک ہی حل ہے اللہ تعالیٰ کی یاد، جو ہمیں بچاتی بھی ہے۔ لبھاتی بھی ہے، مہکاتی بھی ہے اور جھلملاتی بھی ہے۔

اس کے در کو چھوڑ کر جاتا ہے کیوں غیروں کے پاس
فضل کی اُمید رکھ تو اپنے پالنہار سے
ہو عمل پیرا سدا انور خدا کے حکم پر
عاقبت میں تا نہ ہو محروم تُو دیدار سے

(انور محمد حافظ)

(92)

کون جِتے بازی کون ہارے!

دن چار چوگان میں کھیل، کھڑی
دیکھاں کون جتے بازی، کون ہارے
گھوڑا کون کا چاک چالاک چالے،
دیکھاں ہاتھ ہمت کر کون ڈارے
اس جیو پر بازیاں آن پڑیں،
دیکھاں گوئے میدان میں کون مارے
ہائے ہائے جہان پکارتا ہے،
سمجھ کھیل بازی شاہ حسین پیارے

الفاظ و معنی:

چوگان ـــــ ایک کھیل جو گھوڑوں پر سوار ہو کر کھیلا جاتا ہے۔ (پولو)
کون کا ـــــ کس کا
چاک ـــــ چُست، تیز طرار
چالاک چالے ـــــ داؤ لگانا۔ ایسی چال چلنا جو دوسرے کو مات دینے والی ثابت ہو
ہاتھ ہمت کر کون ڈارے ـــــ کس میں اتنی ہمت ہے کہ روک سکے
جیو ـــــ زندگی
گوے ـــــ گیند

میدان مارے ——— جیتے

سمجھ کھیل بازی ——— سوچ سمجھ کر بازی کھیل

ترجمہ:

چار دن کا یہ کھیل ہے جس کو دیکھ رہا ہوں معلوم نہیں کون بازی جیتے اور کون ہار جائے۔ اور کس کا گھوڑا اپنی چستی سے بازی لے جائے اور ایسی چال چلے کہ حیران کر دے اور منہ زور گھوڑے (نفس) کو روکنے کی کس میں ہمت ہے۔ اس زندگی کو بازیاں کھیل کر ہی گزارا جا سکتا ہے اب دیکھنا ہے کہ اس میدان میں کس کی جیت ہوتی ہے ——— جو بھی اس کھیل میں اپنے آپ کو شامل کرتا ہے وہ پچھتاتا ہے، اے شاہ حسین تو اس بازی کو سوچ سمجھ کر کھیلنا کہ تجھے بھی کہیں پچھتانا نہ پڑ جائے۔

تشریح:

پچھتاوا انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور ہماری اصلاح ہو جاتی ہے بشرطیکہ ہم اس کے قائل بھی ہوں اور اس طرف راغب بھی ہوں اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے اگر ہم اپنی بھلائی اور خیر خواہی کے تمنائی ہوں۔ اس تمنا میں جہاں کہیں بھی چوک ہو جائے اُس کے داغ کو اپنے وجود سے مٹانے کے لئے ہمیں پچھتاوے ہی کا سہارا درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارا یہ عمل ہر حوالے سے احسن قرار دیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی بندے کے پچھتاوے اور پھر توبہ کرنے سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے ——— شاہ حسین کی اس کافی میں جہاں بھرپور انداز میں دنیا اور دنیا کے اطوار کا جائزہ لیا گیا ہے اور اُس میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہیے کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی گئی ہے وہاں اس دنیا کو سمجھنے والوں کے پچھتاوے کا بھی خفیف اشارہ ملتا ہے جس کے تحت شاہ حسین چوکس ہو جاتے ہیں اور اُس کھیل کو جو زندگی کے نام پر ہمارے ساتھ منسلک ہے بڑی سُوجھ بُوجھ سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اُن سے کوئی ایسی چوک ہونے کا اندیشہ تک باقی نہ رہے جس کی وجہ سے رب العالمین اُن سے کسی بھی طرح ناراض ہو۔

اس زندگی کو اُنہوں نے ایک مشکل کھیل سے تعبیر کیا ہے۔اور خود کو تماشا دیکھنے والے کے روپ میں ظاہر کیا ہے جو یہ دیکھ رہا ہے کہ کون بازی جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے اور کون اپنے مُنہ زور گھوڑے پر قابو پانے میں کامیاب ہوتا ہے——دراصل شاہ حسین یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں بے شمار لوگ آئے جو بے پناہ قوت کے مالک بھی تھے مگر اُن کے نفس نے اُنہیں بھی پچھاڑ کر رکھ دیا اب مجھے اس امتحان سے گزرنا ہے دیکھیئے میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔ بہ الفاظِ دیگر زندگی امتحانوں ہی کا نام ہے جس لئے ہمیں تیاری کرنا ہوتی ہے اور اپنی تیاری کے بل بوتے پر ہمیں پاس یا فیل ہونا ہوتا ہے، فیل ہونے کی صورت میں پچھتاوا ہمارے گلے میں پڑ جاتا ہے اور کامرانی کی صورت میں ہمیں آگے بڑھنے کی ہمت مل جاتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری آگے بڑھنے کی سمت درست ہے یا نہیں اگر تو درست ہے تو ہم راہِ حق پر رواں دواں ہیں جہاں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اُس کی رضا، مدد، اور احسانات کی لطافتیں قدم قدم پر ہمارے پروردگار کے کرم کی بارش کرتے ہوئے ہمیں آسودگی عطا کر رہی ہیں اگر ہماری سمت درست نہیں تو اور ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں دوسروں کے مفادات کے عوض حاصل کرتے ہیں اور ہمارا حاصل کرنا ہماری لالچ ہماری ہوس کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس کے زیر سایہ رہ کر ہم زندگی گزار رہے ہوتے ہیں یہی وہ نفس ہے جس کے خلاف ہمیں جہاد کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو اُن منفی قوتوں کے چنگل سے بچائے رکھنا چاہیے جن کی وجہ سے ہماری زندگی کے غلط رخ متعین ہو رہے ہوتے ہیں۔

(93)

میں ایانی نینہہ کیہ جاناں!

سجن بن راتاں ہوئیاں وڈیاں
رانجھن جوگی، میں جوگیانی، کملی کر کر سڈی آں
ماس جھڑے، جھڑ پنجر ہویا، کڑکن لکیاں ہڈیاں
میں ایانی، نینہہ کیہ جاناں، برہوں تناواں گڈیاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، دامن تیرے لگی آں

الفاظ و معنی:

کملی ——— پاگل۔ دیوانی، سدھ بدھ کھوئی ہوئی
سڈی ——— پھینکتی
پنجر ——— ڈھانچہ
ایانی ——— معصوم، چھوٹی، بچوں جیسی یا بچی
نینہہ ——— عشق، محبت، لگاؤ۔ تعلق
برہوں ——— جدائی۔ ہجر، علیحدگی
تناواں گڈیاں ——— طنابیں ڈالیں۔ گرفتار کیا۔ قابو کیا

ترجمہ:

محبوب کے بغیر راتیں طویل ہوگئی ہیں مراد ہے راتیں نہیں گذرتیں میرا محبوب جوگی ہے اور میں اُس کی جوگن میں اُس کے پیچھے دیوانی ہوگئی ہوں مرے وجود سے میرا گوشت جھڑ گیا ہے اور اب صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے جو آپس میں ٹکرا ٹکرا

کر آوازیں دینے لگے ہیں میں انجان اور معصوم کیا جانوں کہ محبت اور لگاؤ کیا ہے مجھے تو جدائی نے مارا ہوا ہے اور میں تیرے بس میں ہوں کہ میرے تمام اختیارات بھی تیرے اختیار میں ہیں۔

تشریح:

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا وفا کیا ہے

(اسد اللہ خان غالب)

عشق، محبت، پیار، وفا سب کی سب بے معنی کہ محبوب پر جان نثار کرنے والے ان سب باتوں سے افضل ہوتے ہیں۔ اُنہیں تو بس اپنے محبوب کے دیدار کی ایک جھلک ہی اُس وقت تک بے تاب رکھتی ہے جب تک وہ اُس کی دوسری جھلک نہ دیکھ لیں اور اس تسلسل میں کسی قسم کی تبدیلی اُن کی جان لینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہجر کی راتوں کی طوالت ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے وقت گذرنے ہی نہیں پاتا اور یوں لگتا ہے جیسے ٹھہر گیا ہو۔ ہر پل ایک عذاب، ایک نیا کرب ایک نیا وسوسہ اور خیال جو لہو رلاتا اور پُر درد کیفیت کو وجود کے روئیں روئیں میں پرو دیتا ہے۔ پھر ہڈیوں سے گوشت الگ ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے ــــــ یہ سب کچھ اس قدر عزیز ہوتا ہے کہ کسی بھی پل اکتاہٹ نہیں ہوتی ــــــ مگر ہم یہ نہیں جانتے ایسا کیوں ہوتا ہے شاید اس لئے کہ ان سب کے بالمقابل وہ رشتہ جس کی وجہ سے ہم ان کرب زاروں سے گزرتے ہیں سب سے سچا اور قوی ہوتا ہے اور اُس کی لطافتیں اس تمام پُر درد ماحول پر حاوی ہوتی ہیں ورنہ نہ تو محبوب کے بغیر راتوں کی طوالت میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی موسم کی خوشگواریت ناگوار گزرتی اور نہ بغیر کسی ظاہری سبب کے کسی بدن میں کوئی تبدیلی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور جہاں ایسا رشتہ اور ایسی لطافتیں کسی کے حصے میں آجائیں تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ اُس ایک ایسی ذات سے منسلک ہے جو سب سے سچی، سب سے طاقتور اور سب سے اعلیٰ ہے، اور وہ رب

کائنات کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ کہ وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔ تمام محاسن اُسی کے ہیں اور اُس کی جدائی کسی کو بھی کسی بھی حال میں گوارا نہیں۔ اُسے چاہنے والے سب نے اُسی کا دامن تھاما ہوا ہے اور وہی اُن سب کا بھرم اور آبرو رکھنے والا ہے۔ سلطان باہُو کا ایک دوہڑا ملاحظہ فرمایئے۔

ایہہ تن میرا چشمہ ہووے، مُرشد ویکھ نہ رجّاں ہُو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشمے، ہِک کھولاں ہِک کجّاں ہُو
اینتاں ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کِتے ول بھجّاں ہُو
مُرشد دا دیدار ہے مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہُو

(سلطان باہُو)

بُلھے شاہ کی یہ کافی بھی شاہ حسین کی ترجمان لگتی ہے۔

سجناں دے وچھوڑے کولوں تن دا لہو چھانی دا
دکھاں سولاں کیتا ایکا
نہ کوئی ساہورا ناں کوئی پیکا
درد وہونی پئی در تیرے
توں ہیں درد رنجانی دا
سجناں دے وچھوڑے کولوں تن دا لہو چھانی دا
کڈھ کلیجہ کرنی ہاں بیرے
ایہہ بھی نہیں ہے لائق تیرے
ہور توفیق نہیں وچ میرے
پیئو کٹورا پانی دا؟

سجناں دے وچھوڑے کولوں تن دا لہو چھانی دا

ہن کیوں روندے نین نراسے
آپے اوڑک پھاہی پھاسے
ہن تاں چھٹن اوکھا ہویا
چارہ نہیں نمانی دا
سجناں دے وچھوڑے کولوں تن دا لہو چھانی دا

بلھا شوہ پیا ہن گجے
عشق دے سر تے وجے
چار دیہاڑے کوئل واسا
اوڑک کوچ نقارے دا
سجناں دے وچھوڑے کولوں تن دا لہو چھانی دا

(بلھے شاہ)

(94)

ہردم سائیں سائیں!

گھڑی اک دے مجمان مسافر، پیاں تاں رہسن جائیں
کوٹاں دے سِکدار سنیندے، اکھیں دِسدے ناہیں
چھوڑ تکبر، پکڑ حلیمی، کوئی کہیں دا ناہیں
کہے حسین فقیر نمانا، ہر دم سائیں سائیں!

الفاظ و معنی:

مجمان ——— مہمان
پیاں تاں رہسن جائیں ——— سب یہیں رہ جانے والا ہے
کوٹاں ——— قلعے
سِکدار ——— حاکم
ہردم سائیں سائیں ——— ہردم اللہ اللہ۔ ہر سانس اللہ تعالیٰ کا ورد۔ ہر لمحہ ہر جگہ رب العالمین کا ذکر

ترجمہ:

ایک پل کے مہمان ہیں مسافر ہیں جو کچھ یہاں کا ہے یہیں رہ جانے والا ہے۔ قلعے کے حاکم نظر نہیں آتے مراد جو مر چکے ہیں اُن کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ تکبر چھوڑ کر عجز اختیار کر کہ کوئی کسی کا نہیں ہے۔ یہی عجز تیرے کام آئے گا۔ شاہ حسین فقیر اور عاجز بندے کا کہنا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی ہر سانس کے ساتھ ساتھ اللہ ہی اللہ ہے یعنی ہر لمحہ بھی ذکرِ الٰہی میں مگن و مسرور ہے۔

تشریح:

یہ تو طے ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف رہتی ہے۔ کیا پرندے، کیا حجر، کیا شجر سب کے سب اپنے رب کے سامنے جھک کر بلندیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں اور یہ رفعت اللہ تعالیٰ کی بے پناہ محبت کے روپ میں اُس کی مخلوق کے حصے میں آتی ہے۔ اور جو جو بھی اس محبت میں ڈوبتا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا اور زیادہ مشتاق ہوتا جاتا ہے یہی کشش ہے جو نیک انسانوں کو بھی عطا کی گئی جس کے تحت وہ اللہ کی جانب راغب تو ہوتے ہی ہیں اُنہیں اللہ کے وصال اور قرب کی آرزو شدت سے ہوتی ہے یعنی وہ اس دنیا سے کنارہ کرتے ہوئے جلد از جلد اپنے اللہ کے پاس پہنچنا چاہتے ہیں۔ جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاہ حسین اپنی اس کافی میں دنیا کو مہمان خانہ یا مسافر خانہ کے روپ میں دیکھ رہے ہیں اور خود کو ایک گھڑی پل کے مسافر* جو تہی دست ہی آیا ہے اور تہی دست ہی گزر جانے والا ہے دنیا کی تمام اشیأ جو اُس کے جیتے جی اُس کی ضرورتیں پوری کرتی رہی ہیں وہ سب کی سب دنیا ہی میں رہ جانے والی ہیں اُس کا اپنا کردار جو نیک و بد اعمال کی تشکیل کا ذمہ دار رہا ہے اُس کے حوالے سے جو بھی اُس کے حصے میں ہے وہی کچھ اُس کے ساتھ جائے گا کہ اُس کا حساب ہونا باقی ہے۔ اگر اُس کے حصے میں نیک اعمال ہیں جو اُس کے مثبت کردار کے نمائندہ ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے اُس کی بخشش فرمادے گا اور اگر اُس کے منفی کردار کی وجہ سے اُس کے حصے میں بد اعمال ہیں تو رب ذوالجلال کے قہر کا نشانہ بننے سے اُسے کون بچا سکتا ہے۔ اور اس میں کسی کے جاہ و منصب کی کوئی تخصیص نہیں۔ کہ آج تک شاہ وگدا سب اسی دنیا میں آئے اور رخصت ہو گئے

---

* یہاں شاہ حسین فرد کے حوالے سے اجتماعی سوچ کو ہمارے سامنے لا رہے ہیں اور یہ سلیقہ مندانہ پہلو اُن کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ (مثالی)

کون رہ سکا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے بس ہمیں تکبر چھوڑ کر عجز اختیار کرنا چاہیے کہ یہ عمل ایک احسن عمل ہے جسے اللہ کے بندے اور اللہ تعالیٰ خود پروردگار بے حد پسند فرماتا ہے اور بندے کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلند ہوتا رہتا ہے۔ مگر افسوس ہم یہ خیال نہ کرتے ہوئے تکبر کا شکار ہوتے ہیں اور عجز جیسی نعمت سے استفادہ کرنے سے گریز کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک طرف تو ہم اپنے رب کی ناراضگی مول لیتے ہیں جو کسی بھی صورت میں ہمارے حق میں بہتر نہیں ہو سکتی دوسری طرف اپنے اردگرد کے لوگوں میں اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتے ہیں جس سے ہم دن بدن تنہا سے تنہا ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن اس کا احساس ہمیں اُس وقت ہوتا ہے جب ہم کسی نہ کسی ایسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو لاعلاج ہو اور ایسے میں کوئی ہمارا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ اور اس تمام صورتِ حال کے ہم خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ہم نے خود ایک ایک کر کے ہر شخص سے ناطہ توڑا ہوتا ہے ہمیں ہمارے لوبھ، لالچ، ہوس پرستی خودغرضی جھوٹی شان و شوکت سے پیار ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہم تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا رب ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہمارے فرائض میں کیا شامل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کیا عہد کر کے دنیا میں آئے تھے اور کیا کر کے جارہے ہیں۔ ہم نے اپنی مفادانہ زندگی میں کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ ہم اپنے رازق کی عبادت بھی کریں اُس کا شکر بھی ادا کریں اُس کے حضور سجدہ کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کریں، کہ وہ رب العالمین انتہائی رحیم و کریم ہے ہو سکتا ہے وہ رحم فرمادے اور ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں اپنے نیک بندوں کی صف میں کھڑے ہونے کی توفیق عطا کر دے ——— ہم نے اپنے اردگرد، اوپر نیچے دائیں بائیں اور اپنے اندر جھانک کر دیکھا ہی نہیں کہ وہ ذاتِ پاک ہر لمحہ، ہر وقت ہمارے پاس ہے ہم جہاں جاتے ہیں ہمارا رب وہیں موجود ہوتا ہے، ہوائیں، فضائیں، گھٹائیں

سب اُس کے نام کے ورد سے حسین ہیں سب اُس کے ذکر سے لطیف و خوشنما ہیں——— کاش ہم دیکھ سکنے کی طاقت حاصل کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو مستقل ٹھنڈک سے فیض یاب کرتے مگر ہماری آنکھوں پر ہمارے نفس نے سیاہ پٹی باندھ رکھی ہے اور یہ اجازت ہم نے خود اپنے نفس کو دے رکھی ہے کہ ہم نے اپنے محاسبہ کرنے کی ہر کوشش سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور اپنے آپ کو اس دنیا میں یوں مگن کر لیا ہے کہ جیسے ہمیں ہمیشہ یہیں پر رہنا ہو۔ حالانکہ ہم لمحہ بھر کے مہمان ہیں اور نجانے کس وقت اُٹھ کر چلتے بنیں۔ پھر ہمیں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قبر کے اندھیرے اور تکلیفوں سے بچانے والا سوائے ہمارے اُن لمحوں کے جن میں ہم نے اپنے رب کا ذکر کیا، اُس کی رحمتوں کی طلب کی، اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے رب سے اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مغفرت چاہی۔

غالب کا ایک مشہور شعر یاد آرہا ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

(غالب)

واقعی انسان کو اُس کے ہونے نے ڈبو دیا کہ اُس کا ہونا اُس کی نفس پرستی کی جڑ ہے جسے کاٹ کر پھینک دینے سے وہ اپنے رب کی پناہ میں آجاتا ہے اور اُس کا اپنا وجود ختم ہو جاتا ہے کہ باقی تو سب اللہ ہی اللہ ہے۔

یہ آسمان ہے کیا چیز اور کیا ہے زمیں
ترا کرم ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں

قدم قدم پہ ہوئے پست حوصلے میرے
قدم قدم پہ بنا ہے تو میرا محکم یقیں

نہ ہو سکا، نہ ہوا مجھ سے تیرا شکر ادا
جہاں جھکا ہوں وہیں رہ گئی ہے میری جبیں

مرے خدا! مری سوچوں میں نیکیاں بھر دے
پلٹ کے آؤں تری سمت بن کے تیرا امیں

مری زبان پہ لکھ دے تُو اپنی حمد و ثنا
ہوں میرے حرفِ سبھی تیری رحمتوں کے نگیں

(یوسف مثالی)

(95)

چرخے تند نہ گھتے!

دو یار، جیہناں نوں عشق، تیہناں کتن، کیہا
البیلی کیوں گتے
لگا عشق، چکی مسلاہت، وسریاں پنج ستے
گھائل میل پھرے دیوانی، چرخے تند نہ گھتے
میری تے ماہی دی پریت چروکی، جاں سرآہے نہ چھتے
کہے حسین فقیر نمانا، نین سائیں نال رتے!

الفاظ و معنی:

تیہناں نوں کتن کیہا ـــــ اُن کو عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ یا کام کاج کی کیا ضرورت ہے

البیلی ـــــ انوکھی۔ کسی خاص وصف کی مالک

چکی مسلاہت ـــــ چکی میں پس جانا

وسریاں پنج ستے ـــــ تمام نمازیں بھول گئیں۔ (پانچ سات نمازیں) تہجد اور اشراق ملا کر سات نمازیں

گھائل ـــــ زخمی

مائل ـــــ راغب

چرخے تند نہ گھتے ـــــ چرخے میں تند نہ ڈالے۔ یعنی عبادت کرنے کی تیاری نہ کرے

ماہی ——— محبوب

چروکی ——— پرانی۔ بہت دیر کی، ازل سے ہمیشہ سے

جاں سر آہے نہ چھتے ——— جب سر پر بال بھی نہیں آئے تھے

نین سائیں نال رتے ——— مراد ہے اللہ کی یاد میں جاگ جاگ کر آنکھیں سُرخ ہو چکی ہیں

ترجمہ:

جن کو عشق ہو گیا ہے اُن سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ انوکھی کیوں کوئی کام کرے۔ عشق کی چکی میں پستے ہوئے نمازیں بھی بھول گئیں اور زخمیوں اور پاگلوں کی طرح پھر رہے ہیں ہم نے کسی کام کا آغاز کیا ہی نہیں۔ میری میرے محبوب کے ساتھ پرانی محبت ہے اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب میرے سر پر ابھی بال بھی نہیں اُگے تھے مراد ہے روزِ ازل سے اور اُس کی یاد میں رات رات بھر جاگ جاگ کر اور رو رو کر میری آنکھیں سرخ ہو چکی ہیں۔

تشریح:

شاہ حسین اس کافی میں ہمیں عشق میں عبادت کے مضمر ہونے کا راز بتا رہے ہیں یعنی جس نے عشق کر لیا اُس کے تمام کام ادھورے رہ گئے سوائے عشق کی تکمیل کے۔ کیوں کہ عشق وہ جذبہ اور وہ قوت ہے جس میں تمام جذبے اور قوتیں ضم ہو جاتی ہیں اور ایک بڑی طاقت کا روپ اختیار کر لیتی ہیں۔ جسے اجتماعی طاقت بھی کہا جا سکتا ہے لہٰذا جب یہ طاقت کسی انسان کے بس میں ہو جائے تو اُس کے کام کی نوعیت بھی عام لوگوں سے ہٹ کر ہوتی ہے وہ دنیاداری کے چکروں سے یکسر بے نیاز ہو کر صرف ایک ہی سمت سفر شروع کر دیتا ہے اور وہ سفر سچ کے راستے پر ہوتا ہے جہاں اُسے اپنے محبوبِ حقیقی کی رعنائیوں اور دلآویزیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور اُس کی زبان و دل از خود اپنے محبوب کے اوصاف کی تعریف میں مگن ہو جاتے ہیں اور اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اُس کے خالقِ حقیقی نے اُسے تخلیق ہی اسی

لئے کیا ہے یا اُس کا کام صرف اور صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکے ، اُس کی حمد و ثنا کرے، اُس کی عبادت کرے اور اُس کی رضا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے اور جب یہ کام فرائض میں شامل ہوں تو اس سے دوہرا فائدہ خود بخود سامنے آ جاتا ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے وافر مواقع نصیب ہونا شروع ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنے نفس سے جہاد کرنے کے وسائل انسان کی دسترس میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر بندہ اللہ تعالیٰ کی محبتوں اور رحمتوں کا حق دار بن جاتا ہے اور رب العالمین کے نیک بندوں میں شمار ہو جاتا ہے۔

زاہد زہد کماندے تھکے، روزے نفل نمازاں ہُو
عاشق غرق ہوئے وچ وحدت نال محبت رازاں ہُو
مکھی شہد چ قید ہوئی کیہ اُڈسی نال شہبازاں ہُو
جھاں مجلس نال نبی ﷺ اوہ صاحب راز نیازاں ہُو

(سلطان باہُوؒ)

یہ تو وہ پراسس ہے جو انسانی زندگی میں اُس کے رجحان کے طفیل اپنا کردار ادا کرتا ہے اس کے برعکس ایک تسلسل ایسا بھی ہے جس کا شاہ حسین نے اس کافی کے تیسرے مصرعہ میں ذکر کیا ہے وہ ہے ازلی رشتہ جو بندے کا اپنے رب سے ہے جس کے طفیل ایک طرف تو وہ اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کے باوجود بھی اپنے اللہ سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتا اور اللہ کی بنائی ہوئی تمام نعمتوں سے فیضان حاصل کرتا ہے دوسری جانب روز ازل سے ہی بندے کا اپنے رب سے تعلق خاص ابھرتا نظر آتا ہے۔ جو انسان کو شعوری اور غیر شعوری دونوں سطحوں پر اپنے اللہ پر بھروسہ کرنا، اُس کی رحمتوں کا طالب رہنا، اور اُسے اپنا رب ماننا ہے یاد رہے اس میں کسی قسم کے دنیاوی عوامل کا کوئی کردار مددگار ثابت نہیں ہوتا پس بندے کا اللہ تعالیٰ سے اٹوٹ رشتہ بغیر کسی تصوراتی وجذباتی کیفیات اور سوچ کے اپنی مکمل حیثیت میں قائم رہتا ہے۔ اور یہ رشتہ اللہ تعالیٰ کے عشق کی صورت میں بندے کی شعوری سطح کے بلند ہونے کے

ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتا، اور پروان چڑھتا رہتا ہے جسے نہ تو دنیاوی کشش روک سکتی ہے اور نہ ہی دوسرے رشتے جو ختم ہو جانے والے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ سے مضبوط ترین تعلق ہونے کے ناطے دوسرے ناطے از خود اپنی اہمیت کم کرتے چلے جاتے ہیں اور اختتام پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ جو اس ازلی سعادت سے رب کریم کے کرم سے جُڑے ہوئے ہیں اللہ کے خاص ترین بندے کہلانے کا حق رکھتے ہوئے اور وہ دوسرے انسانوں کے لئے رہنمائی کے اصول وضع کرتے ہیں۔ جن پر چل کر دوسرے انسان اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے پرانے اور دیرینہ عشق کے دعوے دار ہیں۔ اور ان کا دعویٰ ایک مان ہے جو اُن کو اپنے رب پر ہے، ایک عجز خاص ہے جو ہر اک کے مقدر میں نہیں، ایک اعزاز ہے جس کی رفعت کا کوئی اندازہ نہیں۔ ہر اگلا قدم آغاز ہے اور ہر پچھلا قدم انجام۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے بھی اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے بے بہا نوازتا ہے۔ وہ جسے بھی اپنے ذکر سے منور فرماتا ہے روشنیاں اُس کی محتاج ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جسے اپنا بندہ بنالیتا ہے وہ سب کی نگاہ میں قابلِ رشک ہو جاتا ہے۔ اور پھر بندہ کا اپنے رب کے لئے اپنی راتوں کی نیندیں قربان کرنا، رو رو کر التجاؤں میں آنسو پرونا، لمحوں سے اپنے محبوبِ حقیقی کی گفتگو کرنا اور اُس کے خاص الخاص بندوں کی پیروی کرنا یہ سب امور ہی بندے کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے اور یہ نیک مقصد عطائے ربی ہے۔ اور بندے کے محسوسات میں جو پہلو جھلمل کرتے ہیں — اُن کی کرنوں کے ہزار ہا رنگوں میں سے ایک دو رنگ جو سرِ دست ناچیز کے سامنے ہیں آپ بھی اُن سے لطف اندوز ہونے کا اعزاز حاصل کیجئے۔

اُلٹ بازی گر دیکھو
عشق دیاں اُلٹیاں بازیاں
بدہ دیاں باتاں ستو سیاں، تن من اندر تازیاں
علم حقیقی عاشق جانیں، کیا جانیں مُلّا قاضیاں

محبت دے میدان وچوں گو چاتی کنھا غازیاں
سچّل ہر دم در اللہ دے کردا سو لکھ آزیاں!

(سچل سرمستؒ)

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے
(مرزا غالب)

(96)

سادھاں بیڑے چڑھیئے!

ایہو بن دی ہے گل، سجن نال میلہ کریئے
خوار پرا مِت رانجھن ساری باہیلے عَیں تریئے
بھَو ساگر ات بکھڑا بھاری سادھاں بیڑے چڑھیئے
سائیں کارن جوگن ہوواں کریئے جو کچھ سریئے
لکھ ٹکا شیرینی ذیواں، جے شوہ پیارا دریئے
ملیا یار، ہوئی روشنائی، دم شکرانے بھریئے
کہے حسین حیاتی، لوڑیں، تاں جیوندیاں ہی مریئے!

الفاظ و معنی:

میلہ کریئے ——— وصل ہو۔ ملاقات کریں۔ اکٹھے ہوں۔ ملیں
مِت رانجھن ——— محبوب۔ دوست
باہیلے عَیں تریئے ——— دریا پار کرنے کی سبیل کرنا
بھَو ساگرات بکھڑا بھاری ——— خوفناک سمندر۔ جلال میں آیا ہوا سمندر
سادھاں بیڑے چڑھیئے ——— نیک لوگوں کی کشتی میں بیٹھ جائیں کہ پار اُترنے کا واحد ایک ذریعہ ہے
کارن ——— سبب۔ کی وجہ سے۔ کے واسطے
کریئے جو کجھ سریئے ——— جو بھی ہم سے ہو سکتا ہے کرنا چاہیے
لکھ ٹکا شیرینی دیواں ——— لاکھوں کی مٹھائی بانٹوں۔ خوشیاں مناؤں

جے شو پیار اور یئے ——— اگر سچے اور پیارے محبوب کا بر مل جائے

روشنائی ——— روشنی

دم شکرانے بھریئے ——— ہر دم شکر ادا کریں

ترجمہ:

تب ہی بات بن سکتی ہے جب اپنے محبوب سے ملاقات ہو جائے محبوب بہت دور ہے اور اُس تک پہنچنے کا راستہ انتہائی خطرناک ہے بالکل ایسے جیسے کوئی خوفناک سمندر ایسے میں درویشوں کی کشتی پر سوار ہونا چاہیے وہی محبوب حقیقی تک پہنچا سکتے ہیں کہ وہ راستہ اور منزل دونوں سے آشنا ہیں۔ میں بھی اللہ کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں درویشی اختیار کرنا چاہتا ہوں غرض یہ کہ جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکے گا کروں گا کہ مجھے اپنے محبوب کا وصل نصیب ہو جائے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو میں لاکھوں ٹکوں کی مٹھائی تقسیم کروں میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہے۔ اگر میرا محبوب مجھے پسند کر لے، اور جب یار مل جائے تو ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو جائے اور میں ہر دم شکرانے کے نوافل ادا کروں۔

تشریح:

محبوب سے ملاقات کا جو بھی طریق کار وضع ہوتا ہے وہ اکثر غیر واضح رہا ہے کہ وصل کا خواہاں یا طالب جوں جوں اُس راستے پر چلتا جاتا ہے راستے کی مشکلات اُس کے آڑے آتی رہتی ہیں اور وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے جب تک کہ منزل تک نہ پہنچ جائے۔ راستہ بھولنے کے اندیشے سے کسی سے راہ پوچھنا، کسی کی رہنمائی حاصل کرنا اور صحیح سمت کا انتخاب بھی ایک طرح کی مشکل کے ضمن میں ہی آتی ہیں۔ اور ان مشکلوں کے حل کے طریق کار ہر انسان کے اُس کی اپنی سوجھ بوجھ اور عمل کے مطابق ہوتے ہیں۔

شاہ حسین بھی مذکورہ کافی میں مشکلوں سے دوچار ہیں۔ اور یہ مشکلیں اُن کے عشق کی طرح خاصی شدت اختیار کر چکی ہیں اُنہیں اپنے محبوب سے وصل کی شدید خواہش ہے جس کے سبب اُن کو یہ شعور حاصل ہوا ہے کہ وہ درویشی اختیار کر لیں اور اُس مقام کو حاصل

کرنے میں کامیاب ہو جائیں جہاں پر مشکلیں، مشکلیں نہیں رہتیں۔ اور پھر اُن کے اور اُن کے محبوب کے راستے میں کسی قسم کی کوئی دیوار نہیں رہے گی اور یہ سب اُن کے اختیار میں ہے کہ وہ محبوب کی خاطر اپنے آپ کو اُس راہ پر لے جائیں جہاں ناکامی کی کسی بھی صورت کا امکان تک مفقود ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے اللہ کو دیکھنے اور اُسے پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے ——— آپ یقیناً سمجھ چکے ہوں گے کہ یہ کامیابی انسان کی سب سے بڑی کامیابی قرار دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اُس مقصد میں سرخرو ہوا ہے جس کے لئے اُسے پیدا کیا گیا، ایسی صورت میں جو خوشیاں بندے کو نصیب ہوتی ہیں ان کا اندازہ یا احاطہ کرنا تو درکنار اُن کی اتھاہ کا تصور بھی ممکن نہیں، کہ روح و جسم ایسی وجدانی اور نہ سمجھ میں آنے والی لطافتوں سے مربوط ہو جاتے ہیں کہ بیان کے لئے الفاظ کی تلاش تک ممکن نہیں رہتی اسی کیفیت کا ذکر شاہ حسین نے شیرینی بانٹنے اور شکرِ ربی ادا کرنے کے حوالے سے کیا ہے ——— جو روشنی اُنہیں اللہ تعالیٰ کے قرب سے عطا ہوئی ہے وہ اُس کی نورانیت میں تحلیل ہو جانا چاہتے ہیں۔ اور اُس سے ہمکنار ہو جانا چاہتے ہیں جو ہمیشہ کیلئے ہے مگر اس کیلئے ضروری ہے موت سے پہلے مرنا۔ جیتے جی مر جانا یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو روحانی خواہشات پر قربان کر دینا۔ ہوتے ہوئے بھی نہ ہونا اور یہی انسانی معراج کا تقاضا ہے جہاں پہنچ کر انسان وہ کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس کا دنیاوی زندگی میں تصور بھی ممکن نہیں۔

اول ہو کے لا مکانی
ظاہر باطن دس دا جانی
رہیا نہ میرا نام نشانی
مٹ گیا جھگڑا شور
ہن مینوں کون پچھانے
میں ہو گئی نی کجھ ہور

(بلھے شاہؒ)

(97)

رانجھن پاوے جھاتی!

سائیں سائیں کریندیاں، ماں پیو ہوڑھیندیاں، کوئی نینھوڑا لائیو
دل گھر ونجن کیہا وے ماہیا
ہیرے نوں عشق چروکا آہا، جاں آہی دُدھ واتی
وچ پنگھوڑے دے پئی تڑفے، ویدن رتی نہ جاتی
برہوں قصائی تن انتر وڑیا، گھِن کوہاوتی کاتی
سیاں ورھیاں دی زحمت جاوے، رانجھن پاوے جھاتی

الفاظ و معنی:

سائیں سائیں کریندیاں ——— اللہ اللہ کرتے ہوئے۔ اللہ کے نام کا ورد کرتے ہوئے

ہوڑھیندیاں ——— روکتے ہوئے۔ باز رکھنا۔ منع کرنا

نینھوڑا لائیو ——— محبت ہوئی۔ عشق لگا۔ دل لگا

دل گھر ونجن ——— واپس گھر آنا۔ لوٹنا۔ پلٹنا

چروکا ——— بہت دیر کا۔ پرانا

جاں آہی دُدھ واتی ——— جب وہ بالکل بچی تھی، معصوم تھی، مراد ہے چھوٹی عمر کا عشق

پنگھوڑے ——— جھولے

تڑفے ——— تڑپے، بے چین ہو۔ بے قراری

وَیدن رتی نہ جاتی ——— کسی تکلیف کا معمولی سا بھی آرام نہ آنا۔ذرہ برابر فرق نہ پڑنا۔کوئی تبدیلی محسوس نہ ہونا

برہوں ——— جدائی۔ہجر۔علیحدگی۔دُوری

تن انتر وڑیا ——— جسم کے اندر داخل ہو گیا

گِھن ——— لے کر

کوہاوتی ——— قتل کرنے والی۔ایذا پہنچانے والا۔کاٹ دینے والی

کاتی ——— چھری،تیز دھار آلہ

سیئاں ورھیاں ——— سینکڑوں برس۔کئی سو سال

رانجھن پاوے جھاتی ——— محبوب کی نظرِ کرم ہو جائے۔وہ اک نظر دیکھ لے

ترجمہ:

اللہ کا نام لیتے ہوئے کوئی لاکھ روکے ہرگز کسی کا خیال نہ کرنا بلکہ اُس کے نام کی تسبیح کرتے رہنا اور اس سے پیچھے نہ ہٹنا۔

ہیر کو بھی چھوٹی عمر میں ہی عشق ہو گیا تھا وہ جھولے میں ہی تڑپتی تھی اور اُس کی تکلیف کسی صورت بھی کم ہوتی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ایسا لگتا تھا کہ ہجر کا قصاب تیز دھار آلے کے ساتھ اُس کے وجود میں داخل ہو کر اُسے اندر سے کاٹ رہا ہے۔سینکڑوں سالوں کی تکلیف ختم ہو جائے اگر اُس کا محبوب اُسے ایک نظر دیکھ لے۔

تشریح:

بندہ نے پہلے صفحات میں ہیر رانجھا کے عشق اور کردار کے حوالے سے چند سطور آپ کی نذر کی ہیں کہ صوفیا کے کلام میں ہیر رانجھا کا عشق محض تشبیہ و استعارہ کے طور پر ہی آیا ہے نا کہ ہیر اور رانجھا کی اپنی ذات و شخصیت کے طور پر،اس لئے جہاں کہیں بھی کسی صوفی شاعر نے ان دو کا حوالہ دیا ہے اس کی غرض یہی ہے کہ عام لوگوں کی ذہنی سطح بلاغت و فصاحت اور بسیط معنوی و روحانی تہوں تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے اس لئے صوفیا نے ان

لوگوں کو سمجھانے کے لیے ان دو کرداروں کو Symbol کے طور پر استعمال کیا تا کہ لوگ عام ذہنی سطح پر بھی آسان ترین انداز میں اپنے اللہ کو پہچانیں اور اُس کی طرف راغب ہو کر اپنی عاقبت سنوارنے کا چارہ کریں۔

مندرجہ بالا کافی کے انداز سے بھی میرے موقف کی تصدیق ہوتی ہوئی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

جیسے پہلے مصرعہ میں

سائیں سائیں کریندیاں.................

دل گھر وجن کیہا.........

کو آخری چار لائنوں کے بند سے علیحدہ رکھا گیا ہے جس سے میرے خیال کے مطابق مفہوم کا علیحدہ ہونا اپنی جگہ مگر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ دونوں منزلیں علیحدہ علیحدہ ہیں ان کا آپس میں کوئی جوڑ یا ربط نہیں، سوائے اس کے کہ عشق مجازی کا مضبوط ترین حوالہ ہے جسے مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے تا کہ لوگ اپنی اصل راہ متعین کر سکیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں جو سچا اور اصلی محبوب ہے۔

سو اللہ سے لو لگانے والے اور اُس کی عبادت کرنے والے دنیا کے دھندوں سے بے نیاز ہوتے ہیں کسی قسم کا لالچ اُن کے جذبوں میں جھول نہیں ڈال سکتا۔ اور اگر اُن کا اردگرد، کسی دوسرے کی پرستش کا قائل ہوتے ہوئے اللہ کے نیک بندے کو اللہ کی عبادت کرنے سے روکنے کی کوشش کرے تو ایسا ممکن نہیں ہوتا اور تاریخ بار بار اس بات کی گواہی دیتی نظر آتی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کافی کے دوسرے حصے میں شاہ حسین ہمیں کن لطافتوں سے فیض یاب ہونے کی بشارت دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کے پیدا کرنے کے بارے میں سوچتا ہے تو اُسی لمحے انسان کا اپنے رب سے خالق و مخلوق کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب انسان دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے تو وہ اپنے خالق سے جدائی کا کرب

برداشت کرتے ہوئے اس دنیا کی گہما گہمی میں کھو جاتا ہے مگر وہ اللہ کے بندے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا شعور رکھتے ہیں وہ اپنے خالق حقیقی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے اور سچے محبوب کے دیدار کی طلب لئے اُسے پکارتے رہتے ہیں کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اُن کی پکار بلند سے بلند ہوتی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی پکار سے اُس کی محبت کا اندازہ فرماتے ہوئے اُسے کُندن بننے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ تاکہ اُس کا بندہ پوری طرح سے اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے اور کسی کے سامنے اُسے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مگر اس مقام کے پس پردہ کتنی عبادت اور کتنی ریاضت ہوتی ہے یہ توفیق دینے والا جان سکتا ہے یا جو اس کی توفیق کا اہل ہو ——— اور جب محبوب کا دیدار حاصل ہو جائے تو تمام کے تمام کشٹ جو کاٹے گئے ہوں اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں پھر ہر طرف سرور ہی سرور، نور ہی نور، رحمت ہی رحمت جلوہ افروز ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خوش ہو کر اُس پر اپنے فضل و کرم کی بارش برساتا ہے۔

(98)

ہیر عذابوں چھٹے!

چھلت پڑی تن رانجھن والی، محرم ہوئے سو پٹے
لکھ لکھ سوئیاں، لکھ نہیرن، لکھ زنبوراں ہٹے
لکھ لکھ ملاں تے لکھ قاضی، علم پڑھے، پڑھ ہٹے
جے ٹک رانجھا درس دکھاوے، ہیر عذابوں چھٹے

الفاظ و معنی:

چھلت ——— کانٹا۔ چھلتر۔ کوئی تیکھی کانٹے نما شے جو بدن میں چُبھ جائے تو سوئی وغیرہ سے نکالی جاتی ہے۔ پھانس

پٹے ——— نکالے

نہیرن ——— ایک اوزار جو تراش خراش کے کام آتا ہے

زنبوراں ——— اوزار

ہٹے ——— تھک گئے، بے زار ہو گئے

ٹک ——— تھوڑی دیر کے لئے

ترجمہ:

محبوب کے عشق کا کانٹا وجود میں چُبھ گیا ہے کوئی اپنا ہو تو اسے نکالے، سوئیاں اور دیگر کئی قسم کے اوزار ٹوٹ گئے ہیں مگر یہ کانٹا اتنا سخت ہے کہ وجود سے نکلتا ہی نہیں۔ قاضی اور مُلاں بھی اپنی کوشش کر چکے ہیں بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ محبوب اپنی شکل دکھادے تو اس کانٹے کی چبھن کم ہو جائے۔ اور مجھے سکون نصیب ہو۔

تشریح:

عشق کی کسک کا اندازہ قریب قریب ہر شخص کو ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا کانٹا ہے جسے نکالنے کی دہائی تو دی جاتی ہے مگر اسے نکالنے نہیں دیا جاتا کہ اسے نکال دینے سے جذبۂ عشق انسانی وجود سے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جس سے اُس کی زندگی جُوی ہوئی ہے۔ اور جس کے وسیلے سے انسان سب سے پہلے اپنے رب کو پہچانتا ہے پھر اپنے اردگرد کی جانچ کرتے ہوئے ہر چیز کا مقام متعین کرتا ہے اور یوں ایک سلیقہ مندانہ زندگی کی طرح ڈالتا ہے اور خود بھی اس وضع کردہ ہنر سے مستفید ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عشق روابط کے تسلسل کا اہم ذریعہ ہے اور روابط کا تسلسل زندگی کی علامت ہے ——— مگر اُس زندگی کی علامت جو اللہ کی رضا اور اُس کے حکم کے مطابق گزاری جائے اور جب انسان ایسی زندگی کا انتخاب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اُس کے پیچھے سب سے قوی خواہش اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتی ہے جس کے لئے لحہ بہ لحہ بندۂ خدا اپنی کوششوں کو تیز تر کرتا چلا جاتا ہے اور اس تیزی میں ہر وہ شے جو باطل اور منفی اقدار سے گُندھی ہوتی ہے کہیں پیچھے بہت دور رہ جاتی ہے۔ اور رب کریم کے کرم سے انسان کی جان اُن عذابوں سے چھوٹ جاتی ہے جن کی وجہ سے کئی اندیشے اسے گھیرے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں کسی قسم کے اندیشے کا شائبہ تک بھی انسانی ذہن و دل کو نہیں چھو سکتا۔ یعنی انسان وہ اطمینان حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک بندوں کو انعام کے طور بخشا جانے والا ہے۔

شاہ حسین اس کافی کے آخری مصرعے میں یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس کو اپنے محبوبِ حقیقی کا دیدار ہو جائے اُسے کسی دوسری شے کی طلب باقی نہیں رہتی۔

اب دیدار کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں جیسے اللہ کی طرف سے بندے کو بندے کی خواہش کے مطابق انعام، توفیق ذکرِ الٰہی، اللہ کے حکم کی پابندی، نیکی کی توفیق اللہ کے محبوب بندوں سے محبت، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درُود ——— چونکہ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے تو کیا اللہ تعالیٰ خود اس میں موجود نہ ہوگا جب کہ وہ ہر وقت

ہر جگہ موجود رہنے والا ہے۔ ہم سرسبز پتوں، خوشگوار ہواؤں، دل پسند موسموں میں، دلکش نظاروں، جھلملاتے ستاروں، چاند، سورج خوبصورت پھولوں، راحت بخش درختوں، خوش نما پرندوں، ٹہلتے ابر پاروں کو غرض جسے بھی محسوس کرلیں وہ اللہ ہی کے حُسن کا پرتو ہے وہ اُسی کے حکم سے اس طرح ہے جیسا ہم نے دیکھا اور ہمیں تسکین بخش ٹھنڈک کا احساس ہوا، وہ ہمارے رب کی قدرت ہمارے ہی لئے ہے جو ہمارے اِردگرد اُس کی نعمتوں کے روپ میں موجود ہے۔ پس ہمیں وہ آنکھیں عطا ہو جائیں جن سے ہم دیکھ سکیں اُس حُسن کو جو ہر روپ میں جلوہ گر ہے مگر اس کے لئے عشق کا وہ کانٹا جو ہمیں ایسی کسک سے آشنا کردے جس سے ہمیں ہمارے رب کی رضا کا علم ہو جائے چبھنا ضروری ہے اور ہم اُس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر اُس کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اُس کے قرب کے بغیر جس عذاب سے ہم دوچار ہیں اُس سے چھوٹ جائیں۔

(99)

میں رہ گئی بے تکرار!

آگے نیں ڈونگھی، میں کِت گن لنگھساں پار
رات اندھیری، پندھ دوراڈا، ساتھی نہیوں نال
نال ملاح دے اَن بن ہوئی، کیں در کریں پکار
سبھناں سیاں شوہ راویا، میں رہ گئی بے تکرار
کہے حسین فقیر نمانا، رونی آں وقت گزار!

الفاظ و معنی:

آگے نیں ڈونگھی ——— آگے گہری ندی ہے
کِت ——— کس طرح۔ کیسے
گن ——— ہنر۔ سلیقہ مندی۔ نیک اعمال۔ خوبی
لنگھساں پار ——— پار اتروں، پار جاؤں، منزل پاؤں
پندھ دوراڈا ——— لمبا راستہ۔ زیادہ سفر، طویل مسافت
اَن بن ——— نہ بننا، مخالفت، چپقلش۔ کھچاؤ
کیں ——— کس
شوہ روایا ——— محبوب کو خوش کیا
میں رہ گئی بے تکرار ——— محبوب کو خوش نہ کرسکی۔ عبادت نہ کرسکی
رونی آں وقت گزار ——— پچھتاوا۔ وقت گذر جانے کے بعد رونا

ترجمہ:

آگے گہری ندی ہے اور اُس پار کس طرح جاؤں کہ اُس طرف میرا محبوب ہے۔
رات بھی اندھیری ہے اور سفر بھی بہت زیادہ ہے اکیلا بھی ہوں اور پھر نا خدا سے میری بنتی بھی نہیں میں کس کے در پر جا کر مدد مانگوں کہ ہر کوئی میرا مخالف ہے ماحول سازگار نہیں سب ساتھیوں نے اپنے اللہ تعالیٰ کو خوش کر لیا ہے صرف میں رہ گیا ہوں کہ میں نے غور ہی نہیں کیا اور اپنے محبوب کو خوش کرنے کا وقت ضائع کر دیا اب پچھتاوا میرے آنسوؤں میں ڈھل ڈھل کر میری آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔

تشریح:

عشق کے دونوں رخ ملاپ اور جدائی اپنی اپنی جگہ پر انتہا ہیں۔ ملاپ خوشی کی آخری حد تک پھیلا ہوا ہے اور جدائی دُکھ کی آخری حد تک۔ انسانی زندگی بھی ان دونوں سے عبارت ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک یہی سلسلہ رواں دواں ہے اور غم وخوشی انہیں دو حوالوں سے اپنی شدت کا پتہ دیتے ہیں۔

شاہ حسین موجودہ کافی میں جدائی کے بعد کی صورت حال کا ذکر کر رہے ہیں۔ جس میں ہمہ وقت یہی کوشش کی جاتی ہے کہ وصل کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا ہو جائے اس کے لئے ہر وہ طریق کار اپنایا جاتا ہے جو وقت اور ماحول کی مناسبت سے موزوں ہو اور اس کی موزونیت ہمارا اپنا شعور طے کرتا ہے۔ اور جائزہ لیتا ہے۔ جیسے محبوب اور محب کے درمیان ایک گہری ندی ہو تو پار جانے کے لئے تیراکی کے فن سے واقف ہونا ضروری ہے یا کشتی کا ہونا لازمی ہے اور شاہ حسین اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اُن کی ناخدا سے نہیں بنتی جس کی بنا پر وہ کشتی پر سوار ہو کر اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور تیراکی کے فن سے وہ آشنا نہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ اُن اوصاف سے فیض یاب نہیں جن کی بدولت اُن کا سچا محبوب اُن سے ملے لہٰذا پہلا مرحلہ محبوب سے ملاقات کا اُسی وقت سر ہو سکتا ہے جب عاشق اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر لے جو اُس کے

محبوب کو پسند ہوں تا کہ اُس کے محبوب کی کشش اس قدر شدت اختیار کر لے کہ محب از خود محبوب کی جانب کھنچتا چلا جائے۔ ایسی صورت میں نہ تو راستوں کی کلفتوں کا غم اُٹھانے کی پریشانی اور نہ ہی کوئی اندیشہ آڑے آسکتا ہے۔ اور نہ ہی مسافت کی طوالت اور اندھیری رات کا دُکھ کسی تکلیف کا باعث بن سکتا ہے ——— اور اگر محب وہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے میں ناکام ہوتا ہے یا اُس کے لئے بالکل کسی کوشش کا سہارا نہیں لیتا اور ادھر اُدھر کے دھندوں میں اُلجھ کر اُس وقت کو ضائع کر دیتا ہے جو اُسے وصل کی راہ ہموار کرنے کے لئے ملا ہوا ہے تو پھر وہ نہ تو اپنے محبوب کو خوش کر سکتا ہے نہ ہی اُس کے وصل کا اہل ہے پھر جب اُس کی نگاہ اپنے جیسے دوسرے لوگوں پر پڑے گی تو وہ دیکھے گا کہ دوسرے لوگ اپنے محبوب سے کس طرح راضی ہیں اور اُن کا محبوب اُن سے کیسے خوش ہے تو اس کے لئے سوائے رونے دھونے اور پچھتاوے کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

مندرجہ بالا معمولات میں شاہ حسین پیدائش اور موت کے درمیانی وقت کو بہتر طور پر گذارنے اور اُس میں آئی ہوئی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے انسان کو اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنے کی تلقین کر رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر بندے کے لئے آسانیاں پیدا فرمادے اور اپنے قرب سے بندے کو مشرف فرمادے۔ یہ محاسن کوئی ہم سے ڈھکے چھپے نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم پر بے پناہ احسان فرماتے ہوئے ہمیں ہدایات فرمائیں ——— اگر ہم اپنے دھیان کو اس طرف آنے ہی نہیں دیتے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں اور اس غیر ذمہ دارانہ غفلت کے شکار بھی ہم ہی ہوں گے جو ہمیں زندگی میں بھی کسی نہ کسی عذاب کی صورت میں بھگتنا ہوگا اور آخرت میں بھی ہم سرخروئی سے محروم رہ سکتے ہیں۔

آج ہم اپنے اردگرد کے ماحول میں اس قدر پھنس چکے ہیں کہ ہمیں سوائے ماحولیاتی ملمع سازی کے کچھ نظر نہیں آتا وہ قدریں جو ہمارا دین ہمارے لئے وضع کرتا ہے اُن سے یکسر ناواقف ہیں اور یہ جاننا ہی نہیں چاہتے کہ ہم اللہ کی عطا کردہ زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کیا کر سکتے ہیں، پس پیروی کرتے ہیں تو اپنے نفس کی، اپنے مفادات کی، اپنی

جھوٹی شان وشوکت کی اور بھول جاتے ہیں اُن نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں اور ہم اُنہیں استعمال کرتے ہیں اور اُس کے لئے اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اُس کے سامنے جھکتے نہیں اور اُس کے احکام سے روگردانی کرتے ہوئے تکبر وغرور کے شکار ہو رہتے ہیں ــــــ سوچیے! کیا ایسی صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کے قرب کے اہل ہو سکتے ہیں کیا ہم اپنی دعاؤں میں تاثیر پیدا کر سکتے ہیں ــــــ مگر پھر بھی پاک پروردگار ہم سب پر رحم فرما رہا ہے کہ ہمیں ہماری طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں پہنچتی ہماری بڑی سے بڑی غلطی کے لئے بھی معافی کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ ہم غلطی کو تسلیم کریں اور توبہ کے لئے جھک جائیں اپنے اللہ کے سامنے جو درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے تاکہ ہم اپنے حصے کا پچھتاوا اسی دنیا میں پورا کرلیں اور اللہ کی عبادت اور حمد وثنا میں اپنے آپ کو مصروف کرلیں تاکہ ہماری بے معنی مصروفیات ختم ہو جائیں جو وقتاً فوقتاً ہمیں گناہوں اور خطاؤں پر اُکساتی رہتی ہیں اور ہم اللہ کے نیک بندوں کی صف میں کھڑے ہونے کے لائق ہو جائیں تاکہ بخشش کی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ یہ زندگی عارضی ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے یہاں پر ہر شے فنا ہونے والی ہے اور جو خود فنا ہونے والی ہے وہ کسی دوسرے کو بقا کیسے عطا کرسکتی ہے ــــــ اللہ ہی ہے جسے بقا ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے جسے جو چاہے عطا فرما سکتا ہے اور جو چاہے چھین سکتا ہے۔ اُس پر کسی کا کوئی زور ہے نہ ہو سکتا ہے۔

بلھے شاہ محبوب حقیقی سے دُوری کے کرب کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

کہے لارے دینا ئیں سانوں دو گھڑیاں مل جائیں

نیڑے دِسیں تھاں نہ دَسیں

ڈھونڈاں کِت ول جاہیں

آپے جھاتی پائی احمد ﷺ

دیکھاں تاں مُڑ ناہیں

آکھ کیوں مُڑ آیو ناہیں

سینے دے وچ بھڑکن بھائیں
اکسے گھر وچ وسدیاں رسدیاں
بِکت دل کوک سنائیں
پاہندی جا میرا دیہہ سنہیا
دل دے اوہلے لگ دا کہیا
نام اللہ دے نہ ہو دیری
مکھ ویکھن نوں نہ ترسائیں
بُلھا شاہ کیہ لائیا مینوں
رات آدھی ہے تیری مہماں
اوبجڑ بیلے سب کوئی ڈردا
سو ڈھونڈاں میں چائیں چائیں
کہے لازے دینائیں ساتوں دو گھڑیاں مل جائیں!

(100)

جھرنا کیہ رب بھانے نوں!

متیں دینی آں بال ایانے نوں

پنجاں ندیاں دے مونہہ آیوں، کیہا دوس مہانے نوں

دارو لایاں، لگدا ناہیں، پچھنی آں وید سیانے نوں

سیاہی گئی، سفیدی آئی آ، ہوندا وقت وہانے نوں

کہے حسین فقیر سائیں دا، جھرنا کیہ رب بھانے نوں

الفاظ و معنی:

متیں دینی آں ——— عقل دینا۔ مشورہ دینا۔ سمجھانا

بال ایانے نوں ——— چھوٹے سے بچے کو، ناسمجھ کو

پنجاں ندیاں ——— پانچ حواس، خواہش نفسانی

مونہہ آیوں ——— قابو آنا۔ گرفت میں آنا۔ سامنے آنا

کیہا دوس ——— کیا الزام

مہانے ——— مرشد۔ رہنما

دارو لایاں لگدا ناہیں ——— کوئی علاج کارگر نہیں

وید ——— حکیم۔ طبیب

سیانے ——— عقل مند۔ سُوجھ بُوجھ والے۔ دانا

سیاہی گئی ——— جوانی گزر گئی

سفیدی آئی ——— بڑھاپا آ گیا

وہانے ——— گذرنے

جھرنا ——— پشیمانی

رب بھانے ——— جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ جو اللہ کو منظور ہو

ترجمہ:

شاہ حسین انسان کو سمجھا رہے ہیں کہ اپنی نفسانی خواہشوں کے کہنے میں نہ آئے کیوں کہ یہ برباد کر دیں گے۔ اب میں اس کا اپنا ہی قصور ہے کوئی دوسرا کیا کر سکتا ہے۔ اور جو ان کے کہنے میں آجائے اُس پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی کوئی دوا دارو کارگر نہیں ہوتا اور انسان حکیموں اور طبیبوں سے مشورے حاصل کرتا رہتا ہے۔ جوانی بیت چکی ہے اور بڑھاپا آ گیا* اور وقت تو گزرنے کے لئے ہوتا ہے پس ہمیں سوچنا ہوتا ہے کہ وقت کو کس طرح گزارا جائے شاہ حسین اللہ کے بندے کا قول ہے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہنے والا کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لئے ہر لمحہ بہتری کرتا ہے۔

تشریح:

اے بندے سنبھل اور اپنے آپ کو بچا اُن خواہشوں سے جو تجھے تیرے رب سے دُور لے جائیں اور پھر تو کہتا پھرے کہ تُو نے تو کچھ نہیں کیا۔ اور پھر کوئی نصیحت، کوئی مشورہ تیرے کام نہیں آئے گا اور وقت گزر جائے گا، کہ یہ کسی کی گرفت میں نہیں آتا۔ آج تو جوان و توانا ہے اپنے رب کو خوش کرنے کی کوشش کر۔ اپنی راتوں کو غلط کاریوں میں برباد نہ کر کہ یہ وقت اللہ کی عبادت کے لئے بہترین وقت ہے اس سے فائدہ اُٹھانا تیرے اپنے اختیار میں ہے ایسا نہ ہو صبح ہو جائے اور تو اس وقت کو ضائع کر دے، تیرا بڑھاپا اور کمزوری

---

* یہاں یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ رات گزر گئی اور صبح ہو گئی۔ رات ایک مثبت حوالے سے ہے اور صبح منفی پہلو لئے ہوئے ہے۔ چونکہ رات عبادت کے لئے بہترین وقت قرار دی گئی ہے اس لئے مثبت حوالے کی حق دار ہے اور صبح انسان دنیا کے کام کاج میں الجھ جاتا ہے اور اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے اس لئے منفی حوالہ بنتا ہے۔

تجھے بھرپور طریقے سے عبادتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کی اجازت نہ دے اور تو پچھتاوے کی آگ میں جلتا رہے کہ زندگی میں تو نے وہ وقت جو سب سے قیمتی تھا اُسے بُرے کاموں میں لُٹا دیا اور جو کچھ اس کے عوض حاصل کیا وہ سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں۔ بگلے کبھی وقت بھی لوٹ کر آیا ہے اسے تو گزرنا ہے یہ کسی کا پابند نہیں۔ تجھے چاہیے کہ تو اپنے نفس کی پیروی سے بچے اور اپنے اللہ کی طرف دھیان دے کہ تیرے لئے وہ جو کچھ بھی کرے گا بہتر کرے گا۔ اور جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اُن کے کاموں کو اُن کا پروردگار سنوارتا ہے اور بندہ کبھی پریشانی و پشیمانی کا شکار نہیں ہوتا۔ کہ اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے حاجاتِ زمانہ سے ماورا ہوتے ہیں خواہشات اُن کے تابع ہوتی ہیں نہ کہ وہ خواہشات کے تابع ——— اور ظاہر ہے جو لوگ خواہشات کے تابع ہوتے ہیں ذلیل و خوار ہوتے ہیں ——— جس کی کئی مثالیں ہمیں اپنے ارد گرد مل جاتی ہیں۔ ذرا آپ نشہ کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھیں، رشوت خور بلیک مارکیٹنگ کرنے والوں پر نظر ڈالیں، دولت پرستی کے نشے میں ادویات میں ملاوٹ کرنے والے کی طرف دیکھیں ——— کیا کوئی ان کو اچھا خیال کرتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور اس کے برعکس جنکی خواہشات اُن کے تابع ہیں وہ اللہ پر راضی ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ اُنہیں عطا کرتا ہے وہ اُس کا شکر ادا کرنے میں دیر نہیں کرتے وہ ہوس و لالچ کی چنگل میں نہیں پھنستے، جس کی وجہ سے لالچ سے متعلقہ پریشانیاں اُن کے نزدیک نہیں آتیں اور وہ سکون سے اپنے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی طلب میں رواں دواں زندگی سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے حضور واپس نہ بلا لے۔

اگر سوچا جائے تو اللہ کی رضا میں راضی رہنے میں انسان کی فلاح کے ان گنت پہلو مضمر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ خود بندے کے لئے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے اور اُس کا مشکل سے مشکل کام نہایت آسانی سے بغیر زیادہ مشقت کئے پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے بندہ تقویٰ جیسی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور اپنے رب کے پسندیدہ بندوں میں شمار ہو جاتا ہے حرص و لالچ کی دلدل سے محفوظ رہتا ہے اور پروردگار کی عطا کردہ نعمتوں سے بھرپور لطف

اُٹھاتا ہے جب کہ حرص ولالچ سے حاصل کی گئی کوئی بھی شے باعث تسکین نہیں ہوتی بلکہ اضطراری کیفیت کو پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔

بندہ اُن کاموں سے بچ جاتا ہے جس میں اُسے خود سے کرنے میں غلطی کا احتمال ہو اور خود کرنے سے وہ سزا کا حق دار ہو جائے۔ آخرت میں اپنے رب کے سامنے شرمندہ ہو کہ اُس نے اپنے آپ کو بہت کچھ خیال کرتے ہوئے غلط راستہ اختیار کیا اور ناکامی کے ساتھ ساتھ پشیمانی کا سامنا بھی کیا۔

غرض زندگی کے ہزاروں پہلو آپ کی اور ہماری نگاہ میں ہوں گے کہ ہمیشہ آسودگی کے مستحق وہی لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور اُس کی رضا میں راضی رہے۔ بے شک رب العالمین ہی ہر اختیار کا مالک کُل ہے۔

(101)

ہر دم نال تساڈے رجنا!

گھولی ونجاں سائیں تیں تھوں، حال اساڈے دے محرم سجنا
کدی تاں درس دکھال پیاریا، سدا سوہارا پڑدے کجنا
ایہو منگ لیتی تیں کولوں، پل پل بڈھے تُساں وَل لگنا
کہے حسین فقیر نمانا، ہر دم نام تُساڈے رَجنا

الفاظ و معنی:

گھولی ونجاں ——— قربان ہو جاؤں
سائیں تیں تھوں ——— اے میرے رب تجھ پر
درس دکھال ——— دیدار دے۔ نظر آ۔ جلوہ دکھا
سوہارا ——— خوبصورت۔ حسین۔ رعنا
پڑدے کجنا ——— پردے میں رہنا۔ چھپانا
ایہو منگ ——— یہی خواہش۔ یہی آرزو
بڈھے ——— بڑھے
تُساں دل لگنا ——— تجھ سے محبت ہو گئی
نمانا ——— عاجز
رجنا ——— سیر ہونا۔ کسی کام کا کثرت سے کرنا

ترجمہ:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میرا جی

چاہتا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں اور تو میرے حال سے واقف ہے۔ مجھے اپنا دیدار کرا کہ تیری خوبصورتی کا چھپے رہنا ٹھیک نہیں میری تجھ سے یہی دُعا ہے کہ میرے لئے تری محبت بڑھتی رہے اور میں تیرے نام کی تسبیح کثرت سے کرتا رہوں۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ بے شک بندے سے بے پناہ محبت کرنے والا ہے جبھی تو قدم قدم پر ہماری رہنمائی کے لئے سبب پیدا فرماتا ہے تاکہ ہم بھٹکنے نہ پائیں اور اُس کی رحمتوں کے لائق ہو جائیں اور جو بندے اُس کی رحمتوں کے لائق ہوتے ہیں شاہ حسین اپنی اس کافی میں اُنہی کے جذبات کی عکاسی کرتے محسوس ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے قابل ہونا بہت بڑا اعزاز ہے اور اس اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے لئے وہ کچھ کرے جو رب کریم کو پسند ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے لئے وہ کچھ کرے جو ہماری آرزوئیں ہیں مگر ہم اپنی آرزوؤں کے نتائج سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے جب کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر حالت آرزو اور اُس کے نتیجے سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لئے بھی وہ ہمیں بُرے انجام سے بچانے کے لئے ہماری بعض آرزوؤں کو پوری نہیں فرماتا کہ یہی اُس کی رحمت اور اپنے بندے سے بے پناہ محبت کا تقاضا اور ثبوت ہے۔ آرزوئیں پوری نہ ہونے کی صورت میں ہم آپ اپنے ردِعمل سے یقیناً آشنا ہیں جس سے بچنے کی کوشش ہمارے لئے نیک فال ہے۔ اور نہ بچنا ہماری خطا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ردِعمل سے محفوظ رکھے جو ہمارے گناہ میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔

بہر حال کہنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے کراں محبت کے عوض اللہ سے عشق کرنے والوں کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب پر اپنی جان قربان کر دیں۔ انسان کے پاس سب سے قیمتی شے صرف جان ہی ہوتی ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے عشق کی معراج جان کا نذرانہ ہی ہو سکتا ہے۔

شاہ حسین اپنے رب پر اپنی جان قربان کرنے کی خواہش سے سرشار ہیں اور اپنے اللہ سے دُعا گو ہیں کہ وہ چونکہ ہر دل کی حالت سے باخبر ہے ان کے دل کی تڑپ دیکھتے ہوئے اپنے دیدار سے نواز دے۔ کہ خوبصورتی کا ہر وقت پردے میں رہنا کسی کو گوارا نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ تو حسن کو تخلیق کرنے والا بھی ہے اس لئے اللہ کے بندے اُس کے جلوہ سے منور ہونا چاہتے ہیں۔ اور ہر پل ہر گھڑی اُس سے بڑھتی ہوئی محبت کے صدقے میں اپنے قلب کو جاری کرنے کے لئے اپنے رب کے حضور جھکے رہتے ہیں کہ شاید محبوب کے دل میں آ جائے تو وہ ہماری سانسوں میں اپنا نام پرو دے اور ہماری سانس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح جاری رہے۔ دل کی دھڑکن صرف اللہ اللہ ہی پکارے کسی توقف اور ٹھہراؤ کے بغیر یہ تسلسل جاری رہے کہ یہ بے تحاشا پیار کرنے والے رب کی بے حد محبت کے جواب میں اُس کے بندے کی طرف سے عاجزانہ پیش کش ہے جسے اللہ قبول فرما لے تو بندہ کی عاقبت سنور جاتی ہے۔

گھنگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں
میں مشتاق دیدار دی ہاں
جانی باہجھ دیوانی ہوئی
ٹوکاں کر دے لوک سبھوئی
جے کر یار کریں دلجوئی
میں تاں فریاد پکار دی ہاں

گھونگھٹ اوہلے نہ لک سجنا
میں مشتاق دیدار دی ہاں
مفت دکاندی جاندی باندی
مل ماہیا جند اینویں جاندی

اک دم ہجر نہیں میں سا ہندی
میں بُلبُل اُس گلزار دی ہاں
گھونگھٹ اوہلے نہ لک سجنا
میں مشتاق دیدار دی ہاں

(بلھے شاہؒ)

سوہنیاں نال میں سوہنی ہوواں، بن سوہنیاں میں کوجھی
باجھ حسن ہو ہووی تھیوے، دل ملول تے موجھی
سچل راہ ہزاراں وچوں، راہ لبھی میں سوجھی

(سچل سرمستؒ)

(102)

صحیح سلامت چلے جہانوں!

ہن کھیڈن بھاء اساڈے، دتا جی رب آپ اسانوں
رونڈے رونڈے اک گئے، اک ہس رس لے گئے گوئے میدانوں
چھوڈ تکبری، پکڑ حلیمی، کیہ وٹیو اس خودی گمانوں
کہے حسین فقیر سائیں دا، صحیح سلامت چلے جہانوں!

الفاظ و معنی:

ہسن کھیڈن بھاء اساڈے ——— ہمیں ہنسنے کھیلنے کا شوق ہے۔
(مراد ہے عبادت)

ہس رس ——— کھیل کھیل میں

لے گئے گوئے میدانوں ——— گیند میدان سے لے گئے، جیت گئے

چھوڈ ——— چھوڑ

کیہ وٹیو اس خودی گمانوں ——— تو نے اس غرور اور تکبر سے کیا کمایا ہے

ترجمہ:

شاہ حسین کی اس کافی میں ہمیں تکبر چھوڑ کر انکسار کی طرف راغب ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ عبادت کی توفیق ہمیں اللہ کی طرف سے ملی ہوئی ہے اور جو چیز اللہ کی طرف سے ودیعت ہو اُس سے فائدہ اُٹھانا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے۔ مگر اس سے آگے کی منزل کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے کئی لوگ اپنی چاہت کے باوجود اپنے رب کے قرب سے محظوظ نہیں ہو سکے اور آخر کار موت نے اُنہیں آلیا۔ اور کئی

لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت میں ایسے کھوئے کہ اُنہیں دیدارِ الٰہی سے مشرف کیا گیا اور وہ کامیاب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ تکبر چھوڑ کر انکسار اپنا کہ تکبر سے تجھے کچھ حاصل ہونے والا نہیں جن لوگوں نے عجز کی راہ اختیار کی وہ منزل مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

تشریح:

بے شک عبادت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے نیک بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اس سے بھرپور مستفید ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنی رحمتوں سے نوازتے ہوئے اپنے دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔ اب یہ اُن کی بساط اور ظرف پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کی تاب کس قدر لا سکتے ہیں کہ رب کائنات لطیف سے لطیف انداز میں اور قوی سے قوی انداز میں جا بجا جلوہ گر ہے۔ کہ اُس کی بنائی ہوئی ہر چیز اُس کا پتہ دیتی ہے۔ مگر ہم نے تو خود اپنی آنکھوں پر تکبر کی پٹی باندھ رکھی ہے ہمیں کیا دکھائی دے گا ہم اُن رعنائیوں کو دیکھنے کے قابل ہی نہیں اور اگر ہم ان رعنائیوں کو دیکھنے کے تمنائی ہوں تو قدرت کی نقاشی کے نمونہ جات ہماری دلجوئی اور فرحت کے لئے ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر شرط وہ عجز ہے جو رب ذوالجلال کو پسند ہے اور جس کے عوض ہمیں ایسی بصیرت عطا ہو سکتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حسنِ دلآویز سے بے پناہ لطافتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جو ہمہ وقت ہمارے دل و روح کو اپنا گرویدہ بناتے ہوئے ہمیں اللہ سے سچی محبت کا شعور بخشتی ہیں جس کے تحت ہم اپنی نفسانی خواہشات کو نہ صرف زیر کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں بلکہ ان سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں یوں ہمیں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے مواقع مل سکتے ہیں۔ اور یہی انسان کا منتہائے مقصد ہونا چاہیے۔

اِکناں مت خدائے دی، اِکناں منگ لئی
اِک دِتی مُول نہ گھِندے، جیوں پتھر بوند پئی

(بابا فریدالدین گنج شکرؒ)

(103)

مشکل گھاٹ فقیری داوو!

مشکل گھاٹ فقیری دا وو
پائے کُٹھالی، دُرمت گالی، کرم جرائے شریری دا
چھوڑ تکبر، پکڑ حلیمی، راہ پکڑو شیری دا
کہے حسین فقیر نمانا، دفتر پاڑو پیری دا

الفاظ و معنی:

مشکل گھاٹ فقیری دا ـــــ فقیری کا مقام بہت مشکل ہے
پائے کٹھالی دُرمت گالی ـــــ بُری عقل اور سوچ کو عشق الٰہی کی کٹھالی میں ڈال کر پگھلانا
کرم ـــــ اعمال
جرائے ـــــ جلائے
شریری ـــــ جسم۔ بدن۔ وُجود
راہ پکڑو شیری دا ـــــ اپنی زبان میں مٹھاس پیدا کرو اور عجز اختیار کرو
دفتر پاڑو پیری دا ـــــ پیری کو ترک کر دو

ترجمہ:

فقیری مشکل ترین کام ہے۔ عبادت وریاضت اور عشقِ الٰہی کی کٹھالی میں بُری عقل اور سوچ کو ڈال کر پگھلانا پڑتا ہے۔ اور جسم کو آگ میں ڈال کر کندن کرنا پڑتا ہے، تکبر کی راہ چھوڑ کر انکسار کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور زبان میں مٹھاس بھرنی پڑتی ہے یہ کوئی

آسان کام نہیں ہے پیری کرنا تو دنیاداری کا کام ہے مگر فقیری اللہ والوں کا شیوہ ہے۔

تشریح:

صوفیاء ہی کا کہنا ہے کہ فقیری میں بادشاہی ہے جس سے مراد لیا جا سکتا ہے کہ فقیری اُس قدرت کا نام ہے جو اپنی ضرورتوں پر حاوی اور اپنے نفس پر قابو پالیتی ہے جس کی وجہ سے زندگی کے ظاہری لوازمات سے بے نیازی اور دنیاداری سے علیحدگی ضروری ہو جاتی ہے اور یہ مشکل ترین کام اس لئے ہے کہ وہ معمولات جن سے انسان عبارت ہے اُن سے کنارا کرنا، اور اپنے آپ کو روکے رکھنا اُن کاموں سے جو انسانی جبلت کا تقاضا ہیں، جان جوکھوں کا کام ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جو بندہ بھی اس راہ کا مسافر بنتا ہے اُسے فقیری رب العالمین کی طرف سے ہی ودیعت ہوتی ہے اس میں بندے کی اپنی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوتی البتہ کوشش سے پیر تو بنا جا سکتا ہے اور دنیاداری نبھاہی جاسکتی ہے مگر فقیری کی منازل صرف اللہ سے عشق اور اُس کے بندوں سے محبت سے ہی طے ہوسکتی ہیں۔ اس کے لئے نہ صرف عزیز واقارب سے دوری کا مرحلہ سامنے آتا ہے بلکہ اپنے آپ سے دوری بھی ضروری ہو جاتی ہے اور اس صورت میں جو کچھ بچ رہتا ہے اُس کو آتش عشق اور ریاضت، عبادت، اور عجز کی بھٹی میں جھونک کر کندن بنانا ہوتا ہے اور جس قدر یہ آگ تیز ہوتی ہے اُسی قدر کندن بھی خالص اور چمکدار ہوتا ہے ـــــــ یقیناً جب یہ مراحل طے ہو جاتے ہیں تو تکبر سے حلیمی تک کا سفر طے ہو جاتا ہے اور زبان میں، شیرینی ہی نہیں تاثیر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی بے بہا نعمتوں سے نوازتا ہے۔

ہم آپ اگر غور کریں تو یقیناً جان لیں گے کہ درویش لوگ جنہوں نے اپنے تمام امور اللہ کی رضا کے لئے وقف کر دیئے آج بھی دنیا اُن کو یاد کرتی ہے اور اچھے ناموں سے یاد کرتی ہے یہ اعزاز کوئی کم نہیں سینکڑوں سال پہلے سے لے کر آج تک اُن کے فیضان کے چرچے ہیں کہ اُن کا فیضان اللہ تعالیٰ کا بندے پر مہربانیوں کا سلسلہ ہے اللہ کریم اپنے

پسندیدہ بندوں کو چن لیتا ہے جن کے ذریعے وہ اپنے کرم اور فضل کو دوسری مخلوق تک منتقل کرتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ قادرِ مطلق ہے، جو چاہے تو براہِ راست عطا فرما دے اور چاہے تو کسی وساطت سے نواز دے۔ بہر حال منبع رب العالمین ہی ہے جو تمام خوبیوں کا مالک ہے اور اپنی خوبیوں میں سے جسے چاہتا ہے اور جتنا چاہتا عطا ہے کرتا ہے۔

سلطان باہو کا ایک دوہڑا شاہ حسین کی کافی کی تصدیق میں آپ کی نذر کرنا چاہوں گا۔

تدوں فقیر شتابی بن دا، جاں عشق وچ ہارے ہُو
عاشق شیشہ، نفس مُربی جاں جاناں توں وارے ہُو
خود نفسی چھڈ ہستی جھیڑے، لاہ سِروں سبھ بھارے ہُو
مویاں باجھ نہ حاصل تھیندا سے "سے" سانگ اُتارے ہُو

(سلطان باہوؒ)

(104)

من لوچے باغ بہاراں نوں!

جیہناں کھڑی نہ کیتی ڈولڑی
انی ہے ماں دوش کہاراں نوں
کولوں تینڈے واہی لڈ لڈ ویندے
اجے نہ بدھا بھاراں نوں
اک لڈ چلے اک بنھ بیٹھے
کون اُٹھائے بھاراں نوں
سر تے موت کھڑی پکارے
من لوچے باغ بہاراں نوں
کہے حسین فقیر نمانا
مُڑ سمجھاوو کوئی یاراں نوں

الفاظ و معنی:

ڈولڑی ــــــ ڈولی۔ پالکی۔ کھٹولہ۔ پرانے زمانے میں دلہنیں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کی جاتی تھیں۔ اور امراء بھی ڈولی میں بیٹھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے۔

دوش ــــــ الزام

کولوں ــــــ قریب سے، نزدیک سے

تینڈے ــــــ تیرے

واہی لڈ لڈ ویندے ــــــ مسافر جا رہے ہیں۔ لاد، لاد کر جا رہے ہیں

تیں ــــــ تو نے

نہ بدھا بھاراں نوں ــــــ اپنا سامان تیار نہیں کیا

اک لڈ چلے ــــــ ایک جا رہا ہے

اک بنھ بیٹھے ــــــ ایک تیار ہے

لوڑے ــــــ چاہے۔ طلب کرے۔ خواہش کرے

ترجمہ:

جن لوگوں نے میری ڈولی (جنازہ) کھڑی نہیں کی یعنی مجھے کچھ مہلت نہ دی اُن لوگوں کا کیا قصور ہے اصل میں یہ تو موت کے فرشتہ کا کام ہے۔ تیرے پاس سے کتنے لوگ اپنی اصل منزل کی طرف سدھار گئے یعنی مر گئے مگر تو نے ابھی تک اپنا سامان تیار نہیں کیا جب کہ تو دیکھ رہا ہے کہ ایک جا رہا ہے اور ایک سامان باندھ رہا ہے اور اس میں کوئی کسی کی مدد نہیں کر رہا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اُٹھانا ہے۔ ہر ایک کے سر پر موت کھڑی ہوئی ہے مگر اُس کو اس کا احساس تک نہیں اور وہ دُنیا کے عیش و آرام میں کھویا ہوا اپنے رب کو بھول چکا ہے جس کی طرف اُسے لوٹ کر جانا ہے۔ شاہ حسین پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں کو کوئی سمجھاؤ کہ اس وقت سے فائدہ اُٹھائیں۔

تشریح:

کب کس وقت کس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے اس کی خبر کسی کو نہیں۔ اور نہ ہی کوئی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے کہ یہ علم صرف اور صرف اللہ پاک کو ہے لہٰذا جب ہمیں اپنی زندگی کے بارے میں یہ علم ہی نہیں کہ ہمیں کب سدھار جانا ہے اور ربِ کائنات کے عطا کردہ ذمہ داریوں کا حساب دینا ہے تو ہمیں دنیاوی عیش و عشرت، شان و شوکت کا عادی نہیں ہونا چاہیے کہ یہ سب کسی بھی وقت ہم سے چھین لی جائیں گی ــــــ ہمیں اللہ کی عبادت اور

اُس کی حمد و ثنا میں وقت گزارنا چاہیے اور یہی ہمارا وہ سامان ہے جو زادِ سفر کے طور پر ہمارے ساتھ جانے والا ہے اس کے علاوہ کوئی شے ہمارا ساتھ دینے والی نہیں اور اس کی تیاری کرنا چاہیے ـــــ بلا شبہ موت ہمارے سر پر کھڑی ہے ـــــ مگر لوگ چونکہ تصویر کے ایک ہی رُخ کو دیکھ رہے ہیں جو اس وقت اُن کے اندر سے مطابقت رکھتا ہے اس لئے دوسرے رخ کی طرف نہ تو وہ خود دیکھنے کے خواہاں ہیں اور نہ ہی اُن کا دھیان اُس طرف جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک ہی طرح کی چکا چوند سے متعارف ہیں اور اس سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کیئے ہوئے ہیں جب کہ دوسرے رخ پر اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ مراعات، آسودگی، عاقبت کی بہتری کی ضمانت اور محبوب حقیقی کی توجہ جیسی ارفع ترین نعمتیں اُس کی منتظر ہیں۔ مگر افسوس اسے اپنی انا پرستی، مفادات اور گناہوں سے فرصت ہی نہیں کہ وہ اپنے لئے بہتری کے راستے تلاش کرے۔ اور اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو جھکا کر بلند مرتبہ حاصل کر سکے ـــــ کاش انسان سنبھل سکے کاش سمجھ سکے کہ جو کچھ یہ کر رہا ہے وہ اس کے حق میں بہتر نہیں اور جو کچھ اس کے حق میں بہتر ہے وہ کرنے سے گریز کرتا ہے کہ انسان واقعی اندھیرے میں ہے اور اصل روشنی سے فیض یاب ہونے سے کتراتا ہے جب کہ اسی روشنی میں اس کی فلاح کے بہترین پہلو ہیں۔

شاہ حسین دہائی دے دے کر اپنے ہم مرتبہ کو کہہ رہے ہیں کہ ان لوگوں کو سمجھائیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کریں کہ یہ اسی لئے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں، اس وقت اپنے رب کو راضی کرلیں کہ پھر یہ وقت نہیں ملنے والا اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کی مدد کو آنے والا ہے۔ اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے جب اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرے گا کہ تم دنیا میں میری عبادت کرنے کے لئے گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہو ـــــ اپنے لئے تو تم نے سب کچھ کیا میرے لئے کیا کیا جب کہ جو کچھ اپنے لئے کیا وہ بھی درست نہ کیا، جس کی وجہ سے ہم اُس عذاب کے مستحق قرار پائے جائیں گے جس کا تصور بھی اس قدر بھیانک ہے کہ الفاظ کے پیرائے میں آنے سے قاصر ہے۔

سلطان باہوؒ کا ایک دوہڑا جو ساری صورت حال کا تجزیاتی حوالہ بن کر نا چیز کے

ذہن میں اُبھر رہا ہے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا ملاحظہ فرمائیے۔

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

ہسن دے کے رووَن لیوَ، تیں دِتا کس دلاسا ہُو
عمر بندے دی اویں گئی جویں پانی وچ پتاسا ہُو
سوڑی سامی سُٹ گھتیسن، پلٹ نہ سکسیں پاسا ہُو
تیتھوں صاحب لیکھا منگسی، رتّی گھٹ نہ ماسا ہُو

(سلطان باہوؒ)

ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے کم از کم اسی خوف سے ہی اپنے اللہ کے سامنے جھک کر معافی مانگ لیں توبہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

(105)

گل سُنی نہ جاندی سچی!

میاں! گل سُنی نہ جاندی سچی
سچی گل سنیوے کیونکر، کچی ہڈاں وچ رچی
سچی گل سُنی تناہاں، چنگ جیہناں تن مچی
پڑدا ساڑ ڈِھونیں پریتم، دُوت موئے سبھ ہچی
زہری ناگ پھرن وچ گلئیں، شوہ لڑ لگی بچی
کہے حسین سہاگن سا ای، بِگل تھیں واندی نچی

الفاظ و معنی:

سنیوے ــــــ سُنے
تناہاں ــــــ اُنہوں نے
چنگ ــــــ چنگاری (مراد ہے آگ)
جینہاں تن مچی ــــــ جن کے تن میں لگی
دُوت ــــــ حاسد۔ جلنے والا۔ لالچی۔ مطلب پرست
زہری ــــــ زہریلے
گلئیں ــــــ گلیوں میں
شوہ لڑ لگی ــــــ جس کو خاوند مل گیا۔ جس کو محبوب مل گیا۔ مراد حاصل ہو گئی
سائی ــــــ وہی
بِگل ــــــ مٹی

واندی ـــــــ الگ ہونا۔ علیحدہ ہونا۔ کے بغیر

ترجمہ:

سچی بات کون سنتا ہے میاں۔ اور سچی بات سنے بھی کیوں کہ سچی بات کے عادی لوگ سچائی سے بھاگتے پھرتے ہیں۔ سچی بات تو اُن لوگوں نے سُنی ہے جن کے بدن عشق حقیقی سے سلگ رہے ہیں اور انہوں نے اُس پردے کو بھی جلادیا جو اُن کے اور اُن کے محبوبِ حقیقی کے درمیان حائل تھا اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگیا یہ دیکھ کر حاسد لوگ اپنے حسد کی آگ میں جل جل کر ذلیل وخوار ہوئے۔ زہریلے ناگ جوگلیوں میں پھر رہے ہیں یعنی جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیروکار ہیں جس نے اپنے محبوب کو حاصل کرلیا وہی ان لوگوں سے محفوظ رہے کہ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کی پناہ میں آگئے جہاں اُنہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ شاہ حسین کہتے ہیں کہ سہاگن وہی ہے یعنی اللہ کے دربار میں کامیاب وہی ہے جس نے اپنے آپ سے بغاوت کی، اپنے نفس کو مارا، اپنے آپ سے الگ ہوا۔

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین نے ایک طرف اُن کامیاب لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسری طرف نفس پرست لوگوں کی حالت زار بھی بیان کی ہے جو سچ سے کتراتے ہیں جنہیں یہ شعور ہی نہیں کہ سچائی کیا ہے اور اس کی طاقت کیا ہے وہ جھوٹ کے سائے تلے پنپے اور جھوٹ ہی اُن کی رگوں میں گردش کررہا ہے جس کی وجہ سے وہ جھوٹ کے علاوہ کچھ سوچتے ہی نہیں اُن کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں کہ جھوٹ کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے جب کہ سچائی قائم رہنے والی ہے کہ یہ اللہ کے حسن کا ایک پرتو ہے اور جھوٹ شیطان کی شیطانیت کا ایک مکروہ عمل۔ جو حاسد کو مزید حسد میں مبتلا کرتے ہوئے اُسے اُسی کی آگ میں جلا کر تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اُس کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جب کہ سچائی کا علمبردار شان کریمی کے بھروسے پر ہر کام پوری ایمانداری اور تن دہی سے انجام دیتا ہے۔ جس سے اُس کا رب خوش ہو کر اُس پر اپنی

رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نہایت رحیم و کریم ہے ـــــــ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اُسے اُن منازل سے روشناس کرواتی ہیں جہاں رب العالمین کا نور ہی نور برستا رہتا ہے۔ اور جہاں بندے اور اُس کے رب کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں رہتا ـــــــ یہ کامرانی صرف اور صرف اُنہی لوگوں کا حصہ ہے۔ جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشات سے بغاوت کی اور ہر اُس کام سے باز رہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور یوں وہ ایک طرف اللہ کی رضا کے مطابق اپنا کردار ادا کرتے رہے دوسری طرف اپنے رب کے عشق سے سرفراز ہوئے ایسے لوگوں کو دنیا کی کوئی اذیت پریشان نہیں کر سکتی کہ اُس کی رسائی اللہ والوں تک ممکن نہیں رہتی۔ اور اللہ اپنے دوستوں کو دنیاوی تکالیف سے خود بھی محفوظ رکھتا ہے۔

بلھے شاہ کے الفاظ اُن اللہ والوں کو کیسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

میں وچ میں نہ رہ گئی رائی
جب کی پیا سنگ پیت لگائی
ہوئے نین نیناں دے بردے
درشن سے کوہاں بتے کردے
پل پل دوڑن مارے ڈردے
تیں کوئی لالچ گھت بھرمائی
میں وچ میں نہ رہ گئی رائی

ہن اساں وحدت گھر پایا
واسا حیرت دے سنگ آیا
جیون جمن مرن ونجایا
اپنی سدھ بدھ رہی نہ کائی

میں (وچ میں) نہ رہ گئی رائی

پیارے بس کر بیتی ہوئی
تیرا عشق میری دل جوئی
تیں بن میرا سکا نہ کوئی
اماں بابل بھین نہ بھائی

میں وچ میں نہ رہ گئی رائی
جب کی پیا سنگ پیت لگائی

(بھیے شاہ)

(106)

مائے نی میں کیہنوں آکھاں؟!

مائے نی میں کیہنوں آکھاں، درد وچھوڑے دا حال
دُھواں دُھکھے میرے مرشد والا، جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دیوانی کیتی، برہوں پیا خیال
دُکھاں دی روٹی، سُولاں دا سالن، آہیں دا بالن بال
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی، اجے نہ پایو لال
کہے حسین فقیر نمانا، ملے تاں تھیواں نہال

الفاظ و معنی:

کیہنوں آکھاں ——— کسے بتاؤں
درد وچھوڑے ——— جدائی کا درد
دھواں دُھکھے ——— دھواں نکلے، دھویں کے بادل
جاں پھولاں تاں لال ——— اگر ٹٹولوں تو انگارے ہیں
سُولاں ——— کانٹے۔خار
برہوں ——— جدائی۔ہجر۔فراق
سُولاں دا سالن ——— درد کا سالن، ٹیس کا سالن
آہیں دا بالن ——— گرم آہیں۔تپتی ہوئی آہیں۔آہوں کا ایندھن
بال ——— جلا
بیلے ——— ویرانے۔سنسان جگہ

پھراں ڈھونڈیندی ــــــ تلاش کرتی پھروں، جستجو میں

اجے نہ پایو لال ــــــ ابھی محبوب نہیں ملا

ملے تاں تھیواں نہال ــــــ محبوب مل جائے تو میں راضی ہو جاؤں، خوش ہو جاؤں میری مراد بھر آئے

ترجمہ:

اے ماں میں کس سے جا کر اپنا حال کہوں کوئی میرے محبوب کے بچھڑنے کے درد کو سمجھتا ہی نہیں۔ محبوب کی جدائی کی آگ کی وجہ سے جو دھواں مجھ سے اُٹھ رہا ہے جب اسے اِدھر اُدھر کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ شعلے ہی شعلے مجھ سے لپٹے ہوئے ہیں۔ جدائی کے خیال سے جو کانٹے میرے بدن میں پروئے جا چکے ہیں اُن کے کرب نے مجھے پاگل کر دیا ہے مجھے اپنی بھوک پیاس تک کا احساس باقی نہیں رہا۔ میرے دکھ ہی میرے لئے روٹی ہے اور یہ اُٹھا ہوا درد اور ٹیسیں سالن ہیں جو آہوں کے ایندھن پر پک رہا ہے۔ میں ہر جگہ جنگلوں اور ویرانوں میں اپنے محبوب کے کھوج میں مارا مارا پھر رہا ہوں مگر ابھی تک مجھے میرا محبوب نہیں ملا۔ کاش وہ مل جائے تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے میرے سارے دکھ درد دُور ہو جائیں۔

تشریح:

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہوئے شدتِ احساس سے تڑپ اُٹھتا ہے تو بے اختیار اُس کے منہ سے اپنے رب کا ہی نام نکلتا ہے یا اللہ کے بعد ماں کا لفظ زبان پر آتا ہے دونوں صورتوں میں غم زدہ روح کو سکون اور تسلی کا احساس ہوتا ہے۔ صدیوں سے لوگ دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں آپ کے اور ہمارے مشاہدے اور تجربے میں بھی یہی بات

* شاہ حسین کی اس کافی کو پڑھتے ہوئے جن کیفیات کا ادراک بندہ کو ہوا وہ ناقابل بیان ہیں یقیناً آپ بھی اپنی اپنی جگہ پر اس پُر سوز کافی کے مطالعہ کے وقت اپنے زخم کریدنے کے کرب سے دوچار ہوں گے اور کئی دن تک اس کافی کے سحر سے نکلنے کی جدوجہد کا کشٹ اُٹھائیں گے۔

متعدد بار آ چکی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکلیف میں اللہ کو یاد کرنے سے تکلیف رفع ہو جاتی ہے اور ماں کو یاد کرنے سے تکلیف رفع ہونے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اور تکلیف کی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے جس سے ہمارا حوصلہ بڑھتا ہے اور ہم اپنی تکلیف سے پورے بھروسے اور بلند ہمتی سے مقابلہ کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں ——— ایسا بے اختیار کیوں ہوتا ہے، کبھی سوچنے کا موقع ملے تو ضرور سوچیے گا۔ کہ یہ دو نام ہی کیوں دکھ درد میں ہماری زبان پر آتے ہیں میرے خیال اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اس لئے پہلے ہم اُسے پکارتے ہیں اور اس کے بعد ماں سب سے زیادہ پیار کرنے والی ہوتی ہے اس لئے دوسرے نمبر پر ہم اپنی ماں کو پکارتے ہیں اور دونوں لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھ دی ہے کہ یہ لفظ زبان پر آتے ہی ہمیں تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے اور ہم دوبارہ ہمت باندھ لیتے ہیں۔

شاہ حسین بھی کرب کی شدت میں اپنی ماں کو پکارتے ہوئے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اے ماں میں کس کے آگے جا کر اپنے محبوب کی جدائی کا رونا روؤں کہ میرا درد کوئی سمجھنے والا ہی نہیں، ظاہر ہے اُس کا درد کون سمجھے گا جسے اللہ سے عشق ہو جو اپنے خالق حقیقی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اس قدر بے تاب ہو کہ اُسے کچھ سُوجھے ہی نہیں۔ اُس کا ذہن و دل ہی نہیں بلکہ روح بھی ہجر کی چوٹوں سے زخمی ہو۔ نہ تو اُسے کھانے پینے کا ہوش رہے اور نہ ہی اُسے اپنے ہونے کا احساس' اُس کی آنکھوں میں بس ایک ہی پیاس ہو اپنے محبوب کے دیدار کی اُس کی روح کو بس ایک ہی بھوک ہو اپنے اللہ سے وصل کی اور وہ خالی خالی آنکھوں سے جنگلوں، ویرانوں میں اپنے محبوب کو تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہو۔ مگر ابھی اُس کی مراد پوری نہ ہوئی ہو۔ کون' اتنا بڑا ظرف لے کر اُس کے دُکھ بانٹے گا۔

دکھوں کی روٹی اور درد کا سالن آہوں کی آگ پر پکانے کا حوصلہ رکھنے والا صرف اللہ کا عاشق ہی ہو سکتا ہے یہ کسی دوسرے کے بس کا روگ نہیں، کہ اس قدر کربناک صورت حال میں بھی اُمید کا دامن تھامے ہوئے اپنے آپ کو آس کی تھپکیاں دے دے کر اپنے

محبوب کو پکارتا ہے اور اس پکار میں آسودگی کی لے بھی موجود ہوتی ہے جس سے محبوب کو ملنے
کی گھڑی نزدیک تر آنے کی خوشبو آ رہی ہوتی ہے اور اس احساس سے کہیں نہ کہیں خوشی کی
کوئی لہر اُبھر کر اپنے کناروں کو چھو لینے کی کوشش میں کامیابی کی مہک سے معطر بھی ہو جاتی
ہے جس سے محبوب کی قربت کا احساس اور قوی ہو جاتا ہے اور اپنے اردگرد کی ہر شے میں
محبوب کے جلووں کی جھلک جھلملانے لگتی ہے۔ ایسی کیفیت میں درویشی اپنے مقام پر اپنے
رب کی حمد و ثنا میں مصروف ہوتی ہے اور کائنات کی ہر شے اس آواز میں اپنی آواز ملاتے
ہوئے رب العالمین کی رحمتوں سے سرشار ہونے کی منتظر ہوتی ہے۔ پھر کوئی درد، درد نہیں
رہتا۔ اور کوئی دکھ دکھ نہیں رہتا[1]۔

(107)

بھلے اساتھوں ڈھور!

مائے نے میں بھئی دیوانی، دیکھ جگت میں شور
اکناں ڈولی، اکناں گھوڑی، اک سوے، اک گور
ننگے پیریں جاندڑے ڈٹھے، جن کے لاکھ کروڑ
اک شاہ، اک دل دردی، اک سادھو، اک چور
کہے حسین فقیر نمانا، بھلے اساتھوں ڈھور

الفاظ ومعنی:

میں بھئی دیوانی ——— میں پاگل ہوگئی
جگت میں شور ——— دنیا میں شور شرابا، آپو دھاپی
اکناں ڈولی ——— کچھ ڈولی میں سوار ہیں
اکنا گھوڑی ——— کچھ گھوڑوں پر سوار ہیں
سوے ——— شمشان گھاٹ۔ جہاں ہندو مُردے جلاتے ہیں
گور ——— قبرستان۔ شہر خموشاں
جاندڑے ڈٹھے ——— جاتے ہوئے دیکھے
دل دردی ——— کنگال۔ غریب ترین۔ مفلس، قلاش۔ بھکاری
سادھو ——— درویش
بھلے ——— اچھے۔ نیک۔ بلند مرتبہ۔ بہتر
اساتھوں ——— ہم سے

ڈھور ــــــــ جانور

ترجمہ:

اے میری ماں میں تو دنیا میں آپو دھاپی کا شور سن سن کر دیوانہ ہو گیا ہوں مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے کوئی ڈولی میں سوار ہے کوئی گھوڑی پر، کوئی مر جائے تو اُسے جلا دیا جاتا ہے اور کسی کو منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے میں نے ننگے پاؤں جاتے دیکھے ہیں جو کروڑوں کے مالک ہیں یعنی جب اُن کا جنازہ اُٹھایا جاتا ہے تو وہ بھی ننگے پاؤں ہی ہوتے ہیں۔ کوئی بادشاہ ہے کوئی بھکاری کوئی درویش اور کوئی لٹیرا ہے شاہ حسین عاجز کی بات سن وہ کہہ رہا ہے کہ ہم سے بہتر جانور ہیں جو اپنے اپنے طریقے کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں اور کوئی غیر سلیقہ مندی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ جب کہ ہم اپنے مطابق سلیقہ مندی سے کوسوں دور اپنی من مانی اور طاقت آزماتے رہتے ہیں۔

تشریح:

جب انسان دنیا میں وارد ہوتا ہے تو اُس کے لئے یہ نئی جگہ ایک ایسی تجربہ گاہ ہوتی ہے جہاں اُسے قدم قدم پر اور لحظہ بہ لحظہ نت نئے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے یہ تجربات اُس کے ذہن کو ترویج سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور اُسے مختلف سوچوں کے حوالے کر دیتے ہیں جہاں اُسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ مثبت سوچوں کی طرف جھکتا ہے یا منفی سوچوں کے نرغے میں اسیر ہو کر اپنی آئندہ کی زندگی کو تہس نہس کر لیتا ہے۔

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو ابتدا ہی سے شعوری سطح پر اپنے آپ کو پرکھ لیتے ہیں اور پھر وہ بطور تجزیہ نگار ذرے ذرے کا دل ٹٹول کر دیکھ لینے کی صلاحیت حاصل کرتے ہوئے دنیا کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور یوں اُن کی بالغ نگاہی اُنہیں ہر شے صاف صاف دکھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے لہٰذا وہ لوگ اچھے بُرے میں امتیاز کرتے ہوئے اپنے لئے بہتری کی راہ اختیار کرنے کے اہل ہوتے ہیں اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں بلکہ اپنے

اردگرد کے لوگوں کو بھی اس راہ پر اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں۔ یہ راستہ حق سچ کا ہے اور اسی پر چلنے میں انسان کی فلاح اور بھلائی کے پہلو مضمر ہیں مگر دنیا تو دنیا ہے اسے اپنے دھندوں سے کب فرصت ملی اور کب اس نے سوچا کہ سچائی کیا ہے۔ ہر انسان اپنا راگ الاپ رہا ہے اور اس قدر شور فضاؤں میں پھیل چکا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کچھ لوگ قصداً بھی شور میں شامل ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کی منفی قوتوں کو سامنے لانے کے لئے اور دوسرے کی بُرائی اور اُس کو نقصان پہنچانے کی غرض سے یہ سب کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ اس عمل میں اُن کا بھی کسی صورت بھلا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی جو شخص کسی کے بارے میں بُرا سوچتا ہے اُس میں اُس کا اپنا بھلا ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جہاں اتنا شور ہو کہ کچھ سمجھ میں نہ آنے پائے، نہ تو کسی کی بات سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ اپنی بات سمجھائی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی فلاحی پہلو کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ بس دیکھا جا سکتا ہے اور افسوس کیا جا سکتا ہے بلکہ ایسے میں یہ سوچ بھی ایک انسان کے ذہن میں آسکتی ہے کہ ساری دنیا ایک ہی طرح سے عمل کر رہی ہے اور میں بالکل الگ سے اپنی ڈگر پر رواں دواں ہوں کہیں ایسا تو نہیں کہ میں غلط ہوں اور یہ سب کے سب لوگ صحیح، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے بصیرت سے نوازا ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اس کی تصدیق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا رہتا ہے اس لئے اللہ ہی کے بھروسے پر وہ ایک شخص جو الگ تھلگ زندگی گزار رہا ہوتا ہے مطمئن ہوتا ہے۔ اور یہ اطمینان درویش اور اللہ کے خاص بندوں کے حصے میں آیا ہے۔

دنیا میں اُونچ نیچ کا تصور، غیر مساوی نظام اور انسان کی منفی سوچوں کے نتیجہ میں جو صورتِ حال ہمارے سامنے آتی ہے شاہ حسینؒ کی اس کافی میں اس کا رونا رویا گیا ہے۔ مگر شاید اس کا علاج ممکن نہیں اور قیامت تک یہ معمولات یونہی چلتے رہنے کا

امکان ہے کہ اچھائی کی تصدیق کے لئے بُرائی کا ہونا بھی ضروری ہے ——— اسی لئے شاہ حسین اس غیر مساوی صورتِ حال کے پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے ہمیں بتا رہے ہیں کہ ہم جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ جانور کم از کم اپنے وضع کردہ طریق کار کے مطابق زندگی تو گزار رہے ہیں جب کہ ہمیں بہترین مخلوق اور بہترین طریق کار سے آگاہ کیا گیا۔ مگر ہم نے اپنی اپنی سمت سفر شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو فراموش کر دیا جس کے تحت ہم اعلیٰ مخلوق کے اعزاز کو اپنے لئے برقرار رکھ سکتے ہیں۔ یعنی ہم نے قرآن و حدیث سے انحراف کیا اور اپنے لئے جہنم کے عذاب کو دعوت دی۔

علاوہ ازیں تفاوت کا شکار ہوتے ہوئے جو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے پروردہ تھے اور ہیں اُنہوں نے اپنی سہولتوں اور شان و شوکت کے لئے دوسروں کے حقوق سلب کئے دوسروں کا حق مارا اور اُن کے گلے میں غلامی کا طوق پہنا کر اُن پر ظلم کیا، اپنے عیش و آرام کے لئے کسی دوسرے کے جذبات کا خیال نہ کرتے ہوئے حقوق العباد سے مفر کے مرتکب ہوئے اور یوں اپنے اللہ کی محبت حاصل کرنے میں سخت ناکام رہے۔ دولت کے نشے میں یہ بھی بھول گئے کہ سب کچھ جو اُنہوں نے دوسروں سے چھین کر بے ایمانی دھوکہ دہی، چور بازاری اور ڈاکہ زنی سے اکٹھا کیا ہے وہ سب کچھ یہیں رہ جانے والا ہے۔ آج تک خواہ وہ بادشاہ ہو کہ بھکاری، سادھو ہو کہ بااختیار کوئی بھی اپنا جمع کیا عیش و عشرت کا سامان ساتھ نہیں لے جا سکا۔ تمام کے تمام لوگ اس دنیا سے خالی ہاتھ ہی رخصت ہوئے اگر کوئی ساتھ کچھ لے جا سکا ہے تو صرف اور صرف اپنے اعمال، جو اچھے بُرے دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں ——— جب ہم ساتھ کچھ لے جا ہی نہیں سکتے تو پھر یہ ہوس و لالچ کیوں؟ یہ مفاد پرستی کی لعنت کیوں ہم کیوں پوری دنیا کو اپنے قبضے میں کرنے کے درپئے ہیں ——— ہم نے تقویٰ سے کیوں پرہیز کیا، کس لئے اللہ پر بھروسہ نہ کیا اور اُس کی رضا اور اُس کے فعل میں مداخلت کرتے ہوئے اپنے لئے اُس کی ناراضگی

سمیٹی۔ اور مسلسل پریشانیوں کے شکار رہے جب کہ اس کے برعکس سب نعمتیں اور اللہ کی رضا، رحمتیں اور اُس کی خوشنودی ہمارے لئے تمام بہتری کے مواقع لئے ہماری منتظر تھیں مگر ہم بھٹکے رہے، ہمارے نفس نے ہمیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دی اور ہم نے اللہ کی رحمتوں سے استفادہ نہ کیا اللہ کے نیک بندوں کی پیروی کرتے ہوئے اُس تک پہنچنے کی کوشش نہ کی اور اپنی اصلیت سے محروم ہو گئے ——— جس کے پاس جتنا وقت ہے اپنے رب سے توبہ کرے اُس کی عبادت کرلے کہ نیک اعمال کی کچھ نہ کچھ پونجی جمع ہو جائے نجانے کس وقت بلاوا آجائے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہو سوائے محرومیوں، پشیمانیوں اور پریشانیوں کے۔

وصالِ یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پر
یقیں مجھ کو نہیں ہے گور تک اپنی رسائی کا

(آتش)

(108)

شلوک!

ساجن تیرے روسڑے، موہے آدر کرے نہ کوئے
دُر دُر کرن سہیلیاں، میں ٹُر ٹُر تاکوں توئے!

الفاظ و معنی:

روسڑے ــــــ ناراضگی۔ روٹھنا

موہے ــــــ مجھے

آدر ــــــ عزت۔ احترام۔ توقیر

دُر دُر ــــــ لعن طعن کرنا۔ حقارت کا اظہار کرنا

ٹُر ٹُر ــــــ حیران کن آنکھوں سے دیکھنا، سکتے کے عالم میں دیکھنا۔ غور سے دیکھنا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا

توئے ــــــ تجھے

ترجمہ:

اے میرے سچے محبوب میرے خالق تیرے روٹھ جانے سے کوئی میری عزت نہیں کرتا میرے دوست احباب مجھے لعن طعن کرتے ہیں اور میں ایک سکتے کے عالم میں تیری طرف نظریں جمائے تجھے دیکھ رہا ہوں۔

تشریح:

اس شلوک میں شاہ حسین اللہ تعالیٰ کی بندے سے ناراضگی کا ذکر فرمارہے ہیں اور جس بندے سے اُس کا خالق ناراض ہو جائے اُس کے لئے تو کوئی جائے اماں ہی باقی

نہیں رہتی، عزت و وقار تو دور کی بات ہے۔ اپنے بیگانے نزدیک و دور کے سب لوگ اُس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اُسے لعن طعن کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے —— مگر بندۂ خدا جو اپنے اللہ کی طرف مسلسل ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے اُس کے اندر ایک آس، ایک پچھتاوا، ایک طلب، ضرور چھپی ہوئی ہے جس سے قادرِ مطلق خوب شناسا ہے وہ جانتا ہے کہ اُس کا بندہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے اسے احساس ہو گیا ہے کہ اس نے اپنے اللہ کی نافرمانی کی ہے اور اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے ہوئے دنیا کے عیش و آرام میں وقت گنوا دیا ہے اب یہ مجھ سے بخشش اور معافی کا طلب گار ہے بے شک اللہ نہایت رحیم و کریم ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو درگذر کرنے والا اور مہربانیاں فرمانے والا ہے۔

شاہ حسین کے اس خوبصورت اشلوک کی وساطت سے ناچیز کو اپنا ایک شعر یاد آ گیا جو آپ کی نذر کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

جانے کیا آس ہے مجھے یوسفؔ
تکتا رہتا ہوں آسماں کی طرف!

(یوسف مثالی)

(109)

جیں کارن میں جُلی آں!

ساجن رُٹھڑا جاندا وے، میں بھُلی آں وے لوکا

ساجن میںڈا، میں ساجن دی، جیں کارن میں جُلی آں وے لوکا

جے کوئی ساجن آن ملاوے، بندی تس اَن مُلی آں وے لوکا

کہے حسین فقیر سائیں دا، ساجن ملے تاں پھُلی آں وے لوکا!

الفاظ و معنی:

رُٹھڑا ـــــ ناراض۔ روٹھا ہوا

میں بھُلی آں ـــــ مجھ سے بھول ہو گئی

میںڈا ـــــ میرا

جیں کارن ـــــ جس وجہ سے

جُلی ـــــ جانا۔ چلے جانا

بندی ـــــ خادمہ۔ نوکر۔ تابع۔ غلام

تُس ـــــ اُس

اَن مُلی ـــــ بغیر تنخواہ کے۔ بغیر معاوضے کے

پھُلی آں ـــــ خوش ہونا۔ پھولا نہ سمانا۔ بے حد خوشی

ترجمہ:

مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے میرا محبوب مجھ سے روٹھ گیا ہے۔ میں محبوب کا ہوں محبوب میرا ہے میں اُس کی تلاش میں جا رہا ہوں کہ میرا اُس کے بغیر رہنا ممکن نہیں۔ اگر کوئی

مجھے میرے محبوب سے ملادے تو میں اُس کا غلام بن جاؤں۔شاہ حسین اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے محبوب مل جائے تو اور کیا چاہیے اس سے بڑی خوشی کی بات تو ہو ہی نہیں سکتی۔

تشریح:

محبوب کا ملنا یا ملنے کی آرزو ایک عاشق کے لئے سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے اور اس خوشی کے بدلے میں جان کا چلا جانا بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔آج تک مختلف لوگوں نے مختلف پیرائے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس جذبے کو کبھی فراموش نہیں کیا —— لگتا ہے انسان کی بساط کی آخری حد یہیں پر ختم ہوتی ہے کیوں کہ یہاں سے آگے صرف محبوب ہی محبوب ہے ہر طرف ہر جگہ، اور وصل ہی وصل ہے بچھڑنے کا تصور تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے ہوگا، دل میں ہو گا آنکھوں میں، روح میں حتیٰ کہ انسان جدھر دیکھے گا اُسے اللہ تعالیٰ کا نور دکھائی دے گا جو کچھ سوچے گا رب العالمین کی حمد وثنا سے باہر نہ ہوگا —— مگر شرط اپنی حد سے باہر نکلنے کی ہے۔حد جو ہمارا نفس، ہماری شان وشوکت، ہمارا اپنا احاطہ اور ہماری مفادانہ سوچیں ہیں جو صرف ہمارے ہی اردگرد گھومتی ہیں۔اس سے باہر تو وہ ہی وہ ہے جو ہمارا خالق ہے۔ہمارا رب ہے اور ہم حد سے، باہر نکلنے کی آرزو ہی نہیں کرتے۔جس کی وجہ سے ہمارا محبوب ہم سے روٹھ جائے تو اُسے حق حاصل ہے۔بے شک ہم اُس کے بندے ہیں اور وہ ہمارا رب ہے اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔مگر اُس طرف جانے کی خواہش جو دن بدن شدت اختیار کر رہی ہے اُس سے ہماری بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔کاش کوئی ہمیں اُس قت سے پہلے ہمارے محبوب سے ملادے جو وقت مقرر ہے تو اُس کی غلامی تو بہت معمولی سی بات ہے جو ہم تمام زندگی کرنے کو تیار ہیں بلکہ محبوب کے ملنے سے ہماری تو خوشی کی انتہا ہی نہ رہے گی۔

آتش عشق فراق تیرے نے پل وچ ساڑ وکھائیاں
ایس عشق دے ساڑے کولوں، جگ وچ دیاں دہائیاں

جس تن لاگے سو تن جانے، دوجا نہ کوئی جانے
عشق اساں نال کیہی کیتی، لوک مریندے طعنے!

(بلھے شاہ)

پریتم! تم مت جانیاں، تم بچھڑت ہم چین
دادھے بن کی لاکڑی سُلگت ہوں دن رین!

(بابا فرید الدین گنج شکر)

(110)

تِکھیاں برہوں دیاں چھُریاں وے!

بُریاں، بُریاں، بُریاں وے اسیں بُریاں وے لوکا
بُریاں کول نہ بہو وے
تیراں تے تلواراں کولوں
تِکھیاں برہوں دیاں چھُریاں وے لوکا
لڈ سجن پردیس سدھانے
وداع کر اسیں مُڑیاں وے لوکا
جے توں تخت ہزارے دا سائیں
اسیں سیالاں دیاں کُڑیاں وے لوکا
سانجھ پات کاہوں سوں ناہیں
ساجن کھوجن ٹُریاں وے لوکا
جیہناں سائیں دا ناؤں نہ لیتا
اوڑک نوں اوہ جھُریاں وے لوکا
کہے حسین فقیر سائیں دا
صاحب سیوں اسیں جڑیاں وے لوکا

الفاظ ومعنی:

لوکا ـــــــ اے لوگو

بَہو ——— بیٹھ

تِکھیاں ——— تیز۔کاٹ دینے والی۔نوک دار

برہوں ——— جدائی۔ہجر۔فراق

لڈ جن پردیس سدھانے ——— محبوب پردیسی ہو گیا، چھوڑ کر چلا گیا

ودیاع کر آسیں مڑیاں ——— رخصت کر کے واپس آنا

سانجھ پات ——— صبح و شام

کاہوں ——— خیال۔دھیان

کھوجن ——— تلاش۔کھوج۔ڈھونڈنا

ناؤں ——— نام

اوڑک ——— آخر کار

جھریاں ——— پشیمان و پریشان ہونا

جُڑیاں ——— وصل۔ملاقات۔کسی کا ہو جانا۔باہم ہونا۔اکٹھا ہونا

ترجمہ:

شاہ حسین اپنا تجزیہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم بُرے ہیں ہمارے پاس نہ بیٹھو کہ بُروں کی صحبت میں اچھے لوگ نہیں بیٹھا کرتے۔تیروں اور تلواروں سے جدائی اور ہجر کی چھریاں زیادہ تیز ہیں کہ ان سے زیادہ گہرے گھاؤ لگتے ہیں۔محبوب بہت دور جا چکا ہے پردیسی ہو گیا ہے اور ہم خود اُسے رخصت کر کے آئے ہیں دستور یہ کہ جسے رخصت کیا جاتا ہے اُس کے ساتھ تھوڑی دور تک جایا جاتا ہے۔اگر تو تخت ہزارے * کا مالک ہے تو ہم بھی سیالوں ** کے رہنے والے ہیں۔

صبح و شام کی ہوش کئے بغیر محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہوں مگر ابھی تک محبوب

---

* مشہور رومانوی کردار رانجھے کے گاؤں کا نام۔

** رانجھے کی محبوبہ ہیر کا گاؤں۔

سے وصال نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنے محبوب حقیقی اپنے خالق کا نام نہیں لیا اُس کی عبادت نہیں کی اُن کی قسمت میں آخر کار پشیمانی ہی پشیمانی ہے۔ اُنہیں سکون میسر ہونے والا نہیں ——— شاہ حسین کہتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ جُو گئے اس کے ہو گئے وہ کامیاب ہیں اور اُنہیں کے لئے آسودگی کی نعمت ہے۔

تشریح:

شاہ حسین مسلسل تکرار سے اس کافی میں اپنے آپ کو بُرا گردانتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جی چرایا اور اُس کی حمد و ثنا سے مُنہ موڑا اس لئے ہم بُرے سے بھی بُرے ہیں (یہ الفاظ اپنے بارے میں وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے باطن میں اچھائی چھپی ہو اور بیرونی عوامل کے سبب وہ بُرائیوں میں گھر گیا ہو ورنہ ہم سب اس بات سے شناسا ہیں کہ کوئی بُرا آدمی اپنے آپ کو بُرا نہیں کہتا۔

جدائی ایک ایسا کرب ہے جو رگ و پے میں سرائیت کرتے ہوئے وجود سے طاقت، ذہن سے عقل اور دل سے آس تک کو چھین لیتا ہے۔ اور انسان کو اس انداز میں تحیر کر دیتا ہے کہ ہر دو سے کے ساتھ ایک ٹیس اُس کے باطن سے اُٹھتی ہے اور کراہ میں بدلتی ہوئی لبوں تک آتے آتے آہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور رگوں و پے میں اس کی کاٹ دیر تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔ بالکل ایسے جیسے کسی دیوار سے رگڑ کھا کر کوئی زخم چھِل جائے ——— اور پھر جو اپنے محبوب کو خود رخصت کر کے آیا ہو۔ ہنستے کھیلتے بولتے چالتے منوں مٹی کے سپرد کر کے لوٹا ہو کیا ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اُس پر کیا گزرتی ہوگی وہ کن کیفیات سے گزر رہا ہوگا ——— اور اسی کرب کی شدت میں چونکہ انسان کے اختیار سے بہت سی چیزیں نکل جاتی ہیں اس لئے اُس کی زبان پر ایسے الفاظ کا آجانا قدرتی امر ہے کہ وہ اپنے رب سے اپنے اس کرب کی شکایت کرے۔ اسی لئے شاہ حسین اپنی اس کافی میں شکوہ کا لہجہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تُو مالک ہے تو ہم بھی تیرے ہی بندے ہیں ——— ہم نے صبح و شام کا خیال کئے بغیر تجھے تلاش کیا تیری کھوج میں مارے

مارے پھرے کہ تیرے نیاز حاصل ہو جائیں اور ہم اُس آسودگی سے ہمکنار ہو جائیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم بے قرار و بے حال ہیں۔ ہم اُن کو بھی جانتے ہیں جن لوگوں نے تیری عبادت نہیں کی اور تیری رحمتوں سے فیض حاصل نہیں کیا! تیرے سامنے نہیں جھکے نہ ہی تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُنہوں نے تیرے احکام کو مانا اور تیری رضا کے خلاف اپنی نفس پرستی میں کھوئے رہے۔ اُن کے لئے صرف اور صرف پریشانی اور پشیمانی ہے وہ لوگ اپنی عاقبت کے دشمن ہیں۔ اور کبھی فلاح پانے والوں میں سے نہیں ــــــ بس وہی لوگ کامیاب و کامران ہیں جو تیرے ساتھ جُڑ گئے جنہوں نے تیری رضا اور تیری مرضی کے خلاف کبھی کچھ نہ کیا جو تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں بے شک تو ہی مددگار و رحمت والا ہے۔ اور ہم تیرے بندے ہونے کے ناطے تیری رحمتوں کے حق دار بننا چاہتے ہیں تجھے خوش کرنا چاہتے ہیں کہ تُو ہمارا پروردگار اور پالنہار ہے۔

(111)

سو کا کر کو کر بستی ہے!

جس نگری ٹھا کر جس ناہیں، سو کا کر کو کر بستی ہے
گر چندن کی سار نہ جانے، پاتھر سیتی گھستی ہے
چھیلاں سیتی گھنگھٹ کاڈھے، بیلاں سیتی ہنستی ہے
کہے حسین فقیر سائیں دا، سوا سیر کی مستی ہے!

الفاظ و معنی:

نگری ـــــ بستی
ٹھاکر ـــــ مالک
جس ـــــ ذکر۔ حمد و ثنا۔ تعریف
سو ـــــ وہ
کاکر کو کر بستی ہے ـــــ کوّوں اور کتوں کی بستی ہے
گر ـــــ اگر
چندن ـــــ صندل۔ ایک خوشبودار لکڑی
سار نہ جانے ـــــ اہمیت نہ پچھانے، اصلیت نہ جانے۔ سمجھ نہ آئے
پاتھر ـــــ پتھر۔ سنگ
سیتی ـــــ سے۔ کے ساتھ
چھیلاں ـــــ چھیل چھبیلے۔ خوبصورت۔ جوان
گھنگھٹ کاڈھے ـــــ گھونگھٹ نکالے۔ پردہ کرے۔ چھپے

بیلاں ——— دوست یار۔ہم خیال،ہم رکاب۔ساتھی

سوا سیر کی مستی ہے ——— اپنے آپ سے باہر ہونے کی مستی۔گھمنڈ،زعم کی مستی۔وہ مستی جوانسان کو اُس کے اصل سے منحرف کر دے

ترجمہ:

جس جگہ یا جس دیس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو۔وہ انسانوں کی بستی نہیں ہو سکتی بلکہ اُس میں بسنے والے بدترین جانور ہیں جیسے کوّے اور گدھ ——— بے شک صندل کی خوشبو اور اُس کے رنگ سے وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے جو اس کی قدر جانتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ کیسے اپنے نکھار پر آتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہی اصل میں انسانی زندگی نکھرتی ہے یعنی ہر شے اپنے ماحول میں ہی اپنے آپ کو نکھار سکتی ہے۔اور بندے کے لئے ذکر الٰہی کا ماحول ہی سب سے بہتر ہے ——— جیسے تو اپنے نیک ساتھیوں سے خود کو بچا رہا ہے چھپا ہوا ہے اور دوستوں یاروں کے ہمراہ خوب موج اُڑا رہا ہے جب کہ تجھے بھلائی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔شاہ حسین اللہ کا بندہ جانتا ہے کہ یہ انسان اپنے آپ سے باہر ہو رہا ہے اور اصلیت کو بھول کو تکبر کا شکار ہو رہا ہے جب کہ یہ اس کے حق میں کسی طرح بھی بہتر نہیں ہے۔

تشریح:

بے شک ذکرِ الٰہی سے بہتر کوئی شے نہیں۔دنیا کے دھندوں سے جس قدر ہماری دلچسپی بڑھتی جاتی ہے اور جس قدر ہم اپنے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں اس کا اندازہ انسان کو اُس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے اندر جھانک کر اپنے اصل سے آشنا ہوتے ہوئے بیرونی صورت حال سے اندرونی صورتِ حال کا موازنہ کرنے کی پوزیشن میں ہو اور اس مقام تک پہنچنے کے لئے خالقِ حقیقی سے بندہ کا اپنے تعلق کو سمجھنا اور اُس کے مطابق اپنی سمت

متعین کرتے ہوئے اُس پر گامزن ہونا ضروری ہے ——— اور اگر انسان یہ کرنے سے قاصر ہے تو وہ اُس کیفیت سے آشنا ہو ہی نہیں سکتا جس سے ایک بندۂ خدا سُرور حاصل کر سکتا ہے۔

آج کے دور میں زندگی جس انداز سے گزاری جا رہی ہے اور جس تیزی سے زندگی گزر رہی ہے آج کا انسان بخوبی واقف ہے۔ مگر صرف زندگی کی تیزی سے نا کہ اس کے اندر چھپی ہوئی تلخیوں سے اور ان تلخیوں سے مرتب شدہ اثرات سے جو پوری طرح انسان کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس پر ضرب کاری لگاتے رہتے ہیں۔ مگر بے حسی اُسے اُس کے زخموں کا ادراک مہیا نہیں ہوتے دیتی جس کی بنا پر وہ نہ تو اپنا تجزیہ کر پاتا ہے نہ ہی یہ محسوس کرنے کی کوشش کر سکتا ہے کہ وہ کن غلط کاریوں میں اُلجھ کر رہ گیا ہے اُس نے جو راہ اختیار کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ نہیں بلکہ نفس انسانی کی تراشی ہوئی ہے اور جس پر صرف شیطان کی حکمرانی ہے اور شیطان ہمارا کبھی دوست ہوا ہی نہیں وہ تو ہمیں بہکانے کا کام کرتے ہوئے ہمیں ہمارے رب کے سامنے ذلیل و خوار کروانے کی کوشش کرتا ہے ——— ذرا سوچئے ہم بندے تو اپنے رب کے ہیں مگر پیروی کرتے ہیں شیطان کی اور اپنے مفاد کی جو صرف دھوکا ہی ہوتا ہے اور ہم گناہ گار سے گناہ گار ہوتے جاتے ہیں۔ جب کہ قرآن و حدیث کی وساطت سے کوئی بھی ایسا عمل انسان کو نہیں سمجھایا گیا جس سے اُس کی بہتری کے پہلو مفقود ہونے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ ہر لمحہ ہمیں ایک واضح طور پر ہدایات عطا کی گئیں مگر ہم نے اُن پر عمل کرنا تو درکنار اُن سے مکمل طور پر انحراف کر کے گمراہی حاصل کر لی اور اپنے اللہ کے حضور اپنے مقام کو اتنا گرا لیا کہ انسان کا پیکر ہوتے ہوئے بھی انسانی شق سے نکل گئے۔ اور ایسی مستی میں مست ہو گئے کہ ہمیں یہ خیال تک نہ رہا کہ ہم غلط راستہ اپنائے ہوئے ہیں اس راستے پر کوئی منزل نہیں آتی اور یہ جانتے ہوئے کہ غلاظت کے چھینٹوں سے ناپاک ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا ہم نے

خود غلاظتوں کو اپنے اوپر انڈیل لیا اور اللہ کریم سے دور ہوتے گئے جب کہ ہمارے لئے نیکی کے راستے واضح اور کھلے تھے مگر ہم نے اُن کی اہمیت کو نہ سمجھا اور ذلیل و خواری، عذاب اور پریشانیوں سے ناطہ جوڑ لیا ——— اپنی بساط سے بڑھ کر حاصل کیا مگر سکون نہیں اضطراب ہے، ثواب نہیں عذاب ہے، تو پھر اپنے آپ کو انسان کہلوانے کے حق سے محرومی ہمارا نصیب کیوں نہ بنے۔ ہم کتے کوّوں جیسے کیوں نہ لگیں کہ جس کے حوالے سے ہماری شان، عزت اور سچا رشتہ برقرار تھا ہم نے اُس سے کنارا کر لیا یعنی ہم نے ذکرِ الٰہی، عبادت، حمد و ثنا اور شکر جیسی نعمتوں سے استفادہ نہ کیا۔

(112)

چنگی فقیراں دی لوئی!

نمانیاں دی ربا ربا ہوئی
بھٹھ پئی تری چٹی چادر، چنگی فقیراں دی لوئی
درگاہ وچ سہاگن سو ای، جو کھل نچ کھلوئی
کہے حسین فقیر سائیں دا، تاں دریسیں ڈھوئی!

الفاظ و معنی:

نمانیاں ـــــ عاجز، انکسار والے۔ درویش لوگ، فقیر
ربا ربا ہوئی ـــــ پکار، اللہ کو پکارنا، التجا کرنا
بھٹھ ـــــ غلاظت، کسی جانور کا فضلہ
چٹی چادر ـــــ شان و شوکت، وقار
چنگی ـــــ اچھی، بہتر
لوئی ـــــ چھوٹا کمبل۔ جو عام طور پر فقیر اور درویش لوگ استعمال میں لاتے ہیں کہ یہی اُن کا اثاثہ ہوتا ہے
درگاہ وچ سہاگن ہوئی ـــــ اللہ کے نزدیک وہی کامیاب و کامران ہے
جو کھل نچ کھلوئی ـــــ جس نے اپنا پردہ اُتار دیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی
تاں ـــــ تب
دریسیں ڈھوئی ـــــ سچی منزل ملے گی۔ اللہ کے حضور شنوائی ہوگی۔ منظوری ہونا

ترجمہ:

فقیر لوگ کیا شان و شوکت سے اپنے اللہ کے عشق میں غرق ہو چکے ہیں اور یہی کامیاب و کامران ہیں کہ انہیں ان کے محبوب کا در ملنے والا ہے۔ جہاں انہیں ان کی عبادت اور ریاضت کا صلہ ملے گا۔ کہ انہوں نے اپنے رب سے کبھی کچھ نہیں چھپایا اور یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

تشریح:

سفید چادر جس پر کوئی ہلکا سا داغ بھی لگ جائے تو نمایاں دکھائی دیتا ہے جس کی وجہ سے ہر دوسرے انسان کی نظر خود بخود اُس طرف اُٹھ جاتی ہے اور سفید چادر کے مالک کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے ——— درویش ان تمام امور سے ماورا ہے جس سے اندیشے جنم لیتے ہوں کہ اُن کے نزدیک تو بس ایک ہی ذات سچی اور شان و شوکت والی ہے اور وہ ہے رب العالمین کی ذات مقدس۔ دنیاوی شان و شوکت کی کشش صرف دنیا داروں کے لئے معنی رکھتی ہے کسی فقیر کے لئے اس کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔ ہو بھی کیوں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ سے عشق کے عوض جو کچھ حاصل ہو رہا ہے دنیا اس کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا دنیا داروں میں ایسا رتبہ حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں پنپتا اور وہ رنگینیوں اور مستیوں میں کھوئے ہوئے اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں اُنہیں ہمیشہ یہی خوف رہتا ہے کہ اُن کی سفید چادر پر کوئی داغ نہ لگ جائے اور اس طرح اُن کی شان و شوکت میں فرق نہ آ جائے جب کہ اللہ کا بندہ اُسی چادر میں خوش ہے جو اُس کا اوڑھنا بچھونا ہے کبھی وہ اسے زمین پر بچھا کر لیٹ جاتا ہے اور کبھی سر پر لے کر اپنے آپ کو ڈھانپ لیتا ہے اُسے دنیا کی غلاظت سے آلودہ ہونے کا احتمال ہی نہیں کہ وہ اس سے کوسوں دُور ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ کے حضور اُس کا عجز ہی قبولیت کا درجہ حاصل کرنے والا ہے نا کہ وہ گھمنڈ اور زعم جس کے تحت انسان اپنے آپ کو بھول کر شیطان کی پیروی میں اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

(113)

جا نہیں اوتھے کینہہ دی!

ہور نہ کائے قبول میاں، گل نینہہ دی
اک لا بھبھوت، بہن لا تاڑی
اک ننگے پھردے وچ اُجاڑیں
درد نہ چھاتی تینہہ دی
اک راتیں جاگن ذکر کریندے
اک سر دے پھردے بھک مریندے
جا نہیں اوتھے کینہہ دے
اک پڑھدے نی حرف قرآناں
اک مسلے کردے نال زباناں
ایہہ گل نہ ہاسی ہینہہ دی
کامل دے دروازے جاویں
خیر نیونہہ دا منگ لیاویں
خبر پوی تس تھینہہ دی
کہے حسین فقیر گدائی
لکھاں دی گل ایہا آہی
طلب تینہی نوں غینہہ دی

الفاظ و معنی:

کائے ——— کوئی۔ کچھ بھی

نینہہ ——— محبت۔ لگاؤ۔ پیار۔ عشق

بھبھوت ——— راکھ

بہن ——— بیٹھے

لاتاڑی ——— ایک دھیان میں۔ نظر جمائے ہوئے

اُجاڑیں ——— ویرانے۔ سنسان جگہ۔ غیر آباد۔ جنگل

دردنہ چھاتی ——— مراد ہے دل میں درد نہیں۔ ہمدردی نہیں۔ احساس نہیں (عشق حقیقی)

تینہہ ——— اُن کے

جائے نہ اوتے کینہہ دی ——— وہاں کسی کی نہیں چلتی۔ مراد ہے بے بسی

ہاسی ——— ہنسی مذاق

تھینہہ ——— جگہ مقام

لکھاں دی گل ایہا آہی ——— یہ لاکھ روپے کی بات ہے۔ یعنی یہی بات اہم ہے۔ یہی سچ ہے

طلب تینہی نوں نینہہ دی ——— عاشق کو صرف عشق کی طلب ہوتی ہے

ترجمہ:

سوائے محبت کے وہاں کسی شے کی قبولیت نہیں ——— کچھ لوگ راکھ مل کر اور ایک دھیان میں بیٹھے ہوئے ہیں کچھ ننگے جنگلوں اور بیابانوں میں پھر رہے ہیں مگر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا عشق نہیں سمایا جس کی وجہ سے یہ لوگ بے حس قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ کچھ لوگ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا چارہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ بھوکے پیاسے مر جاتے ہیں کہ شاید اللہ ان کی بھوک

اور پیاس سے راضی ہو جائے۔ مگر وہاں کسی کی نہیں چلتی۔ وہ بے پرواہ ہے اُس پر کسی کا کوئی بس نہیں۔ کچھ لوگ قرآن مجید کی تلاوت میں مگن ہیں اور اپنے رب کی رضا میں خوش ہیں کچھ لوگ زبانی مسئلے پیش کرتے ہیں بغیر حوالوں کے اپنی مرضی سے مطلب نکالنے کے عادی ہیں مگر اللہ سے عشق کرنا اور اُسے نبھانا آسان کام نہیں ہے یہ کوئی کھیل نہیں جسے جو چاہے کھیل لے۔ اس کے لئے تو کسی کامل کے دروازے پر جا کر ماتھا رگڑنا پڑتا ہے مراد ہے ریاضت اور عبادت سے ہی یہ منزل حاصل ہو سکتی ہے۔ شاہ حسین فقیر کا قول ہے کہ یہ ہی حقی سچی بات ہے کہ عاشق کو عشق حقیقی کے علاوہ کوئی شے درکار نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے سوا اُن کی کوئی طلب اور خواہش ہوتی ہے۔

تشریح:

دنیاوی امور اور اللہ تعالیٰ کے لئے کئے گئے امور میں فرق ہونے کے باوجود لوگ اپنی اپنی جگہ پر اپنا اپنا کام اپنی مرضی سے سرانجام دے رہے ہیں جب کہ اللہ کی رضا اور ناراضگی کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے ہر پل کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہوتا رہتا ہے اور رخصت کا وقت آنے تک گناہوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔ شاہ حسین نے دنیاوی کاموں کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں فرق کو واضح کیا ہے اور ہمیں آگاہ کیا ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی دھن میں مگن ہے اور اپنے وضع کردہ راستے کا مسافر ہے اور یہ سوچتا ہی نہیں کہ وہ کس کام سے اس دنیا میں آیا اور کیا کام سرانجام دے رہا ہے آیا اس میں اُس کا فائدہ بھی ہے یا نہیں ـــــــ انسان موقع حاصل ہی نہیں کرنا چاہتا اور ایک ہی دائرے میں گھومتا گھومتا اس زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جب کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کو خوش کرنے کا چارہ کرنا چاہیے ـــــــ مگر ان سب لوگوں سے الگ تھلگ اللہ کے عشق میں مگن، اُسی کی دھن میں اُسی کے وصال کے آرزومند لوگ بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے اپنے تمام امور اللہ پر چھوڑ رکھے ہیں وہ صرف اللہ کی عبادت اور اُس کے ذکر کے لئے وقف ہیں۔ اور چونکہ اللہ کریم ہی کی مرضی سے ہر اچھا کام پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے اس لئے وہ مکمل

یقین اور ایمان سے اپنے اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں کہ یہی سچا اور کھرا بھروسہ ہے جس میں کسی قسم کی ناکامی کی گنجائش نہیں ہے ــــــ لہٰذا اللہ کریم اپنے اُن بندوں کا مان رکھتے ہوئے اُن پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور اللہ کے حکم سے اُن بندوں کے ضروری کام وضروریات از خود پوری ہوتی رہتی ہیں۔ مگر اس منزل کا حصول آسان کام نہیں اس کے لئے اللہ کے سب سے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت، اُن کی پیروی اور اطاعت ضروری ہے۔ کہ ہمارے پاس وہی ایک وسیلہ ایسا ہے جو سب سے زیادہ معتبر اور ہمیں وقار عطا کرنے والا ہے۔ اور وہی وسیلہ رب العزت کے نزدیک اعلیٰ وارفع ہے ــــــ اگر خدانخواستہ یہ وسیلہ بھی انسان کی دسترس سے باہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی چاشنی، رحمت کی خوشبو اور کرم سے انسان کی محرومی انسان کو اس کی سطح سے اتنی نیچے گرادے جہاں اس کا تصور تک معدوم ہو جائے۔

(114)

کامی نوں چنتا کام دی!

اساں طلب سائیں دے نام دی
چور کرن نت چوریاں، عملی نوں عملاں دیاں گھوڑیاں
کامی نوں چنتا کام دی
پاتشاہاں نوں پاتشاہیاں، شاہاں نوں اگراہیاں
مہر نوں پنڈ گراوَن دی
اک بازی پائیاں سائیاں، اک اچرج کھیل نبھاہیاں
سبھ کھیڈ کھیڈ گھر آوندی
لوکیں کرن لڑائیاں، شرم رکھیں توں سائیاں
سبھ مر مر خاک سماوندی
اک شاہ حسین فقیر ہے، تسیں نہ آکھو پیر ہے
اساں گوڑی گل نہ بھاوندی

الفاظ و معنی:

طلب سائیں دے نام دی ــــــ اللہ کے ذکر کی خواہش۔ عبادت اور حمد و ثنا کی تمنا
عملی ــــــ نشئی۔ نشہ باز
عملاں دیاں گھوڑیاں ــــــ اپنے حال میں مست۔ بے خبر

کامی ــــــ کام کرنے والے۔لالچی۔ہوس کار۔شہوت پرست

چنتا ــــــ فکر۔سوچ

پاتشاہاں نوں پاتشاہیاں ــــــ بادشاہوں کو اپنی بادشاہی سے غرض

شاہاں نوں اگراہیاں ــــــ ساہوکاروں کو اپنے سود اور مال اکٹھا کرنے کی پڑی ہے

مہر ــــــ جاگیردار۔نمبردار۔گاؤں کا بڑا

پنڈ گراؤں ــــــ اپنا گھر بار۔مراد ذاتی مفاد عزیز رکھنا

اچرج ــــــ انوکھا۔عجیب

نباہیاں ــــــ نبھانا۔پورا کرنا۔تکمیل تک پہنچانا

سبھ کھیڈ کھمر آوندی ــــــ دُنیا کے تمام کام پورے کرتے کرتے مرجانا

شرم رکھیں توں سائیاں ــــــ اے میرے رب میری عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔میری عزت رکھنا

مر مر خاک سماوندی ــــــ مرنے کے بعد مٹی میں ملنا۔دفن ہونا

آکھو ــــــ کہو

کوڑی ــــــ جھوٹی

بھاوندی ــــــ پسند۔اچھی

ترجمہ:

شاہ حسین دنیا والوں کا اپنے ساتھ تقابلی جائزہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کے ذکر سے محبت ہے اور میں اسی کا شیدائی ہوں۔چور کو اپنی چوریوں سے مطلب ہے اور شہوت پرست کو اپنی حرص پوری کرنے کی غرض کہ وہ ہر وقت اسی وہم وگمان میں رہتا ہے۔بادشاہ اپنی بادشاہی کو چلانے کی فکر میں ہیں اور ساہوکار اپنا مال اکٹھا کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔گاؤں کے سردار کو اپنی سرداری چمکانے کے مواقع حاصل ہو رہے

ہیں اور وہ اپنے مفاد کی خاطر اپنے امور سرانجام دے رہا ہے۔ مالک کائنات نے سب کو کچھ نہ کچھ اختیار دے کر دنیا میں بھیج دیا ہے۔ اور سب اپنی اپنی مرضی کے کام کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں یعنی مرتے جا رہے ہیں۔ اور جو زندہ ہیں وہ آپس میں لڑ جھگڑ کر زندگی گزار رہے ہیں اور مر مر کر خاک میں سماتے جا رہے ہیں۔ شاہ حسین ایک فقیر ہے۔ اسے پیر نہ کہو کہ مجھے جھوٹ بالکل پسند نہیں۔

تشریح:

دنیا میں آنے والوں نے اپنے آپ کو دنیا کے تقاضوں اور دنیا کو اپنے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے مختلف کاموں کا چناؤ کیا اور اُن کو اپنے اپنے طریقے سے کرتے ہوئے بیک وقت دنیا اور اپنے آپ کو آگے کی منزلوں کی طرف رواں کیا۔ یعنی دونوں کی ترویج کے مراحل ایک ہی وقت میں طے ہوئے جس کی وجہ سے انسان دنیا سے مربوط ہوتا چلا گیا ان کاموں کی نوعیت دو طرح کی ہے ایک تو وہ جو نیک اعمال کے زمرے میں آتے ہیں دوسرے وہ جو بد اعمال تصور کئے جاتے ہیں۔ اب آگے ان دونوں کی مختلف سمتوں میں بڑھتی ہوئی شاخیں اور اُن پر پھل پھول اور پتے جو اُن کے اثرات کو ظاہر کرتے ہیں اُن کی تفصیل خاصی طویل ہے جس کا سرِ دست احاطہ ممکن نہیں اور ان کی بنیاد بھی ہمارے اعمال پر ہے اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" سو ہمارے اعمال کا انحصار ہماری نیتوں پر ہے۔ جس کے تحت ہم اچھے بُرے عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو کسی ایک طرف کے جھکاؤ پر جھکا لیتے ہیں ـــــــ اگر تو یہ جھکاؤ نیک اور اپنے رب کی ہدایت کے مطابق ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول اور اُس کے احسانات سے فیض یابی کا اعزاز حاصل ہونا قدرت کا بندے کو انعام ہے اور اگر اس کے برعکس ہے تو بلاشبہ ہم اپنے آپ کے دشمن ہیں اور اپنے آپ کو جہنم میں دھکیلنے کی تیاری میں

ہیں۔ کیوں کہ ان اعمال کے سائے میں پنپنے والی لعنتوں میں ہوس کاری فریب۔ دھوکہ، غیر اخلاقی قوتوں کا ساتھ، اللہ کی رضا۔ کے خلاف اپنی زندگی کی بُنت، دنیا سے بے پناہ محبت اور دنیا بنانے والے سے دُوری۔ اور اُس کے احکام کی خلاف ورزی، غرض ہر وہ کام جو اخلاقی قدروں کے ترازو میں تلنے کا اہل ہی نہیں ہمارا طرۂ امتیاز بن جاتا ہے جیسا کہ اب ہے۔ جس کا آپ لوگ ہر روز مشاہدہ بھی کرتے ہیں اور آپ کے تجربات بھی آج کے دور کی اس غلط روی کی تصدیق کرتے ہیں۔ بہر کیف جو بھی صورتِ حال ہے وہ صرف ہماری زندگی تک ہے اور جو کچھ اس زندگی میں ہمارا کیا دھرا ہے وہ ہماری حقیقی زندگی کو سنوارنے اور بگاڑنے کی دلیل ہے۔

شاہ حسین کا اس کافی کے حوالے سے تقابلی جائزہ ہمارے سامنے ہے مگر اس میں سچائی کی طرف جھکاؤ والوں پر چونکہ اللہ کا انعام ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ کی طرف سے ہی خاص کاموں پر تعینات کئے جاتے ہیں۔ جن میں انسانیت کی بھلائی، اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ادراک مہیا کرنا بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اور جو لوگ ان امور کو پوری تن دہی سے سرانجام دیتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور اُنہیں اللہ تعالیٰ سے عشق کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے اور فقر کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہو سکتا ہے جہاں وہ طلب پیدا ہوتی ہے جو شاہ حسین نے اپنی مذکورہ کافی کے پہلے مصرعہ میں بیان کی ہے بہ الفاظِ دیگر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دنیا میں ہر انسان نے اپنے اپنے کام سرانجام دیئے مگر بعض نے اپنی مرضی اور نفس کی تشفی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے کام کو تکمیل تک پہنچایا اور بعض نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے امور سرانجام دیئے یہ دونوں صورتیں ہمارے لئے جزا و سزا کو جنم دیتی ہیں اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان دو میں سے کس کا حق دار ثابت کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے سامنے کئی

ایک اچھی مثالیں بھی موجود ہیں اور اچھی راہبری کے مواقع بھی مفقود نہیں۔

جیوندیاں مر رہنا ہے تاں دیس فقیراں بہیے ہُو
جے کوئی سٹے گدڑ گوڑا وانگ اڑوڑی رہیے ہُو
جے کوئی دیوے گالھاں مہنے اُس نوں جی جی کہیے ہُو
گِلہ اُلاہماں بھنڈی خواری یار دے پاروں سہیے ہُو
قادر دے ہتھ ڈور اساڈی، جیوں رکھے تیوں رہیے ہُو

(سلطان باہوؒ)

آیئے بلھے شاہ کی تجزیہ نگاری سے بھی فیض یاب ہوں!*

سچ آکھ مناں کیوں ڈرنا ایں
اس سچ پچھے تُوں ترنا ایں
سچ سدا آبادی کرنا ایں
سچ وست** اچنبا آئی اے
گل رولے لوکاں پائی اے!

بھُل خدا نوں جان خدائی
بُتاں اگے سیس نوائی
جیہڑے گھڑ کے آپ بنائی
شرم رتا نہ آئی اے
گل رولے لوکاں پائی اے!

---

* بلھے شاہ کی کافی سے اقتباس۔

** وسط۔

دھیاں بھیناں سب دیاں ہون
پردے اپنے آپ کجاون
بُلھا شاہ کیہ آکھن آون
نہ ماتا کسے ویاہی اے
گل رولے لوکاں پائی اے!
شاہ رگ تھیں رب وس دا نیڑے
لوکاں پائے لمے جھیڑے
واں کے جھگڑے کون نبیڑے
بھج بھج عمر گنوائی اے
گل رولے لوکاں پائی اے!

(115)

رَت روسیں لیکھا بھر دیاں!

اینویں گزری گالہیں کردیاں، کجھ کیتو ناہیں سردیاں
توں سُتوں چادر تان کے، تیں عمل نہ کیتا جان کے
رَت روسیں لیکھا بھر دیاں
جائے پچھواک وانڈھیاں، جیہناں اندر بلدی ڈھانڈیاں
اوہناں عرض نہ کیتی ڈردیاں
کہے حسین سنائے کے، پچھوتا سیں اوتھے جائے کے
کوئی سنگ نہ ساتھی مردیاں

الفاظ و معنی:

اینویں گزری ——— بے کار گزری
گالہیں کردیاں ——— باتوں باتوں میں
سَر دیاں ——— ہوتے ہوئے۔ کرسکنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی کسی کام کا نہ کرنا
رَت روسیں ——— خون کے آنسو رونا۔ خون رونا
لیکھا بھر دیاں ——— حساب کتاب دیتے ہوئے۔ مراد اللہ کے حضور جواب دیتے ہوئے
جائے پُچھو ——— جا کر دریافت کریں، جا کر پوچھیں
وانڈھیاں ——— مسافر

بلدی ڈھانڈیاں ——— آگ لگی ہوئی۔ شعلے اُٹھتے ہوئے

پچھوتا سیں ——— پچھتانا

اوتھے جائے کے ——— وہاں جا کر (یعنی اللہ پاک کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر)

کوئی سنگ نہ ساتھی مردیاں ——— مرتے وقت کوئی ساتھ نہیں مرتا۔ اس دنیا سے اکیلے ہی رخصت ہونا ہوتا ہے

ترجمہ:

اپنی عمر باتوں میں گزار دی اور جو کچھ تیرے اختیار میں تھا تو نے نہیں کیا اور گہری نیند میں کھویا رہا اور اس غفلت کی وجہ سے تو نے جان بُوجھ کر کوئی عمل نہیں کیا جس سے تیری بخشش کی صورت پیدا ہو سکے۔ جب تجھ سے تیرے عملوں کا حساب مانگا جائے گا تو یقیناً تُو خون کے آنسو روئے گا اور پچھتائے گا مگر وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ اُن لوگوں سے دریافت کرو جو اللہ کی راہ پر چلنے والے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق سے منور ہیں وہ اللہ کی رضا میں خوش رہے اور اپنی تمام خواہشات سے کنارا کر لیا۔ اور کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا کہ اس دنیا سے ہر شخص کو اکیلا ہی رخصت ہونا ہے۔

تشریح:

آج تک دیکھتے سُنتے آئے ہیں کہ وہ انسان جس پر موت واقع ہوئی ہے نہ تو اُس کا ساتھ کسی نے دیا ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ لہٰذا زندگی میں جن لوگوں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور جو چیزیں محبوب ترین ہوتی ہیں وہ سب کی سب ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ سوائے انسان کے اعمال کے۔ اعمال جو ہماری زندگی کا آئینہ ہیں اور ان کی اچھائی بُرائی کے لئے ہمیں ہدایت نامے جاری کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی اگر ہم غافل ہو کر زندگی گزارنا چاہیں تو پھر ہمارا پرسانِ حال کون ہو گا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

غفلت کا بنیادی سبب ہماری لالچ قرار دی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے ہم اُن باتوں کو طرح دے دیتے ہیں جو ضروری ہوتی ہیں اور اُن باتوں کی طرف اپنا دھیان دینے میں چوکس رہتے ہیں جو محض ہمارے دنیاوی مفاد اور جھوٹی شان وشوکت کی نمائش میں ہماری معاونت کرتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے بارے میں کسی عمل کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور اُس کے نتائج سے اپنی آنکھیں بند کئے رہتے ہیں۔ ہر چند کہ ہمیں ہماری غلطیوں کا ادراک کروانے کے لئے قدرت کی طرف سے کئی ایک محرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر چونکہ ہمارے رگ وپے میں شیطانیت براجمان ہوتی ہے ہم اللہ کے کسی حکم پر کان نہیں دھرتے اس لئے بھٹکتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان اور خفیہ مدد سے کوئی استفادہ نہیں کرتے اسی غفلت کے زیر اثر ہم اپنی زندگی کو عذاب میں دھکیلنے کے لئے پوری طرح مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں اُس وقت کو جب ہم سے حساب لیا جائے گا اور ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور جس کرب اور اذیت ناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا اندازہ لگانا شاید ممکن ہی نہیں ـــــــ ایسی صورت میں پچھتاوے کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ ہوگا کہ ہم نے دنیا میں آ کر اپنے رب کو بھلا دیا اور دنیا کی رنگینیوں میں خود کو اس قدر غرق کر دیا کہ ہمارا اصل بھی ہم سے چھن گیا۔ اور ہم ایسے میں جن کی پیروی کرتے رہے وہی ہو کر رہ گئے اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے یہ وہی جانتا ہے۔

آج جب ہم کسی اللہ والے کو دیکھ لیتے ہیں تو طرح طرح کی باتوں سے اُسے پیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اِتراتے ہیں اپنی اُس جھوٹی شان وشوکت پر جو مکروہ ذرائع سے حاصل کی گئی ہے۔ اور یہ سوچ ہی نہیں پاتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق سے منور ہیں اور یہ سعادت ہر ایک کا مقدر نہیں اس مقام کو وہی حاصل کر سکتا ہے جو اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہے نیک کام کرے، اللہ کی رضا میں راضی رہے کہ اسی میں ہر قسم کی بہتری پوشیدہ ہے۔ اور یہ بہتری اپنے اثرات دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ظاہر کرتی ہے کہ رب العالمین ہر شے پر قادر ہے۔ جب کہ ہم اس پر بھی قادر نہیں کہ اپنی چند سانسیں بڑھا سکیں

اپنا جمع کیا ہوا مال و متاع اپنے ساتھ لے جانے کے انتظام کر سکیں، غرض اپنے کسی کام میں اپنی مرضی سے ردو بدل کرنے تک کا اختیار بھی نہیں تو پھر یہ زعم کیسا، یہ ہٹ دھرمی کیسی، اپنی اہمیت جتانے کے لئے۔ ہر طرح کی نمائش کس لئے۔ کہ یہ سب ایک دن ختم ہونے والا ہے۔ اور جو باقی رہنے والا ہے وہ اللہ ہی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے اور سب کی سب تعریفیں اُسی کی ہیں۔ آیئے ہم اُس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اُس کے قرب کے احساس اور اُس کے عشق سے اپنے آپ کو ہر گناہ سے بچا سکنے کا عہد کر لیں شاید یہ ہماری مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور وہ ہمیں بخشش جیسی نعمت سے نواز دے۔

(116)
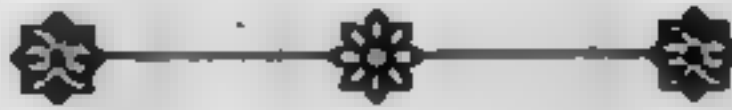
باجھ عملاں گلاں کوڑیاں!

کیا کیتو ایتھے آئے کے
کیا کہسیں اوتھے جائے کے
نہ تیں تُنبن تُنبیا، نہ تیں پِنجن پِنجیا
نہ لیتو ای سُوت کتائے کے
نہ تیں چرخا پھیریا، نہ تیں سُوت اٹیریا
نہ لیتو تان تنائے کے
نہ تیں ویل وِنجایا، نہ تیں پچھی پایا
نہ لیتو داج رنگائے کے
شاہ حسین میں داج وِہونی، باجھ عملاں گلاں کوڑیاں
نہ لیتو شوہ رجھائے کے!

الفاظ و معنی:

کیتیو ——— کاتنا۔ کسی کام کا کرنا۔ یہاں مراد ہے نیک اعمال
کیا کہسیں ——— کیا کہے گا۔ کیا جواب دے گا
نہ تیں تُنبن تُنبیا ——— تُو نے نیک اعمال کی طرف دھیان نہیں دیا
نہ تیں پِنجن پِنجیا ——— عبادت و ریاضت کی طرف رجوع نہ کرنا
نہ لیتو ای سُوت کتائے کے ——— کہیں سے ہدایت حاصل نہیں کی

اٹیریا ـــــ اکٹھا کرنا۔ لپیٹنا

چھبی ـــــ ٹوکری

داج ـــــ جہیز

داج وہونی ـــــ جہیز کے بغیر

باجھ عملاں ـــــ نیک اعمال کے بغیر

گلاں کوڑیاں ـــــ سب باتیں جھوٹی ہیں، بے کار ہیں اور بے مقصد ہیں

شوہ رجھائے کے ـــــ خاوند کو خوش کر کے

ترجمہ:

یہاں آ کر تم نے کیا کیا ہے مراد کوئی کام نہیں کیا تو اللہ کے حضور جا کر کیا جواب دے گا۔ نہ تو تُو نے نیک اعمال کی طرف دھیان دیا اور نہ ہی اللہ کی عبادت کی طرف توجہ دی۔ اور نہ ہی کسی درویش کی صحبت یا اللہ والے کی پیروی کی اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کی، نہ ہی تو نے زندگی کو گذارنے کا ڈھنگ سیکھا اور نہ ہی اس زندگی سے کچھ حاصل کیا جو آگے جا کر تیرے کام آ سکے۔ نہ تو نے اچھائیاں اکٹھی کیں گویا تُو نے اپنا کوئی جہیز تیار نہ کیا تو کس طرح اپنے محبوب کو راضی کرے گا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ نیک اعمال کے بغیر زندگی زندگی نہیں اور انسان انسان نہیں رہتا سب کی سب باتیں بے کار اور بے مقصد ہو جاتی ہیں اور جب انسان ان بے کار سی باتوں میں پھنس جاتا ہے تو وہ اپنے محبوب کو خوش کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا۔

تشریح:

شاہ حسین نے ان استعاروں کو اپنی کافیوں میں کافی جگہ استعمال کیا ہے جس سے وہ اپنی کیفیات اور اپنے اردگرد کے ماحول کی عکاسی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور آج کے دور کے انسان تک اپنے خیالات کی ترسیل کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج بھی شاہ حسین کو پڑھتے ہوئے یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُن کا کلام ہمیں زندگی کی

(116)

باجھ عملاں گلاں کوڑیاں!

کیا کیتو اتھے آئے کے
کیا کہسیں اوتھے جائے کے
نہ تیں ٹُنبن ٹُنبیا، نہ تیں پِنجن پِنجیا
نہ لیتو ای سُوت کتائے کے
نہ تیں چرخا پھیریا، نہ تیں سُوت اٹیریا
نہ لیتو تان تنائے کے
نہ تیں ویل وِنجایا، نہ تیں پچھی پایا
نہ لیتو داج رنگائے کے
شاہ حسین میں داج وِہونی، باجھ عملاں گلاں کوڑیاں
نہ لیتو شوہ رجھائے کے!

الفاظ و معنی:

کیتو ——— کاتنا۔ کسی کام کا کرنا۔ یہاں مراد ہے نیک اعمال
کیا کہسیں ——— کیا کہے گا۔ کیا جواب دے گا
نہ تیں ٹُنبن ٹُنبیا ——— تُو نے نیک اعمال کی طرف دھیان نہیں دیا
نہ تیں پِنجن پِنجیا ——— عبادت و ریاضت کی طرف رجوع نہ کرنا
نہ لیتو ای سُوت کتائے کے ——— کہیں سے ہدایت حاصل نہیں کی

اٹیر یا ـــــ اکٹھا کرنا۔ لپیٹنا
پچھی ـــــ نوکری
داج ـــــ جہیز
داج وہونی ـــــ جہیز کے بغیر
باجھ عملاں ـــــ نیک اعمال کے بغیر
گلاں کوڑیاں ـــــ سب باتیں جھوٹی ہیں، بے کار ہیں اور بے مقصد ہیں
شوہ رجھائے کے ـــــ خاوند کو خوش کر کے

ترجمہ:

یہاں آ کر تم نے کیا کیا ہے مراد کوئی کام نہیں کیا تو اللہ کے حضور جا کر کیا جواب دے گا۔ نہ تو تُو نے نیک اعمال کی طرف دھیان دیا اور نہ ہی اللہ کی عبادت کی طرف توجہ دی۔ اور نہ ہی کسی درویش کی صحبت یا اللہ والے کی پیروی کی اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کی، نہ ہی تو نے زندگی کو گذارنے کا ڈھنگ سیکھا اور نہ ہی اس زندگی سے کچھ حاصل کیا جو آگے جا کر تیرے کام آسکے۔ نہ تو نے اچھائیاں اکٹھی کیں گویا تُو نے اپنا کوئی جہیز تیار نہ کیا تو کس طرح اپنے محبوب کو راضی کرے گا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ نیک اعمال کے بغیر زندگی زندگی نہیں اور انسان انسان نہیں رہتا سب کی سب باتیں بے کار اور بے مقصد ہو جاتی ہیں اور جب انسان ان بے کار سی باتوں میں پھنس جاتا ہے تو وہ اپنے محبوب کو خوش کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا۔

تشریح:

شاہ حسین نے ان استعاروں کو اپنی کافیوں میں کافی جگہ استعمال کیا ہے جس سے وہ اپنی کیفیات اور اپنے اردگرد کے ماحول کی عکاسی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور آج کے دور کے انسان تک اپنے خیالات کی ترسیل کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج بھی شاہ حسین کو پڑھتے ہوئے یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُن کا کلام ہمیں زندگی کی

حقیقتوں سے روشناس کرواتے ہوئے ایک ایسی ڈگر پر ڈال دیتا ہے جو سچائی کی طرف جاتی ہے اور اُن دنیاوی صعوبتوں سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے جس میں گھر کر ہم اپنے رب سے دور ہی دور ہوتے جارہے ہیں ہماری یہ دوری ہمارے لئے باعثِ ندامت ہے۔ اور ہمیں سوچنے کی دعوت دیتی ہے کہ ہم اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ اُس نے دنیا میں ہمیں کس لئے بھیجا اور ہم کیا کررہے ہیں اور کیا کر کے دنیا سے رخصت ہورہے ہیں۔ کہ ہم نے اس دُنیا میں ہر وہ کام کیا جو انسانی سطح سے بہت نیچے تھا۔ ہوس و لالچ کو اپنا شعار بناتے ہوئے ایک طرف ہم نے اپنے ساتھ ناانصافی کی دوسری طرف اپنے مدِ مقابل کے حقوق کو نظر انداز کیا۔ اختیار رکھتے ہوئے اس کا غلط استعمال کیا اور جو کچھ کرنا تھا اُس سے جی چراتے رہے ـــــــ ہمارا رب جو اس حال میں بھی ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازتا رہا ہمیں سیدھی راہ سجھاتا رہا ہم نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور نیک اعمال کی بجائے بدیوں سے دامن بھر لیا۔ اب ان کا مصرف ہماری تباہی کے سوا کیا ہوسکتا ہے اب بھی وقت ہے اگر ہم سنبھل جائیں تو شاید اللہ کریم اپنے کرم سے ہمیں اپنی طرف متوجہ ہونے کی اجازت دے دے اور ہم اپنی غلط کاریوں سے چھٹکارا حاصل کر کے نیکی کی طرف دھیان دیں کہ ایک ہی راستہ ہے جس پر چل کر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعادت سے ہمکنار ہوسکتے ہیں اور اُس کو خوش کر سکتے ہیں جو ہمیں سچی خوشیاں عطا کرتا ہے اور ہمارے لئے بے پناہ ہمدردیاں رکھتا ہے۔ کہ وہ ہمارا رب اور پروردگار ہے۔

شاہ حسین کے علاوہ بھی مختلف صوفیوں نے ان استعاروں سے اکثر جگہ انہی مطالب کو اخذ کیا ہے۔ یعنی چرخے پر کیا گیا ہر عمل ہمارے نیک اعمال کا عکاس قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ چرخہ اس لئے بھی صوفیا کے کلام کا **Master Symbol** رہا ہے کہ پرانے دور میں سب سے زیادہ کارآمد شے کے طور پر معرضِ وجود میں آیا اور اس سے گھریلو سطح پر روزگار بھی میسر آتا رہا اور ضروریاتِ زندگی بھی کافی حد تک پوری ہوتی رہیں ـــــــ چونکہ کام بھی عبادت ہی کا درجہ رکھتا ہے اس لئے صوفیا نے اس مقبول عام شے کو بطور عبادت اور ریاضت کے استعارے کے جگہ جگہ استعمال کیا اور لوگوں کی

چرخے کے ہر پہلو سے آگاہی ہونے کے ناطے ان کو اصل حقائق کی جانب موڑنے کی کوشش کی یعنی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چرخے کا کردار ہماری زندگیوں سے اس طرح مربوط کر دیا گیا کہ ہماری زندگیوں کے تلازمے چرخے کے مرہونِ منت نظر آنے لگے۔ جو ہمارے لئے نیک شگون اور ہمارے آئندہ کی اصلاح کا درجہ رکھتے تھے اب ان کو سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھنا ہماری اپنی لاپرواہی کا نتیجہ ہے نا کہ صوفیا کے محسنانہ رویہ کا کوئی کمزور پہلو۔

سردست بلھے شاہ کی ایک کافی پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا

تاکہ میرے مندرجہ بالا معروضات کی تصدیق ہو سکے۔

بلھے شاہؒ کی مشہور کافی ہے۔

کر کتن ول دھیان کڑے

نت تیں دیندی ماں دھیا
کیوں پھرنی ایں ایویں آدھیا
نی شرم حیا نہ گوا دھیا
توں کدی تاں سمجھ ندان کڑے

کر کتن ول دھیان کڑے

چرخہ مفت ترے ہتھ آیا
پلیوں نہیں کجھ کھول گوایا
نیوں قدر محنت دا پایا
جد ہویا کم آسان کڑے

کر کتن ول دھیان کڑے

چرخہ بنیاں خاطر تیری
کھیڈن دی کر حرص تھوڑیری

ہوناں نہیوں ہور وڈیری
مت کر کوئی اگیان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

چرخہ تیرا رنگ رنگیلا
ریس کریندا سب قبیلہ
چل دے چارے کر لے حیلہ
گھر وچ ہو آوا دھان کڑے
کر کتن ول دھیان گوے

اس چرخے دی قیمت بھاری
توں کیہ جانیں قدر گنواری
اُچی نظر پھریں ہنکاری
وچ اپنے شان گمان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

میں کوکاں، کر کھلیاں باہیں
نہ ہو غافل سمجھ کدائیں
ایسا چرخہ گھڑناں ناہیں
پھیر کسے ترخان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

ایہہ چرخہ توں کیوں گوایا
کیوں کھیہہ دے وچ رلایا

جد دا ہتھ تیرے آیا
توں کدے نہ ڈاہیا آن گوے
کر کتن ول دھیان گوے

بت میتیں دیاں ولّی
اس بھولی کملی جھلّی نوں
جد پوے گا وخت اکلی نوں
تد ہائے ہائے کرسی جان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

ڈھوں دی توں رجک وہونی
گوہڑیوں نہ توں کتی پونی
ہن کیوں پھرنی ایں نموں جھونی
کس دا کریں گمان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

نہ تکلا راس کراویں توں
نہ بائیڑ مالھ پواویں توں
کیوں گھڑی مڑی چرخہ چاویں توں
توں کرنی ایں اپنا زیان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

ونگا تکلا راس کرالے
نال شتابی بائیڑ پوالے

جیوں کرو گے تویں وگالے
مت کر کوئی اگیان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

اَج گھر وچ نویں کپاہ گوے
تُوں جھب ویلنا ڈاہ گوے
رُوں ویل پنجاون جاہ گوے
مُڑ کل نہ تیرا جان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

جدوں رُوں پنجا لیاویں گی
سیاں وچ پُونیاں پاویں گی
مُڑ آپے ای پِگ بھاویں گی
وچ سارے جگ جہان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

تیرے نال دیاں سب سیاں نی
کت پُونیاں سیناں لییاں نی
تینوں بیٹھی نوں پچھے پیاں نی
کیوں بیٹھی ایں ہُن حیران گوے
کر کتن ول دھیان گوے

دیوا اپنے پاس جگاویں
کت کت سُوت بھروٹی پاویں

اکھیں وچوں رات لنگھاویں
اوکھی کر کے جان گوے
کر کتن ول دھیان گوے
راج پیکا دن چار گوے
نہ کھیڈو کھیڈ گزار گوے
نہ ہو وہلی کر کار گوے
گھر بار نہ کر ویران گوے
کر کتن ول دھیان گوے
توں ستیاں دین گزار نہیں
مڑ آوناں دوجی وار نہیں
پھر بہناں ایس بھنڈار نہیں
وچ اکو جیڈے ہان گوے
کر کتن ول دھیان گوے
توں سدا نہ پیکے رہناں ایں
نہ پاس انبڑی دے بہناں ایں
بھا انت وچھوڑا سہناں ایں
دس پیکیں کی سس نتان گوے
کر کتن ول دھیان گوے
کت لے نی کجھ کتا لے نی
ہن تانی تند اُونا لے نی

تُوں اپنا داج رنگا لے نی
تُوں تد ہوویں بھروان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

جد گھر بیگانے جاویں گی
مُڑ وت نہ اوتھوں آویں گی
اوتھے جا کے پچھو تاویں گی
کجھ اگدوں کر سیان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

اَج ایڈا تیرا کم گوے
کیوں ہوئی ایں بے غم گوے
کیہ کر لیتاں اُس دم گوے
جد گھر آئے مہمان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

جد سب سیاں ٹو جاون گیاں
پھر اوتھوں مُول نہ آون گیاں
آ چرخے مُول نہ ڈاہون گیاں
ترا ترنجن پیا ویران گوے
کر کتن ول دھیان گوے

کر مان نہ حُسن جوانی دا
پردیس نہ رہن سیلانی دا

کوئی دنیا جھوٹھی فانی دا
نہ رہسی نام نشان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

اک اوکھا ویلا آوے گا
سب ساک سین بھج جاوے گا
کر مدّت پار لنگھاوے گا
اوہ بلھے دا سلطان گوے
کر کتن ول دھیان گوے

(بلھے شاہ)

(117)

مولا دوست ملایا ای!

صدقے ونجاں اوہناں راہاں توں، جن راہیں شوہ آیا ای
پچھی سٹ گھتاں بھرڑاندی، کتن توں چِت چایا ای
چنگ اُٹھی دل ہیرے، رانجھن تخت ہزاریوں دھایا ای
کہے حسین فقیر نمانا، مولا دوست ملایا ای!

الفاظ و معنی:

صدقے ونجاں ——— صدقے جاؤں۔ قربان جاؤں
سٹ گھتاں ——— پھینک دوں
چِت ——— دل
چایا ای ——— اُٹھ گیا۔ بے زار ہو گیا۔ اچاٹ ہو جانا
چنگ ——— دردناک چیخ

ترجمہ:

میں اُن راستوں کے صدقے جاؤں جن راستوں پر چل کر میرا محبوب آیا ہے۔ میرے عشق نے مجھے کامیابی عطا کر دی ہے اب میرا دل اُن معمولات سے بے زار ہو گیا ہے جو ظاہری طور پر مجھ سے منسوب ہیں ہیر کے دل سے ایک دردناک چیخ اُٹھی اور رانجھن تخت ہزارہ چھوڑ کر نکل پڑا۔ شاہ حسین فقیر کہتا ہے کہ اللہ ہی کارساز ہے۔ اُس کی رحمتوں سے ہی مجھے وہ کچھ نصیب ہوا ہے جس کی مجھے طلب تھی۔

تشریح:

جن لوگوں سے تعلق خاص ہوتا ہے اُن کے لئے دل کی دھڑکن کی الگ لَے ہوتی ہے ایک عجیب قسم کا سرور رگ و پے میں لہر سازیاں کرتا پھرتا ہے۔ تمنائیں وجد کرتی ہیں تو آنکھوں میں عکس در عکس خیالات کی رنگ آفرینیاں موجزن ہوتی ہیں۔ ہوائیں کسی کی چاپ سے مترنم ہوتے ہوئے کسی کے آنے کی خبر دیتی ہیں اور اس خبر کی خوشی سے سب کچھ بھول جاتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے اور کب ہوتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں سچے عشق سے مربوط ہیں آنے والوں پر قربان ہونا تو بہت بڑی بات ہے وہ جن راستوں سے گزر کر آتے ہیں اُن پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے اور زندگی کے تمام معمولات کو ترک کر دینا ضروری لگتا ہے۔ اور کوئی یونہی تو ملنے نہیں آ جاتا۔ اُسے کوئی نہ کوئی کشش کھینچ کر لاتی ہے کوئی طلب اُس کے دل کو مائل کرتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو وصل ممکن نہیں رہتا اور یہ بھی عشق کا ایک پہلو ہے۔ اور اسی کے تحت وصل و ہجر کے جذبے اپنی اپنی جگہ شدت اختیار کرتے ہیں اور پھر اللہ کی رضا سے وہ گھڑی بھی آ پہنچتی ہے جب عاشق کو محبوب کا وہ قرب کا لمحہ نصیب ہو جاتا ہے جو زندگی کا قیمتی ترین لمحے کا روپ دھارے ہوئے ہوتا ہے۔ زندگی کے اپنے حُسن کی دلآویزیاں بھی انہی لمحوں سے عبارت ہیں۔

(118)

اساں ہر دم رب دھیاوَنا!

اساں کِت گوں شیخ سداوَنا
اساں ٹکر منگ کھاوَنا، اساں ایہو کم کماوَنا
گھر بیٹھیاں منگل گاوَنا
عشق فقیراں دی ٹوہنی، اک وست اگوچر جوہنی
اساں ہر دم رب دھیاوَنا
اساں ہور کسے نہ آکھنا، اساں نام سائیں دا بھاکھنا
اساں من اپنا سمجھاوَنا
اساں اندر باہر لال ہے، اساں رل مِل جھرمٹ پاوَنا
اساں ایہو ونج و پار ہے

الفاظ و معنی:

کِت گوں ——— کیسے۔ کس لئے۔ کس غرض سے
شیخ ——— بزرگ۔ نیک۔ صالح
سداوَنا ——— کہلوانا۔ منوانا
ٹکر ——— روٹی
ایہو کم کماوَنا ——— یہی کام کرنا ہے
گھر بیٹھیاں منگل گاوَنا ——— گھر میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا۔ یکسوئی سے

اللہ کو یاد کرنا

ٹوہنی ــــــ لاٹھی۔ سہارا

وست ــــــ چیز

اگوچر ــــــ خیالوں سے بلند۔ نہایت ارفع۔ انوکھی۔ عجیب

جونی ــــــ تلاش۔ ڈھونڈنا۔ جستجو

ہردم رب دھاؤنا ــــــ ہر پل اللہ کی یاد میں رہنا۔ ہر گھڑی عبادت میں مشغول رہنا

ہور کسے نہ آکھنا ــــــ کسی کو بھی نہیں کہنا۔ کسی سے مدد نہ مانگنا

نام سائیں دا بھاکھنا ــــــ اللہ اللہ کرنا۔ ورد کرنا۔ اللہ کے نام کی تسبیح کرنا

جھرمٹ پاؤنا ــــــ مستی میں جھومنا۔ بے خودی میں ناچنا

ونج وپار ــــــ بیوپار۔ کاروبار۔ کام کاج

ترجمہ:

کس لئے اپنے آپ کو بزرگ اور نیک کہلوائیں ہمارے پاس کون سے گن ہیں۔
ہم نے روٹی مانگ کر کھا لینی ہے اور کوئی مشقت اس حوالے سے نہیں کرنی اگر ہمارا کوئی کام ہے تو بس یہی ہے اور کھا پی کر اپنے گھر میں اطمینان سے پڑے رہنا درویشی نہیں۔
عشق فقیری کی بنیاد اور سہارا ہے جس کی وساطت سے اُس مقام تک پہنچا جا سکتا ہے جو مطلوب ہو اور ہم بھی اُسی انوکھی شے کی تلاش میں ہیں، اسی لئے ہمارا دھیان اُسی طلب میں لگا رہتا ہے۔
ہم کسی سے کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی کہنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زبان تو اپنے رب کے ذکر سے فارغ ہی نہیں ہوتی۔ کہ اس طرح ہم نے اپنے دل کو راہِ راست پر لانا ہے۔ اسے جاری کرنا ہے۔*

* ازخود دل کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہنا، دل کی دھڑکن میں اسمائے الٰہی پرو لینا۔

ہمارے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا نور جلوہ افروز ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ ہم اور نورِ الٰہی مل کر اپنے اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں اور یہی ہمارے معمولاتِ زندگی ہیں۔

تشریح:

بظاہر اس کافی میں شاہ حسین دوسمتوں کی بات کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور ہمارے سامنے یہ تاثر ابھر کر آتا ہے کہ جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ جس بندے کو پکی پکائی مل جائے اُسے کیا ضرورت ہے کام کاج کرنے کی اپنے گھر میں بیٹھا رہے بس ذرا جانا آتا ہی ہے کہ مانگ کر روٹی لے آئے اور گھر میں بیٹھ کر کھائے اور اطمینان سے زندگی گزار دے جب کہ یہ زندگی زندگی نہیں ——— اور زندگی کو شاہ حسین جس روپ میں دیکھ رہے ہیں اُس کا ذکر کافی کے اگلے حصے میں واضح کر دیا گیا ہے۔ جس میں شاہ حسین فرما رہے ہیں کہ فقیری یا درویشی وہ نہیں کہ بندہ مانگ کر روٹی کھائے اور سو رہے یہ تو نہایت ریاضت کے مرحلے ہیں جن کو طے کرنا ہوتا ہے اور پھر رب العالمین کی رضا پر ہے کہ وہ کیا مقام عطا کرتا ہے عطا کرتا بھی ہے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ کی عطا ہو جاتی ہے جو بندے کا رب تعالیٰ سے عشق کی صورت میں ہے تو یہ سہارا سب سے قوی ہوتا ہے اور درویشی کی منازل طے کرنے کے لئے اس سہارے کا ہونا نہایت ضروری ہے اور درویشی میں اللہ تعالیٰ کا قرب ہی ملنجائے مقصد ہوتا ہے۔ جس کی تلاش میں اور جس کے دھیان میں رہنا انتہائی اعزاز ہے۔ اور جب بندہ اس اعزاز سے مشرف ہو جائے تو اُسے کسی سے مدد مانگنے یا کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اُس کی تمام ضرورتیں اللہ تعالیٰ خود پوری فرما دیتا ہے کہ وہ ہر ایک کے دل کی حالت اور اُس کی تمام ضروریات سے آشنا ہے۔ اور جب ضرورتیں پوری کرنے والا اس قدر مہربان ہو تو اُس کا شکر ادا کرنا اُس کے سامنے جھکنا اور اُس کی حمد و ثنا کے فرائض سے کوتاہی یقینی طور پر باعث شرمندگی ہے۔ کہ اسی شرمندگی سے بچنے کے لئے ہم ہر لمحہ اپنے اللہ کے رحم و کرم کے محتاج ہیں۔ اور جب ہر لمحہ یہی صورتِ حال ہو تو پھر ایک حصارِ بے کنار سے باہر کا تصور بھی انسانی سوچوں سے اس قدر بالا ہو جاتا ہے کہ الفاظ بھی اُس کی ترسیل کی ذمہ

داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے اور پھر اسی کیف و سرور میں قُرب کی لطافتوں سے کشید کردہ رعنائیوں کا وجد اپنے عروج کو پہنچتا ہے جہاں انسان کو اس حوالے سے اپنے آپ پر رشک ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے رب کی پناہ میں ہے۔

سلطان باہو اپنے ایک دوہڑے میں فرماتے ہیں۔

دُدّھ دہیں تے ہر کوئی رِڑکے عاشق بھاہ رِڑکیندے ہُو
تن چٹورا، من مندھانی، آہیں نال ہلیندے ہُو
دُکھاں نیترا کڈھ لسکارے غم دا پانی پیندے ہُو
نام فقیر تنہاں دا جیہڑے ہڈّوں مکھن کڈھیندے ہُو!

(سلطان باہو

(119)

طالب ترے دیداردا!

پوتھی کھول دکھا بھائی باہمنا
پیارا کدوں ملیسی ساہمنا
بن کاہی بیلا سبھ پھلیا
درد ماہی دا در در ہلیا
جھک رہیاں نی عشق پلاہماں

ویکھو کیڈے میں پاڑے پاڑدی
نیں لنگھدی ناگ لتاڑدی
نت سُتیاں شینہاں لانگھنا

میری جند اتے دل ہو رہی
مینوں روگ نہ ہوندا کو سہی
نت اُٹھ بیلے دل ترانگھنا

نت شاہ حسین پکاردا
طالب تیرے دیدار دا
اک تک اساں دل جھاکنا

الفاظ و معنی:

پوتھی ـــــ فال نکالنے والی کتاب یا علم قیافہ کی کتاب

کاہی——ایک قسم کی جھاڑی

پھلیا——پھولا پھلا۔ بہار پر آنا۔ جوان ہونا۔ پُر شباب

بُلیا——چھایا۔ پھیلا

عشق پلا ہمناں——پیار محبت کی شاخیں، ٹہنیاں

پاڑے پاڑدی——جتن کرنا۔ کوشش کرنا

نیں——ندی۔ دریا

لنگھدی ناگ لتاڑدی——پاؤں تلے زہریلے سانپوں کو کچلتے ہوئے گزرنا۔
مراد نہایت ہی کٹھن مراحل سر کرنا

سُتیاں شینہاں الانگھنا——سوئے ہوئے شیروں کے اوپر سے گزرنا

اتے ول——اُس کی طرف

روگ——دُکھ

کو——کوئی

ترانگھنا——دیکھنا

اک تک——ایک پل

ترجمہ:

اے برہمن فالنامہ کھول کر تو دکھا کہ میرا محبوب سے کب سامنا ہوگا۔ اور کب مجھے اُس کے پیار کی نعمت عطا ہوگی۔ جنگل میں بھی بہار اپنا آپ دکھارہی ہے محبوب کی محبوبیت ہر طرف چھائی ہوئی ہے اور عشق کی شاخیں اپنے ثمر کے بار سے جھکی ہوئی ہیں یعنی ہر طرف عجیب سا دلکش منظر ہے۔ محبوب کے وصل کی خاطر مُجھے کیا کیا اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں یعنی کبھی سانپوں کو پاؤں تلے کچلنا پڑا ہے تو کبھی شیروں کو پھلانگ کر منزل مقصود کی جانب بڑھنا پڑا ہے۔ میری زندگی اُسی کی ہے مجھے اس کے سوا اور کوئی روگ نہیں کہ میں بھری بہار کو حسرت سے دیکھتا رہتا ہوں اور ہمیشہ اپنے محبوب کو پکارتا رہتا ہوں

میں اُسے دیکھنے کا متمنی ہوں کاش وہ ایک بار ایک پل کے لئے ہی اپنی جھلک دکھادے۔

تشریح:

جب کبھی اپنی ذات سے باہر کوئی خوشگوار تبدیلی رونما ہوتی ہے تو کسی ذات پر اُس کے اثرات مرتب ہونا قدرتی امر ہے۔ خاص طور پر جب محبوب سے ملنے کی خواہش اپنی شدت کے اعتبار سے عروج پر ہو۔ اور محبوب بھی وہ جو تمام اوصاف حمیدہ کا مالک ہے۔ جس کا ہر وصف اُس کے عاشق کے لئے نعمت ہے ——— محبوب کی طلب کبھی کچھ کبھی کچھ سُجھاتی ہے اور محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی سبیل تلاش کی جاتی ہے۔ جو دل کے زخم پر مرہم کا کام بھی کرتی ہے اور ایک تشفی سے بھی ہمکنار کرتی ہے چاہے وہ فال نکالنا ہو یا کسی کی ہمدردی کے وہ بول جو محبوب کے جلوہ نمائی کے بارے میں ہوں ان تمام محرکات سے محبوب کے ملنے کی آس قوی ہو جاتی ہے اور آنکھیں ہر منظر میں اُس کے عکس کی متلاشی رہتی ہیں۔ عاشق ہر جگہ ہر مقام پر اپنے محبوب کا پرتو دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اُس کی آرزو اس لئے بھی پوری ہو جاتی ہے کہ اس کا محبوب اُس کے اپنے وجود کے روم روم میں موجود ہوتا ہے اُس کی آنکھوں کی پتلیوں پر اُس کے خطوط نقش ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عاشق کو ہر سو محبوب کی محبوبیت کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں ——— یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی عشق کی بے تابیاں اپنی جگہ کہ عشق وہ کچھ کر دکھانا چاہتا ہے جو اُس کا محبوب چاہتا ہے۔ جس کے لئے ایک عاشق کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کی چھوٹی چھوٹی خواہش کا بھی احترام کیا جائے اور اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دیا جائے ——— اس کے لئے جو مراحل طے کرنا ضروری ہوتے ہیں اُن سے کوتاہی ناکامی کا سبب بن سکتی ہے اس لئے پوری توجہ تن دہی اور خلوص سے اُن تقاضوں کا پورا کرنا ضروری ہے جن کے تحت محبوب اپنے جلووں سے فیض یاب ہونے کے مواقع فراہم کرے۔ اور یہ تقاضے اُس آس سے بندھے ہوتے ہیں جو بار بار عاشق کے دل میں چٹکیاں بھرتی ہے اور اُسے محبوب کی جستجو میں ادھر ادھر بھٹکاتی پھرتی ہے۔

شاہ حسین مذکورہ کافی میں مندرجہ بالا صورتِ حال سے یقیناً نبرد آزما ہوئے ہوں گے کہ اس میں وہ قریب ہو کر آس کو چھوتے ہیں اور ان کے چھونے سے آس تھوڑی سی اور دور ہو جاتی ہے شاہ حسین دوبارہ یہی عمل دہراتے ہیں، ردِعمل پھر وہی ہوتا ہے۔ جو دیدارِ یار کی شدت میں اضافے کا باعث بنتا چلا جاتا ہے مگر اُنہیں یقین ہے کہ ایک وقت ضرور آئے گا اور بہت جلد آنے والا ہے جب محبوبِ حقیقی، جس کی طلب میں بھی سرور ہے، سے سامنا ہوگا اور اُس کی جلوہ افروزیاں اپنی نورانی پھواروں سے ہر عاشقِ حقیقی کو پُرنور کر دیں گی۔ اور وہ کلفتیں جو رگ و پے میں کانٹوں کی طرح رواں دواں ہیں، اختتام پذیر ہو جائیں گی۔ بے شک وہ وقت دور نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آرزوئیں پوری فرماتے ہوئے انہیں اپنے قرب سے نوازے گا۔

(120)

دُنیا چھوڑ آخر مر جانا!

من اٹکیا بے پرواہ نال، اوہ دین، دُنی دے شاہ نال
قاضی، مُلا متیں دیندے، کھرے سیانے راہ دسیندے
عشق کیہ لگے راہ نال
ندیوں پار رانجھن دا ٹھانا، کیتا قول، ضروری جانا
منتاں کراں ملاح نال
کہے حسین فقیر نمانا، دنیا چھوڑ آخر مر جانا
اوڑک کم اللہ نال!

الفاظ و معنی:

من اٹکیا ——— دل لگا۔ عشق ہوا
بے پرواہ نال ——— بے نیاز سے۔ رب العالمین سے۔ اللہ سے۔ محبوب حقیقی سے
دین دُنی ——— دین اور دنیا
شاہ ——— مالک۔ مختار۔ بادشاہ
متیں دیندے ——— مشورہ دے رہے ہیں۔ سمجھا رہے ہیں
کھرے سیانے ——— سچے صاف ستھرے۔ درست، سیدھے۔ واضح۔ صحیح
دسیندے ——— دکھانا۔ نظر آنا

ٹھانا ——— ٹھکانہ۔بسیرا

قول ——— وعدہ

اوڑک ——— آخر

ترجمہ:

اُس بے نیاز سے مجھے عشق ہو گیا ہے جو دین و دنیا دونوں کا مالک ہے، قاضی، مُلا وغیرہ مجھے راستے سمجھا رہے ہیں کہ جن راستوں پر چل کر منزلِ مقصود حاصل ہو سکتی ہے مگر عشق کو ان راستوں سے کیا کہ وہ تو ان راستوں سے بے پرواہ ہے۔

ندی کے پار محبوب حقیقی کا ٹھکانا ہے اور ہمیں وہاں جانا ہے۔ اس لئے ہم ملاح (ملک الموت) کی منتیں کر رہے ہیں کہ ہمیں اس ندی سے پار لے جائے ندی جو کہ دنیا ہے۔

شاہ حسین عاجز کہہ رہا ہے کہ اس دنیا کو آخر کار ہر ایک نے چھوڑ کر جانا ہے یعنی موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہے اور ہمیں اپنے اللہ ہی سے کام ہو سکتا ہے یعنی ہمارا تعلق واسطہ صرف اور صرف ہمارے رب سے رہنے والا ہے باقی تمام تعلق باطل ہیں اور وقتی ہیں۔

تشریح:

کئی ایک کافیوں میں شاہ حسین مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ سے عشق کا اظہار کر چکے ہیں عشق جو ایک ایسا تعلق ہے جس میں تقدس کی معراج اور خواہشِ نفسانی کی تباہی بیک وقت دو مختلف سمتوں کا سفر ضروری ہو جاتا ہے۔ اور انسان یہ دونوں سفر اتنی تیزی سے کرنے کا خواہاں ہوتا ہے کہ اُس کے اردگرد کے ماحولیاتی اثرات اُس پر مرتب ہی نہیں ہو پاتے یعنی دنیاوی معمولات اُس پر اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ اپنے محبوب کا ورد کرتے ہوئے اُس سے ملنے کی خلش میں اُن راستوں کی تھکن اور ناہمواریوں سے قطعاً بے خبر اپنے اللہ کی طرف رجوع کئے ہوئے اُس کے قرب کی آرزو میں مگن اُسے پکارتا چلا جاتا ہے۔ اور اُس کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

روز ازل سے یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر شے کو فنا ہے سو ایک نہ ایک دن مرنا ہر ایک کا مقدر ہے۔ جس سے کسی بھی طرح چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔ گویا ہم سب نے اپنے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے کہ اُس کے ساتھ ہمارا واسطہ ازلی اور ابدی ہے۔ ازل اور ابد کے درمیانی اوقات جو ہماری زندگی کے لمحات کے نمائندہ ہیں۔ اُس میں ہمارا کردار کیا رہا ہے یہ ہم سے پوچھا جائے گا اور اس میں کوئی ایک بات بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔ اور ہمارے لئے ہمارا رب جو فیصلہ فرمائے گا اُس میں کسی بھی قسم کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی اپنی رضا اور رحمت کے حوالے سے۔

جو لوگ اللہ سے لَو لگائے ہوئے ہیں وہ کبھی دین و دنیا کے تقابل کی میزان میں اپنے آپ کو تولنے کے عادی نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف اپنے رب کی رضا پر راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بہتریاں کرنے والا ہے۔

مندرجہ بالا کافی کی ابتدا میں شاہ حسین اللہ تعالیٰ کے وصف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وصفِ بے نیازی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے لہٰذا بندے کی اپنے اللہ سے اُمیدیں اور مان اپنی جگہ مگر اُس پاک پروردگار کی رضا اور مرضی اپنی جگہ —— چونکہ وہ ہر شے سے واقف ہے اور ہر آئندہ سے باخبر ہے اس لئے اس خیال کا ذہن میں آنا بھی ہماری بھلائی میں ہے کہ اللہ کریم اپنے حکم سے جلدی یا بہ دیر ہماری جائز خواہشات کو پورا فرما دے گا۔ اور انسانی سوچوں میں سے ایک سوچ کے مطابق اللہ کی بے پرواہی کا ایک جواز یہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ جو اس کافی کے حسن کو دوبالا کئے ہوئے ہے۔

(121)

سُولاں سیتی ماس نی!

آکھ نی مائے، آکھ نی، میرا حال سائیں اگے آکھ نی
پریم دے دھاگے انتر لاگے، سُولاں سیتی ماس نی
نج جیندیئے بھولیئے مائے، جن کر لایو پاپ نی
کہے حسین فقیر نمانا، جاندا مولا آپ نی

الفاظ و معنی:

آکھ ——— کہہ دے
سائیں ——— اللہ تبارک تعالیٰ۔ مالکِ کُل
اَنتر ——— باطن میں۔ اندر
سُولاں سیتی ماس ——— مراد کانٹوں سے چھلنی
جیندیئے ——— پیدا کرنا۔ جنم دینا
بھولیئے ——— انجان۔ بے خبر۔ سیدھی سادھی
جن کر ——— جنم دے کر۔ پیدا کر کے
لایو پاپ ——— گناہ گار بنا دیا

ترجمہ:

اے میری ماں تو ہی میرے دل کی حالت پر میرے مالک سے کہہ دے کہ اُس کے عشق کے دھاگوں سے میں اپنے اندر کے زخم سیئے ہوئے ہوں، اُس کی آرزوؤں کے کانٹے میرے وجود میں پیوست ہو چکے ہیں۔ کاش تُو مجھے پیدا نہ کرتی اور میں اس دنیا میں آ

کر اس دنیا کی گندگی سے آلودہ نہ ہوتا۔ شاہ حسین کہتا ہے کہ پاک پروردگار تمام حال سے با خبر ہے۔

تشریح:

ماں ذریعہ ہے آرزوؤں کی تکمیل کا، وسیلہ ہے دعاؤں کی قبولیت کا اور منبع ہے تسلیوں کا۔ اس لئے جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے یا انسان کسی کرب زار میں گھرا ہوا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بعد اپنی ماں کی طرف لپکتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط ماں کا رشتہ ہے جو ہمیں یقین مہیا کرتا ہے کہ ماں ہی ہمیں ہماری پریشانیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ کہ اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ پُر تاثیر دعائیں اور سچا جذبہ موجود ہے جو حُب سے گندھا ہوا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اسے بڑا وقار حاصل ہے ——— لہٰذا اولاد کی زندگی کی تمام تر صعوبتوں کے ازالے کے لئے ماں ہی ہے جو اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتی ہے۔ اور یوں اپنے رُتبے کی شان کو مزید دوبالا کرتی چلی جاتی ہے۔

ہم آپ اپنی زندگیوں میں دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ ماؤں نے اپنی قربانیوں سے اولاد کے لئے کیا کیا مرحلے سر کئے اور کیسی کیسی دعاؤں سے زندگی کی کایا پلٹ دی۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رب العزت کے بعد اگر کسی پر سب سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہیے وہ ماں ہی ہے لہٰذا شاہ حسین نے اسی وساطت سے اپنے خالق حقیقی کی توجہ چاہی ہے کہ یہ وسیلہ سب سے زیادہ قوی ہے۔ اور اس وسیلے کی رسائی یقینی ہے۔

یاد رہے کہ شاہ حسین اپنی اس کافی میں یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اے ماں تو نے کیوں کہا کہ میں اس دنیا کی گندگی سے آلودہ ہو رہا ہوں مجھے آلائشوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ جب کہ میرے دل میں اپنے رب سے سچے عشق کی جوت جل رہی ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اُس کی حمد و ثنا اور اُس کی عبادت کے بغیر بے معنی ہوں۔

مجھے اُس کے پریم کے سوا اور کچھ سُوجھتا ہی نہیں۔ مگر میرا جسم جیسے کانٹوں میں پرو دیا گیا ہے بیرونی عوامل نے میرے جسم کو نخچیر کیا ہوا ہے۔ اے ماں تو میرے اندر کی حالت سے واقف ہے کہ ہر ماں اپنی اولاد کی ہر اچھائی بُرائی سے واقف ہوتی ہے۔ اور اولاد کی بُرائیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اچھائیوں کو اُجاگر کرتی ہے۔ بے شک میرا اللہ میرے ہر حال سے واقف ہے مگر اے ماں تو میرا حال میرے مالک کو بتا اور اُسے کہہ کہ میں اُس کے عشق میں پاگل ہوں مجھے اُس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ اپنی رحمتوں کے نزول سے مجھ پر رحم فرمائے اور اپنے قرب و دیدار کی سعادت نصیب کرے۔

اس کافی کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ جو مرزا غالب کے ایک شعر کے حوالے سے ملاحظہ فرمایئے اور اپنے دل و نظر کو گرمایئے۔

نہ تھا کچھ تو خُدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خُدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا!

(مرزا اسد اللہ خان غالب)

(122)

تُو ہی سارا جگ ہے!

تسیں مت کرو گمان، جو بن دھن ٹھگ ہے
ہنساں دے بھلاوے بھلی، جھولی لِتا بگ ہے
پُبن پتّر، اپّر موتی، تُو ہی سارا جگ ہے
نِندیا دھروہ، بخیلی، چغلی، کردا پھردا ٹھگ ہے
کہے حسین سے ای جگ آئے جیہناں پچھاتا اگ ہے

الفاظ و معنی:

گمان ــــ غرور۔ گھمنڈ

دھن ــــ دولت

ہنساں دے بھلاوے ــــ ہنسوں کے دھوکے میں

بگ ــــ بگلا

پُبن پتر ــــ کنول کا پتہ۔ نیلوفر

نندیا ــــ مذمت۔ ملامت۔ بےعزتی

دھرو ــــ دھوکا۔ فریب

بخیلی ــــ کمینگی

پچھاتا اگ ــــ آگے کو پہچانا۔ آئندہ کے بارے میں آگاہ ہونا

ترجمہ:

اے بندے تو زعم اور غرور نہ کر کہ یہ جوانی اور دھن دولت تیرے ساتھ دھوکا کر

رہے ہیں یہ اپنے لالچ میں تجھے اُس راستے سے دور لے جائیں گے جس پر چل کر تو اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے ہنسوں کے دھوکے میں بگلوں کو اپنا لیا۔ یعنی نقلی چیزوں کو دل سے لگا لیا۔ کنول کے پتے پر اوس کے موتی کی طرح دنیا ہے۔ یعنی دھوکا ہے کہ موتی بھی اصلی موتی نہیں ہوتا ــــــــ سلامت، دھوکا، کمینہ پن، چغلی غرض ہر طرف ہر کوئی اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کو ٹھگتا چلا آرہا ہے۔

شاہ حسین کہہ رہا ہے کہ وہ ہی لوگ دراصل دنیا میں آئے ہیں جنہوں نے اپنے آئندہ کو پہچانا یعنی اپنی عاقبت کی طرف دھیان دیا اور نیک اعمال کیے۔

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہیں، زندگی ختم ہونے والی ہے اور دنیا کا جواز زندگی سے ہے لہٰذا زندگی کا خاتمہ دنیا کے ناتے کی دلیل بن کر ابھرتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف انسان اپنی جوانی اور دھن دولت کے چکر میں اور نفس کے تابع ہوتے ہوئے اُن مکروہات کا شکار رہتا ہے جو کبھی انسان کو نیکی کی طرف نہیں آنے دیتے اور ایسے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے جو انسان کو اُس کی اپنی سطح سے اتنا نیچے گرا دیتے ہیں کہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مفاد کی خاطر اپنے متبرک رشتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتا ایسی صورت میں اللہ کی یاد سے بیگانہ ہو کر اپنی عاقبت تباہ کرتا ہے، اس کے برعکس وہ لوگ بہترین زندگی گذار رہے ہیں جو عجز و انکسار کو اپناتے ہوئے اپنے اللہ کے سامنے جھکتے اور اُسی کی مدد سے منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ کہ اُس کی مدد سے وہ تمام منفی عوامل انسان کا پیچھا کرنے سے باز رہتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کبھی ناکامی کا سامنا کر سکتا ہے۔ اور انسان کے اعمال میں سے یہ عمل انسان کی عاقبت کے مثبت ہونے کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہمیشہ رحم فرماتا ہے۔

بے شک دُنیا ایک شبنم کا قطرہ ہے اور شبنم کے قطرے کی حقیقت سے کون واقف نہیں پھر بھی اسے سچا موتی مان لینا خود فریبی نہیں تو کیا ہے۔ اور جو لوگ اس حقیقت سے آشنا

ہیں دراصل وہی فلاح پانے والے ہیں کہ وہ دنیا کے دھوکے میں نہ آئیں گے اور اپنے رب کی خوشنودی و رضا کے لئے اپنے نیک اعمال کو اُس کے دربار میں اُس کے حضور پیش کرتے ہوئے نہ شرمائیں گے۔

زندگی دا وساہ نہیں، سمجھ فریدآ توں
کر لے اچھے عمل تے ہوجا سر نگوں!

(بابا فرید الدین گنج شکرؒ)

(123)

میرا سوہنا سجن گھر آیا ای!

تسیں رل مِل دیو مبارکھاں، میرا سوہنا سجن گھر آیا ای
جس سجن نوں ڈھونڈدی وتاں، سو سجن میں پایا ای
ویہڑا تاں میرا بھیا سہاونا، ماتھے نور سُہایا ای
کہے حسین فقیر نمانا، مُرشد دوست ملایا ای

الفاظ و معنی:

رل مِل ——— اکٹھے ہو کر۔ مِل جُل کر
دیو مبارکھاں ——— مبارکیں دیں
وتاں ——— پھروں
ویہڑا ——— آنگن۔ صحن
بھیا ——— ہُوا
سہاونا ——— خوبصورت، پُر رونق
ماتھے نور سُہایا ——— ماتھا منور ہوا۔ پیشانی روشن ہو جانا۔ انتہائی خوشی کی علامت (مقدر کا روشن ہونا بھی مراد لیا جا سکتا ہے)

ترجمہ:

اے دوستو مجھے مبارکیں دو کہ میرا محبوب میرے گھر آیا ہے میں جسے ڈھونڈ تھکا تھا میں نے اُسے پالیا ہے۔ میں کامیاب ہو گیا ہوں میرے گھر کا آنگن پُر رونق ہو گیا ہے اور میرے ماتھے پر خوشی اور کامیابی کی چمک پیدا ہو گئی ہے شاہ حسین عاجز کہتا ہے کہ میرے

مرشد نے محبوب ملا دیا ہے۔

تشریح:

کوئی بھی شے جو انسان کو پیاری ہو اُس کا مل جانا یقینی طور پر باعثِ خوشی ہے۔ اور محبوب جو تمام اشیاء سے پیارا ہوتا ہے اُس کے ملنے کی خوشی کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ یہ خوشی وہ خوشی ہے جو لفظوں میں پروئی نہیں جا سکتی۔ اور اگر الفاظ اس خوشی کے متحمل ہو سکیں تو انسان اپنی باطنی کیفیات کی ترسیل پر پوری طرح قابو پانے میں کامیاب ہو جائے۔ بہر حال محبوب کا ملنا نصیب والوں کے حصے میں آتا ہے۔ اور جن کا محبوب وہ ہو جو نور ہی نور ہو اور جس کی محبوبیت کی لطافتوں سے بہاریں جواں ہوتی ہوں موسموں میں خوشگواریت کا حسن گھل جائے اور ہوائیں معطر و مترنم ہو کر ہری بھری شاخوں سے شوخیاں کرنے لگ جائیں اُس کی خوشی کا ٹھکانہ کیا ہو گا اور جو کوئی اس محبوب سے عاشق کے وصال کا سبب پیدا کرنے کی راہ ہموار کرنے کا اہل ہو گا اُس کا مقام بھی احاطۂ فکر میں آنا ممکنات میں سے نہیں ہو گا اور وہ راہبر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کی وساطت سے ہم اپنے محبوبِ حقیقی، مالکِ کون و مکاں اور اپنے رب کو پہچان سکے اور اُس کی عبادت، حمد و ثنا اور ذکر سے اُس کے قُرب کے سُرور سے فیض یاب ہو سکے۔

آیئے ہم سب درُود مبارک کے ورد سے اپنے اللہ کی رحمتوں کے حق دار بن جائیں کہ

اُسی ﷺ کے رُوپ سے کون و مکاں میں رعنائی
اُسی ﷺ کی یاد سے عرشِ بریں منور ہے

(یوسف مثالی)

(124)

کاگ پیا لے جائی!

سائیں بے پرواہ! میںڈی لاج تو پر آئی
چونہہ جنیاں تیری ڈولی چکی، ساہورڑے پہنچائی
تند ٹٹی، اٹیرن بھنا، ترکلڑے ول پائی
بھوندیاں جھوندیاں چھلی کتی، کاگ پیا لے جائی
رات اندھیری، گلییں چکو، ملیا یار سپاہی
کہے حسین فقیر نمانا، ایہہ گل سُجھدی آہی!

الفاظ و معنی:

میںڈی لاج ——— میری آبرو۔ میری عزت، میرا مان، بھرم
تو پر آئی ——— تجھ پر ہے
چونہہ جنیاں ——— چار لوگوں نے
ساہورڑے ——— سسرال
تند ——— ڈوری
ترکلڑے ——— تکلا۔ چرخے میں استعمال ہونے والا ایک پُرزہ
ترکلڑے ول پائی ——— تکلے کے گرد لپٹ گئی
بھوندیاں جھوندیاں ——— کرتے کراتے، آخرکار۔ بڑی کوششوں سے۔
بل کھاتے ہوئے
چھلی کتی ——— دھاگے کا تکلے پر لپیٹا جانا اور بھٹے نما شکل اختیار کر لینا

مکمل ہونا مراد

کاگ ـــــ کوا

پیا ـــــ چھپٹا

گلیئیں چکڑ ـــــ کیچڑ آلود گلیاں۔ دلدل نما گزرگاہیں

سُجھدی ـــــ سجھ آتی

ترجمہ:

اے میرے بے پرواہ مالک میری عزت اب تیرے ہاتھ میں ہے۔ کہ میں تیرے کہنے کے مطابق زندگی میں وہ کام نہ کرسکا جو مجھے کرنا چاہیے تھے اور تیرے حکم کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا رہا اگر کوشش کر کے کبھی کوئی ایسا عمل کیا کہ جس سے تو خوش ہو سکے اُسے بھی میرے تکبر و مفاد پرستی اور بدنیتی نے برباد کر دیا۔ اب میری میتؒ اُٹھا کر چار آدمی مجھے اندھیری قبر میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اور آگے کا راستہ دلدل نما ہے جس پر چلنا مشکل ہے۔ اور مجھے یہی فکر ہے کہ میں اس مشکل ترین راستے (پل صراط) سے کیسے گزر سکوں گا۔

تشریح: بے پرواہی شان ہے رب العزت کی اور ہماری عزت رکھنا اور ہمارا مان بڑھانا بھی اُسی قادرِ مطلق کا کام ہے جو اُس کی مرضی پر منحصر ہے۔

انسان آج جو کچھ کر رہا ہے اپنے اُس فائدے کے لئے کر رہا ہے جو وقتی ہے اور صرف اُس کی دنیاوی زندگی تک کا ساتھی ہے یہ زندگی جو مختصر ترین ہے۔ اور انسان کے حاصل کردہ تمام فوائد اسی دنیا سے اخذ شدہ ہیں اور اسی دنیا کی خوراک بننے والے ہیں البتہ زندگی کے اس حصے میں جو دنیا میں گزارا جا رہا ہے کئے گئے وہ نیک کام جو اللہ کی رضا کے لئے اور اُسی کے حکم کی تعمیل میں ہوں گے، وہی انسان کے لئے بہترین اثاثہ شمار کئے جائیں گے اور انہی کے سبب ہم اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو سکیں گے۔ اور اگر یہ وقت بغیر نیک اعمال کے گزر گیا جیسا کہ ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ہم نے کون سی راہ اپنائی ہوئی ہے تو ہم

اللہ کے رحم و کرم کے حق سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔ اور اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ بجائے اس کے کہ ہم بُرائی اور گناہ کرنے کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں ہمیں چاہیے کہ ہم نیکی کا کوئی موقع ضائع نہ کریں۔ کہ یہ توفیق ربی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کا حاصل ہونا انسان کے آئندہ کے لئے آسانیاں پیدا ہونے کی دلیل ہے۔ یہ آئندہ ہماری طبعی زندگی کا ہی آئینہ نہیں بلکہ اُس زندگی کا بھی عکاس ہے جو ہماری موت کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ اور آج جو کچھ ہم کر گزریں گے کل اُسی کے ثمرات ہمارے سامنے ہوں گے ——— سیدھی سی بات ہے۔ بھلائی کر بھلا ہو گا۔ بُرائی کر بُرا ہو گا، تو کیوں نہ اچھائیوں کو جمع کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں کہ ہمارے پاس اگلے سفر کے لئے کچھ زادِ راہ ہو کہ ہم اپنا سفر آسان کر سکیں، اُن صعوبتوں سے بچ سکیں جو ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

•

بابا فرید فرماتے ہیں۔

سوہرے ڈھوئی نہ ملے، پیئے ناہیں تھاؤں
پر واتڑی نہ پچھے، دھن سوہاگن ناؤں!

(بابا فرید گنج شکرؒ)

آیئے اپنے آئندہ کو سنواریں اور مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کے لئے جھک جائیں اپنے اللہ کے حضور جو ہم سب کی خطائیں معاف فرمانے والا ہے اور در گزر کرنے والا ہے۔ کہ ہمارا وہی سہارا ہے اور آسرا ہے اگر اُس نے منہ موڑ لیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے!

(125)

رانجھن میرے سنگے!

میندی دل رانجھن راول منگے
جنگل، بیلے پھراں ڈھونڈیندی، رانجھن میرے سنگے
مینہیں آئیاں، میرا ڈھول نہ آیا، ہیر کوکے وچ جھنگے
راتیں ڈینہیں پھراں وچ جھل دے، پُرن بولاں دے کنڈے
کہے حسین فقیر نمانا، رانجھن ملے کت ڈھنگے

الفاظ و معنی:

میندی ——— میری
راول ——— محبوب۔ ماہی
رانجھن میرے سنگے ——— محبوب میرے ساتھ ہے
ڈھول ——— محبوب۔ چاہنے والا
کوکے ——— پکارے۔ کراہے
جھل ——— جنگل
پُرن بولاں دے کنڈے ——— کیکر کے درختوں کے کانٹے چُبھیں
کت ڈھنگے ——— کس طرح۔ کیسے۔ کس طریقے سے

ترجمہ:

میرا دل میرے محبوب کی خواہش میں بے تاب ہے اور ہر وقت اُس کی طلب میں رہتا ہے۔ میں اُسے جنگل جنگل تلاش کرتا رہتا ہوں مگر وہ ہر پل میرے ساتھ ساتھ ہے، میری

روح کی پکار پر بھی میرا محبوب نہیں آیا بس اُس کی یادیں آرہی ہیں، میں رات دن جنگل میں اُس کی تلاش میں رہتا ہوں جس کی وجہ سے کیکر کے کانٹے جو نہایت تیز اور تیکھے ہوتے ہیں میرے وجود میں پیوست ہورہے ہیں نجانے میرا محبوب مجھے کس وقت اور کیسے ملے گا۔

تشریح:

عشق میں سب سے بڑی کامیابی محبوب کا وصل اور اُس کی توجہ ہے۔ جس کی شدت میں کمی کا تصور نہیں بلکہ اس شدت میں ہمیشہ اضافہ ہی اضافہ ہوتا ہے۔ شعوری سطح پر انسانی زندگی کا کوئی بھی حصہ عشق میں مبتلا ہوتے ہوئے محبوب کے قُرب کی کشش کی شدت سے نہیں بچ سکتا۔ اور اس کے لئے عاشق سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ کر گزرتا ہے جس کی نشاندہی شاہ حسین کی مذکورہ کافی میں بھی کی گئی ہے کہ محبوب کی تلاش میں وہ جنگل جنگل گھومنا۔ اور اپنے پاؤں کانٹوں سے چھلنی کر لینا اور ایسے طور طریقے اپنانا کہ محبوب کو دیکھنے کی کوئی نہ کوئی سبیل ہو سکے۔ یہ سارے کام وجدانی کیفیت میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں ہو سکتے اور یہ کیفیت سچے عشق کا خاصہ ہے، سچا عشق تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب اس کے مقابل انتہائی طاقت اور سچائی ہو جو عشق میں اپنی ایسی کشش بھر دے کہ اُس کے باطل ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں کہ عشق باطل ہو جائے تو عشق نہیں رہتا۔ اس لئے عشق کی حیثیت کو برقرار رہنے کے لئے اُسے سچائی کا مرہونِ منت رہنا ہوتا ہے اور وہ سچائی ہے رب العالمین کے حسن کی۔ اُس کی رعنائیوں کی، اُس کی بے پناہ رحمتوں اور عنایتوں کی۔ جس کے حصول کے لئے انسان کو ایک طریقہ کار وضع کرنا ہوتا ہے جو اُس کے رب کو پسند آجائے اُسے قبول ہو ——— اور وہ طریقہ کار اللہ کی رضا اور عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی انسان کے عشق کی آمیزش سے وجود میں آتا ہے جس پر چل کر درویش و نیکوکار لوگ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کامیابیاں عطا کرنے والا ہے اور اُسی کی رحمتوں سے ہر بندے کو یہ توفیق ملنے والی ہے۔ اور اسی توفیق اور کامیابی کے حصول کی کوشش میں عبادت ہے۔ جو باعثِ سکون اور تشفی کا سبب ہے۔

(126)

سبھ دنیا جاندی ڈُٹھی!

انی سیو نی! میں کت دی کت دی ہُٹی

اتن دے وچ گوہڑے رُلدے، ہتھ وچ رہ گئی جُٹی

سارے ورھے اک چھلی کتی، کاگ مریندا اُٹھی

سیجے آواں، کنت نہ بھاواں، وگ گئی قلم اُٹھی

بھلا بھیا، میرا چرخا بھنا، میری جند عذابوں چھُٹی

کہے حسین فقیر سائیں دا، سبھ دنیا جاندی ڈُٹھی

الفاظ و معنی:

انی ــــــ اے۔ کلمہ مخاطب

ہُٹی ــــــ تھک گئی۔ بے زار ہوگئی

اتن ــــــ (ترنجن) عورتوں کا اکٹھا ہو کر ہر ایک جگہ چرخہ کاتنا۔ چرخہ کاتنے کی جگہ

گوہڑے ــــــ روئی کا گالا۔ جو کاتنے کے لئے بنایا جاتا ہے

رُلدے ــــــ بکھرے ہوئے۔ بے کار پڑے ہوئے

سارے ورھے ــــــ سارا سال

مریندا اُٹھی ــــــ چیلنا چاہتا ہے

سیجے آواں ــــــ سیج پر آؤں

کنت نہ بھاواں ــــــ خاوند کو پسند نہ آؤں

وگ گئی قلم اُٹھی ——— چل گئی قلم اُلٹی۔ مراد تقدیر کا لکھا اُلٹ گیا، جو چاہتے تھے نہ ہُوا۔ خلاف توقع ہونا

بھلا بھیا ——— اچھا ہوا، بہتر ہوا۔ ٹھیک ہوا

بھنا ——— ٹوٹ گیا

چھٹی ——— آزاد ہوئی۔ نکلی۔ علیحدہ ہوئی۔ نجات حاصل کی

ڈھٹی ——— تباہی کی طرف جانا۔ غرق ہونا

ترجمہ:

اے سہیلی میں چرخہ کات کر بے زار ہو گئی ہوں اب میرا چرخہ کاتنے میں دل نہیں لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ روئی کے گالے ادھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں اور میری ان کی طرف کوئی توجہ نہیں سارے سال میں معمولی سا کام کیا وہ بھی نفس کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ محبوب کی خواہش کرتی ہوں مگر میں محبوب کو کیسے پسند آؤں کہ تقدیر کے قلم نے اُلٹ لکھ دیا۔ جو میری خواہش تھی وہ پوری نہیں ہو رہی ——— اچھا ہوا چرخہ ٹوٹ گیا۔ اور میری جان عذاب سے چھوٹ گئی۔ ورنہ مجھے وہی کچھ کرنا پڑتا جو لوگ کرتے آ رہے ہیں اور کرتے جا رہے ہیں کہ ساری دنیا ایک ہی راہ پر نکل کھڑی ہوئی ہے اور وہ راہ ہے تباہی کی۔

تشریح:

چرخہ جو اس کافی میں ایک وجود کے Symbol کے طور پر ہمارے سامنے آیا ہے شاہ حسین اس وجود سے جو فنا ہونے والا ہے روح کی آزادی کی بات کرتے ہوئے ہمیں بتا رہے ہیں کہ اس وجود سے میں شدید بے زار ہوں کیوں کہ میں نے اس سے وہ کام نہیں لیا جو لینا چاہیے تھا یعنی یہ وجود اللہ تعالیٰ کے حضور رکوع و سجدہ سے سرفراز نہیں ہوا اور اس کے ہوتے ہوئے میں نے کوئی ایسا کام سرانجام نہیں دیا جس سے میں اپنے محبوب کی نگاہ میں بلند مرتبہ حاصل کر لیتا جب کہ مختلف حوالوں سے مجھے اس کی تحریک ہوتی رہی اور نیک اعمال کی طرف دھیان جاتا رہا۔ مگر افسوس کہ میں نے اپنے نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اللہ

کو ناراض کرلیا اور اُس کے بتائے ہوئے راستے سے اپنے آپ کو ہٹالیا۔ آج اگر میرا محبوب مجھ پر مہربان نہیں ہے تو اس میں میرا اپنا قصور ہے کہ میرے اپنے عملوں کا کیا دھرا میرے سامنے ہے۔

اب اگر میرا وجود ختم ہو گیا ہے موت کی آغوش میں چلا گیا ہے تو زندگی اور دنیا کے ہاتھوں میں جس عذاب میں تھا اس سے تو چھٹکارا مل گیا ہے، ہو سکتا ہے میں اپنے محبوب کی نظروں میں وقار حاصل کرلوں کہ وہ رحم و کرم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے اور اپنے بندوں کی تقصیروں کو معاف کرنے والا ہے۔ اگر میں مزید زندہ رہتا تو اسی تباہ ہونے والی دنیا کی طرح میں بھی تباہی کے راستے پر نکل جاتا یعنی مزید گناہ گار ہو جاتا اور اپنے رب سے بخشش کا حق دار بننے کی بجائے اُس کے غیض و غضب کا شکار ہو جاتا۔

سلطان باہوؒ کا ایک دوہڑا ملاحظہ فرمائیے جو اس کافی کے پرتو کی جھلک لئے ہوئے ہے:

ہِت اساڈے کھلّے کھاندی ایہا دُنیا زِشتی ہُو
جیں دے کارن بہ بہ روون شیخ مشائخ چشتی ہُو
جنہاں اندر حُب دُنیا دی غرق اُنہاں دی کشتی ہُو
ترک دنیا دی کرتوں باہُو خاصہ راہ بہشتی ہُو

(سلطان باہوؒ)
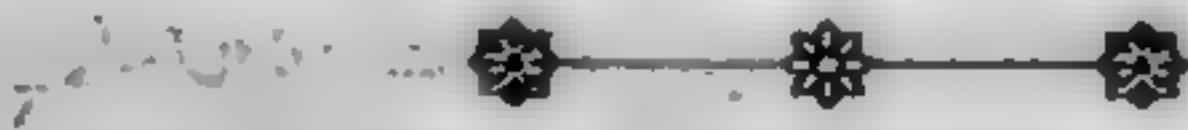
(127)

فانی کل جہان!

محبوباں، فقیراں دا سائیں نگھوان

ظاہر باطن اک کر جانن، مشکل تھیا اسان

شادی غمی نہ دل سے مانن، سدا رہن مستان

کہے حسین سے ای تھر سچے، فانی کل جہان!

الفاظ و معنی:

سائیں نگھوان ــــــ اللہ حافظ و ناصر، نگہبان۔ رکھوالا

تھیا اسان ــــــ آسان ہو جانا

مانن ــــــ تسلیم کرنا۔ مان لینا

مستان ــــــ مست

سے ای ــــــ تو ہی

تھر ــــــ باقی۔ قائم

ترجمہ:

محبوب اور فقیروں کا اللہ تعالیٰ رکھوالا ہے۔ وہ ہمیشہ ان کی نگہبانی کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ ظاہر و باطن کو ایک رکھتے ہیں۔ جو کچھ ان کے باطن میں ہوتا ہے وہی ظاہر میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ لوگ منافقت سے بہت دُور ہوتے ہیں اس لئے ان کی مشکلیں، مشکلیں نہیں رہتیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔ اور وہ محفوظ رکھتا ہے خوشی اور غم اُن پر اپنے اثرات مرتب نہیں کرتے کیوں کہ وہ اللہ کے ذکر میں مست رہتے ہیں شاہ حسین کا کہنا

ہے کہ وہی لوگ یادرہ جانے والے ہیں باقی سب فنا ہو جانے والا ہے۔

تشریح:

جس کا اللہ نگہبان ہو اُسے دنیا کی کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اللہ اُن لوگوں کا نگہبان ہوتا ہے جو اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں اور اُس کی رضا میں راضی رہتے ہیں کہ وہ اپنے چاہنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اللہ کے چاہنے والے کبھی اپنے دلوں میں بغض نہیں رکھتے اور اُن کا ظاہر و باطن ایک ہی ہوتا ہے کہ وہ منافقین میں سے نہیں ہوتے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُن کی مشکلیں آسان کر دیتا ہے ——— کہ مشکلیں انسان کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ جو ہماری سوچوں کی ناہمواریوں اور غلط ماخذ کے نتیجے میں برآمد ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس طرح سوچیں تو یقینی طور پر کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں کہ ہم مشکلوں کو اپنے لئے شعوری اور غیر شعوری سطح پر کس طرح پیدا کرتے ہیں ——— اس میں سب سے بڑا کردار ہمارا ظاہر و باطن ادا کرتا ہے۔ اگر یہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالف سمتوں پر رواں ہوں تو مشکلیں ہی مشکلیں ہمارے اردگرد جمع ہو جائیں گی اور ہم اُن میں اُلجھ کر زندگی کی تمام تر رعنائیوں کو گہنانے کے ذمہ دار ہوں گے کہ دونوں ہی پہلو ایک دوسرے کی ضد میں کسی کی درستگی کو تسلیم نہیں کریں گے اگر ہمارا دل کسی کو دوست تسلیم نہیں کرتا اور ہم ظاہری طور پر اُسے اپنے مطلب کی غرض سے دوست مان رہے ہیں تو اس میں ہمارے نفس کی شمولیت مکروہانہ انداز میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ یعنی لالچ و حرص اور مطلب پرستی میں ہم دوسرے کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں اور اُس لوبھ کا شکار ہو رہے ہیں جو ہمارے نیک اعمال کو برباد کرنے میں ذرہ بھر بھی رعایت سے کام نہیں لیتا۔ اور یوں ہم اپنے پروردگار کی حکم عدولی کے مرتکب ہوتے ہوئے گناہ گار ٹھہرائے جاتے ہیں اس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں تضاد کس قدر بھیانک روپ دھارے ہوئے ہے اور کسی بھی ایسے انسان کا شیوہ نہیں جو اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں کا مسافر ہو اور اپنے خالق حقیقی سے عشق کا

دعوے دار ہو۔

خوشی و غم دونوں انسانی احساس کی بنیاد پر اپنی شدت برقرار رکھتے ہیں لہٰذا جس کیفیت کو جس سطح پر محسوس کیا جائے گا وہ اُسی قدر اثر انداز ہو گی۔ اور جو اللہ سے لَو لگائے ہوئے ہیں اُنہیں ان کیفیات کا ادراک تو ہوتا ہے مگر ان کے اثرات اُن پر مرتب اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ انتہائی قوی اور رعنا کیف و سرور میں اس قدر ڈوبے ہوتے ہیں کہ کوئی عوامل اُنہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتے یہ انتہائی قوی اور رعنا کیف و سرور اپنے رب کی یاد۔ طلب اور قُرب کی خواہش کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس سے بڑی مستی کیا ہو سکتی ہے ظاہر ہے جو اپنے محبوب کے رنگ میں رنگے جائیں اُنہیں اپنے ارد گرد کی خبر رکھنے کی کیا ضرورت ہے *۔ اور محبوب حقیقی کا رنگ وہ رنگ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ سے پکا، دلکش اور باقی رہنے والا ہے۔

* ذرا انتہا کو چھو کر دیکھئے تو محسوس ہو سکے گا کہ سب کی سب ضرورتیں بھی تو محبوب کی محبوبیت سے سرشار ہونے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ یعنی کسی شے کو پا لینے کی خواہش میں کئی ایک ضرورتیں جنم لیتی ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے انسان کی تگ و دو جاری رہتی ہے۔ مگر منتہائے مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ ہے کسی شے کو پا لینے کی خواہش جو محبوب کی محبوبیت ہی ہے

(128)

تیری ویندی عمر وہُنڑی!

پاندھیا وو! گنڈھ سُنجڑی چھڈ کے نہ سوں
پنڈ سبھو ای چوری بھریا، چھٹے چیر، نہ چُنڑی
دھر جھگڑیندیاں لازم تھیسیں، پھر کر سمجھ اُٹھنڑی
بھنیں چھیریں پانی وہندا، اَج کل بھجے تیری گُنڑی
کہے حسین فقیر سائیں دا، تیری ویندی عمر وہُنڑی!

الفاظ ومعنی:

پاندھیا ــــ اے مسافر
گنڈھ ــــ گٹھری
سُنجڑی ــــ اکیلی۔ خالی۔ بے حفاظت۔ غیر محفوظ
چھڈ کے ــــ چھوڑ کر
پنڈ سبھو ای ــــ ساری دنیا ہی
چوری بھریا ــــ لٹیرا
چھٹے ــــ چھوڑے
چیر ــــ صافہ۔ سر پر لپیٹنے والا کپڑا یا کاندھے پر رکھنے والا کپڑا (مراد مرد)
چُنڑی ــــ دوپٹہ۔ چادر۔ اوڑھنی۔ (مراد عورت)
دُھر ــــ ابتداسے۔ ہمیشہ
لازم ــــ شرمندہ

تھیسیں ـــــ ہوگا

سجھ اتھڑ ی ـــــ سوچ سمجھ۔ عقل سے کام لے

چھیریں ـــــ وہ زمین جو کاشت کار اپنے لئے تیار کرے

پانی وہندا ـــــ پانی بہہ رہا ہے

اَج کل ـــــ مراد ہے ابھی کہ ابھی کسی بھی وقت

بھجے ـــــ گیلی ہو۔ آلودہ ہو

تیری کُنڑی ـــــ تیرے پلو کا کونا، دامن کا کونا

تیری وہندی عمر وہونی ـــــ تیری عمر گزرتی جارہی ہے

ترجمہ:

اے مسافر یہ دنیا چور اور لٹیروں کی جگہ ہے یہاں اپنا سامان دھیان سے رکھ اور اس کو سنبھال کہ یہاں تو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے سوچ سمجھ کر اس دنیا سے گزر کہ تجھے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے کہ تیرے اردگرد کا ماحول تیرے لئے سازگار نہیں نجانے کس وقت یہ تجھے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ شاہ حسین اللہ کے ناچیز بندے کا قول ہے کہ تیری عمر گزرتی جارہی ہے کوئی نیک اعمال کر لے۔ جو تیری بخشش کا ذریعہ بن سکیں۔

تشریح:

اللہ والوں نے دنیا کو آجتک بہتر خیال نہیں کیا جسکی بڑی وجہ دنیاداروں کا رویہ ہے جو اُن لوگوں کیلئے دنیا سے بےزاری کا سبب بنتا ہے جو دنیا کے دھندوں کے عادی نہیں ہوتے یا اس سے متنفر ہوتے ہیں۔ شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں ہمارے سامنے دنیا کا ایک خاکہ پیش کیا ہے جسمیں جو بھی رنگ ہے دنیاوی ہے اور دنیاوی رنگ کی ایک چھینٹ بھی درویشی میں ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ اللہ والوں کا اس آلودگی سے پاک رہنا بےحد ضروری ہوتا

ہے۔اسی لئے وہ ایک طرف ہمیں اللہ کی جانب بلاتے ہیں دوسری طرف ہمیں اتنی دنیا سے دوری کے جواز فراہم کرتے ہیں اور دونوں نیک کام درویشی کے زمرے میں آتے ہیں۔

شاہ حسین کی اس کافی کے سفر پر نکلتے ہوئے ہم کھلی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ سکتے ہیں جو ہمیں وہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جسے شاہ حسین نے اپنے دور میں غیر موافق اور غیر مہذب قرار دیا۔ بہ الفاظِ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ شاہ حسین نے اپنی کافیوں میں ہمیشہ وہ مضامین اپنائے جو انسانی فلاح کے لئے تھے اور اپنی حیثیت میں آفاقی تھے یہی وجہ ہے کہ وہ منظر آج بھی ہمارے اردگرد اُسی طرح اپنی شدت برقرار رکھے ہوئے ہیں اور ہمارے شب وروز پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

زندگی کے اس سفر میں کسی کا کوئی بھروسہ نہیں کسی سے کوئی محفوظ نہیں کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں کہ تمام کی تمام دنیا لٹیروں کی دُنیا ہے۔کوئی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا کہ وہ کیا کر رہا ہے کس کے لئے کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے بس ایک ہی دُھن میں اپنے آپ کو برباد کئے جا رہا ہے اپنے مطلب کے لئے۔اپنے نفس کی تشفی کے لئے،کوئی کام جائز وناجائز کی سطح پر نہیں دیکھا جاتا،کچھ بھی پرکھنے کی سلیقہ مندانہ مہارت حاصل کرنے کی تگ ودو نہیں کی جاتی۔بس سب کچھ لوٹ لیا جاتا ہے۔اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی اپنے محاسبے سے نظر چُرانا ہم لوگوں کا شیوہ بن چکا ہے۔لہٰذا ہم اپنی تیزی سے گزرتی ہوئی عمر کی طرف دھیان ہی نہیں دے پاتے اور آخرکار وہ وقت آن پہنچتا ہے کہ منوں مٹی کے نیچے ہمیں دفنا دیا جاتا ہے۔پھر ہمارے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا ہو بھی کیسے کہ تمام زندگی لوٹ مار میں گزار دی اپنے نفس کے غلام بنے رہے کسی سے بھلائی کی نہ نیکی کی راہ اختیار کی۔اب شرمندگی سے کیا حاصل ہونے والا ہے۔کاش ہم نے سوچا ہوتا۔کہ ہمارا رب جس نے ہمیں پیدا کیا طرح طرح کی نعمتیں نوازیں،ہماری دعائیں قبول کیں،ہمارے لئے

بہتری کے سبب فراہم کیے۔ بے پناہ پیار اور مہربانیاں عطا کیں ہماری ناشکری اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ کاش ہم نے کچھ وقت سجدۂ شکر اور اُس کی رضا میں بھی گزارا ہوتا تو آج گھاٹے میں نہ رہتے۔ مگر!!!

وہ بے حسی ہے کہ پانی میں ڈوب کر بھی یہاں
سمجھ رہے ہیں کہ دامن کسی کا تر نہ ہُوا!

(طفیل دارآ)

(129)

ڈاڈھے دا راہ نمانا!

انی جند مینڈڑیے، تیرا نلیاں دا وقت وہانا
راتیں کتیں، ڈینہیں اٹیریں، گوشے لائیں تانا
تند کوئی جو پئی اوّلی، صاحب مُول نہ بھانا
چیری آئی، ڈِھل نہ کائی، کیا راجہ کیا رانا
کہے حسین فقیر سائیں دا، ڈاڈھے دا راہ نمانا

الفاظ و معنی:

جند ـــــ زندگی

مینڈریے ـــــ میری

وہانا ـــــ گزر رہا ہے۔ کٹ رہا ہے

اوّلی ـــــ اُلٹی۔ غلط۔ انوکھی

بھانا ـــــ پسند آنا

چیری ـــــ چھٹی

ڈِھل نہ کائی ـــــ کوئی رعایت نہ ہونا۔ کوئی لحاظ نہ ہونا

ڈاڈھے دا راہ نمانا ـــــ اللہ کی طرف جانے والا راستہ عجز کا راستہ۔ یعنی عجز کی بدولت اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا جا سکتا ہے

ترجمہ:

اے میری زندگی وقت گزرا جا رہا ہے اللہ کے ذکر سے اسے سنوار لے۔ کہیں ایسا

نہ ہو تیری غفلت تجھے برباد کر دے۔ اللہ کے حضور جھک جا اُس کی نماز ادا کر اور گوشہ نشینی اختیار کر کہ مکمل یکسوئی سے اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جا اگر تجھ سے کوئی ایسی کوتاہی ہو گئی جو تیرے رب کو سخت ناپسند ہوئی تو تیری تمام زندگی کی عبادت رائیگاں چلی جائے گی۔ اس کا خیال رکھ۔ جب موت آئے گی تو کسی کا لحاظ نہ ہو گا خواہ کوئی بادشاہ ہو یا عام آدمی۔ بس شاہ حسین کی بات سن اللہ کا قرب حاصل کر اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عجز کو اپنا، کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت احسن ہے اور اُس کی عبادت کر۔

تشریح:

شاہ حسین کی بیشتر کافیاں اسی مضمون سے مرصع ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی تعلیمات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ زندگی مختصر ترین ہے اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے ہم اپنے نفس کی غلامی سے اپنے لئے عذاب اکٹھا کر رہے ہیں اور صحیح و غلط کی تمیز سے ماورا ہو کر غلط راستوں کا انتخاب کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے یکسر بے نیاز ہو چکے ہیں جو ہمارے لئے کسی بھی حال میں بہتر نہیں ہے ہمیں چاہیے کہ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیں اُس کی عبادت میں دن رات گزاریں اُس کے شکر سے اپنے دل کو اطمینان آشنا کریں۔ نماز ادا کریں اللہ کے حضور جھکیں اور اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کریں کہ وہ بخشنے والا ہے مگر یہ خیال رہے کہ ہمیں ہر قدم پھونک کر رکھنا ہے ہم سے کوئی ایسی چوک نہ ہو جائے جس سے ہمارا اللہ ہم سے ناراض ہو جائے اور ہماری تمام تر عبادت ضائع چلی جائے۔

موت کے بارے میں کسی کو کچھ خبر نہیں کہ کون سے پل فرشتۂ اجل آ جائے اور ہماری رخصت کی گھڑی آن پہنچے۔ پھر نہ تو ہمیں کوئی مہلت ملے گی اور نہ ہی وہ لمحہ ٹل سکے گا کہ ایسا ہونا ممکنات میں سے نہیں کہ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں پورا ہونا ہوتا ہے۔ کیا ایسے میں ہم اپنے اللہ کو راضی کر سکیں گے ہرگز نہیں کہ پوری زندگی تو ہم نے اپنے رب کی حکم عدولی کے سبب اپنے لئے جہنم کی آگ کو تیز کیا اور آخری وقت میں جب

ہماری سوچیں تک سلب ہو چکی ہیں ہم اپنے اللہ کی خوشنودی کس طرح حاصل کر سکیں گے ——— یہی وقت ہے کہ اپنے آپ کو سدھاریں، شیطانی کاموں سے گریز کریں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں کہ وہ ہمارا پالنہار ہے، ہمیں اُس کے سامنے جھکے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا عجز ہی پسند ہے اور اسی عجز کے طفیل ہم اپنے رب کو راضی کر کے اُس کی رحمت کے حق دار بننے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

آیئے چھوڑ دیں ایسے دھندوں کو جن سے، ہماری آپ کی شخصیت داغدار ہوتی ہے ہمارے سچے جذبے جھوٹ کی ملمع سازیوں سے ماند پڑ چکے ہیں ہم اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ ہم بے اختیار ہیں جو بھی اختیار ہمارے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کی بدولت ہے اور ہم اس سے غلط فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں درگزر فرما رہا ہے۔ کہ یہ اُس کی رحمتوں کا تقاضا ہے اور جب زندگی کی حد ختم ہو جائے گی اور موت کی آغوش میں جانے والے ہوں گے تو پھر یہ سوچنے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔ اب بھی وقت ہے اللہ سے رحم کی اپیل کر لیں۔ اُس کی نعمتوں کا شکر کر لیں کہ یہی ایک راستہ ہمارے سامنے کھلا ہے جس پر چل کر ہم اپنے اللہ کی پناہ حاصل کر سکتے ہیں اور ان غلط کاریوں سے بچ سکتے ہیں جن کے ہم عادی ہو چکے ہیں اور جن سے چھٹکارا ہمیں ناممکن نظر آتا ہے ——— حالانکہ اللہ کی پناہ میں آنے سے تمام نفسانی خواہشیں خود بخود دم توڑ دیتی ہیں۔

اے اللہ ہمیں اپنی پناہ عطا کر کہ ہم نے غلط کاریوں میں اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے۔ آمین۔

(130)

کوئی سنگ نہ ساتھی!

بابل گنڈھیں پائیاں، دن تھوڑے پائے
داج وہونی میں چلی، مکلاوڑے آئے
یا مولا، یا مولا ہے، بھئی مولا
گنڈھاں کھُلن تیریاں، تینوں خبر نہ کائی
ایس وچھوڑے موت دے، کوئی بھین نہ بھائی
آوو ملو سہیلڑیو! میں چڑھنی ہاں کھارے
وت نہ میلہ ہوسیا، ہن ایہو وار اے
ماں روندی زار و زار، بھین کھڑی پکارے
عزرائیل فرشتیہ، لے چلیا وچارے
اک ہنیری کوٹھڑی، دوجا دِیوا نہ باتی
بانہوں پکڑ جم لے چلے، کوئی سنگ نہ ساتھی
خودی تکبر چھوڑ دے، توں تاں پکڑ حلیمی
گور نمانی یاد کر، تیرا وطن قدیمی
ہتھ مروڑیں سر دُھنیں، ویلا چھل جاسی
کہے حسین فقیر نمانا، ہوئے بہتر اُداسی

الفاظ و معنی:

گنڈھیں پائیاں ـــــــ شادی کا دن مقرر کر دیا۔ شادی کی تاریخ مقرر کرنا

داج وہونی ـــــــ جہیز کے بغیر

مکلاوڑے آئے ـــــــ شادی کے دوسرے دن دلہن کو لینے آنے والے

سہیلڑیو ـــــــ سہیلیو۔ سکھیو

کھارے ـــــــ شادی بیاہ سے ایک دن پہلے کی ایک تقریب

وت ـــــــ پھر

ہوسیا ـــــــ ہوگا

ہنیری کوٹھڑی ـــــــ قبر

جم ـــــــ ملکُ الموت۔ موت کا فرشتہ

چھوڈ ـــــــ چھوڑ

ویلا چھل جاسی ـــــــ وقت گزر جائے گا۔ وقت دھوکا دے جائے گا

ہتر ـــــــ دوست یار

ترجمہ:

باپ نے شادی کی تاریخ مقرر کر دی ہے اور بہت ہی تھوڑے دن مقرر کئے ہیں۔ جہیز کے بغیر ہی رخصتی ہو رہی ہے یعنی بہت کم مہلت دی گئی۔ اے میرے رب مجھے تیری مدد درکار ہے کہ میرے پاس نیک اعمال نہیں ہیں اور مجھے زندگی میں نیکیاں کرنے کی مہلت بہت کم ملی ہے۔

اب تیرا آخری وقت آ پہنچا ہے مگر تجھے اس کی خبر نہیں ہے جب تجھے موت آ جائے گی کوئی بہن بھائی تیرا ساتھ نہ دے سکے گا پس موت کا فرشتہ تیری روح قبض کر لے گا اور تو ہر اپنے سے بچھڑ جائے گا۔

اے میرے دوستو آؤ مجھ سے مل لو کہ مجھے رخصتی کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ پھر یہ میل ملاقاتیں نہ ہوں گی کہ اس دنیا میں ایک ہی بار آنا ہوتا ہے۔

ماں زار و قطار رو رہی ہے اور بہن بین ڈال رہی ہے مگر کسی کا بس نہیں چلتا عزرائیل علیہ السلام جو موت کے فرشتے ہیں وہ بے چارے کو لے جا رہے ہیں۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اسے قبر میں اُتار دیا جائے گا جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا اور کوئی روشنی ہو گی نہ دیا نہ ہی اس میں جلنے والی باتی ہو گی اور کسی کا کوئی ساتھی نہ رشتہ دار اُس کے ساتھ ہو گا۔

اے انسان تکبر کو چھوڑ کر عجز اختیار کر اور اس دنیا کے دھندوں اور لالچ و حرص کے نرغے سے باہر آ اور یاد کر کہ قبر ہی تیرا سب سے پرانا گھر ہے جہاں تجھے لوٹ کے جانا ہے پھر تیرا تکبر تیرے کسی کام نہ آئے گا۔ تیری تمام کوششیں بے کار چلی جائیں گی مگر گیا وقت پھر تیرے ہاتھ نہ آئے گا۔ اور تیرے دوست یار سب اداس ہو جائیں گے تو ان کو پریشان اور غمگین چھوڑ کر چلتا بنے گا اور رُکنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔ شاہ حسین کی بات مان اور اللہ کی طرف رجوع کر کہ تیرا وقت قریب سے قریب ترین آتا جا رہا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں زندگی سے مربوط حوالوں سے ہمیں ہمارے اصل کی طرف راغب کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

شادی زندگی کا اہم ترین موڑ ہے جہاں سے زندگی مختلف جہتوں کی طرف اپنا سفر جاری کرنے کی تیاری کرتی ہے اور روایتاً جس کی رخصتی ہوتی ہے اُسے آئندہ استعمال کے لئے بطور جہیز کچھ نہ کچھ تیاری کرنی پڑتی ہے تا کہ وہ جس گھر جانے والی ہے وہاں جا کر اپنی ضروریات پوری کر سکے اُسے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونا پڑے یہ حوالہ جات انتہائی مضبوط اور انسانی زندگی کے قریب ترین ہیں جن کو ہر سطح کا انسان با آسانی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ معمولات زندگی کا اہم ترین عمل ہے اور جو کوئی بغیر جہیز کے اپنے سسرال کا رخ کرتی ہے وہ جن مشکلوں کا شکار رہتی ہے یہ بات آپ اور ہم سے ڈھکی چھپی نہیں ـــــ اسی کو بنیاد بنا کر شاہ حسین اپنی کافی کے تانے بانے کو بُن رہے ہیں اور کامیابی سے بُنتے ہوئے ہمیں زندگی کی بے ثباتی کا ادراک مہیا کر رہے ہیں اور ساتھ ہی

ساتھ ہمیں یہ شعور بھی عطا کر رہے ہیں کہ یہ زندگی جو رب تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہوئی ہے یہ انتہائی قلیل ہے اگر انسان اس میں بھی اپنے رب سے مُنہ موڑے رہے اور اُس کے ارشادات کو بالائے طاق رکھے رہے تو پھر اُس کا کہیں ٹھکانہ نہیں اور وہ بالکل بغیر جہیز دلہن والی بات ہے کہ اُس کے پاس ایسے نیک اعمال ہیں ہی نہیں جو اُس کے رب کو راضی کر سکیں اور اُس کا رب اُس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمادے۔

تمام زندگی نیکیوں سے دُور رہ کر اللہ کے حکم کی پابندی نہ کر کے دین الٰہی سے مستفید نہ ہوتے ہوئے گزارنا کسی طرح بھی انسان کو انسانی سطح پر معتبر نہیں ٹھہراتا۔ اور آخر کار موت آجاتی ہے۔ جس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ بہن بھائی، والدین، ارد گرد کے لوگ دوست احباب کوئی خواہ کتنا ہی بارسوخ ہو لحہٗ موت کو ٹالنے کا اختیار نہیں رکھتا اور بے بس و لاچار رہ کر حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا لیتا ہے ـــــــ اندھیری قبر میں بسیرا کر لیتا ہے جب کہ زندگی میں دوسروں کے حصے کی روشنی بھی چھین کر اپنے لئے جگمگاہٹیں پیدا کرتا ہے۔ مگر قبر میں اُسے روشنی کا تصور تک میسر نہیں ہوتا۔

بے شک انسان کو تکبر سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ عمل اُس کے حق میں کسی طرح بھی بہتر نہیں اور ویسے بھی تکبر تو صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اُسی کو جچتا ہے انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ اس کے لائق ہو سکے یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی انسان اس کا شکار ہوا ہے تو اُس نے اپنے آپ کو شکست و ریخت کی زد میں پایا ہے۔ اور آخر کار تباہی و بربادی اُس کا مقدر بنی ہے ـــــــ اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو یہ جان لینا مشکل نہیں کہ تکبر کا شکار ہونے کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ ناچیز کے خیال میں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ہمیں بغیر کسی مشقت کے ہمارے حق سے زیادہ حاصل ہو جائے تو تکبر کے پیدا ہونے کے امکانات زیادہ واضح ہو جاتے ہیں یعنی ہمیں ایک طرف تو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے جو ہماری نہیں کسی دوسرے کا حق تھی دوسری طرف ہمیں ہمارا نفس یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس حصول سے ہماری طاقت رتبے اور ترجیحات میں اضافہ ہوا ہے۔ جس کی بنا پر ہم اس سوچ کے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ہم دوسرے پر غالب آ رہے ہیں اور ہمارے ارد گرد ہم

جیسی تمام اشیائ ہم سے کم تر ہیں۔ جب کہ یہ صرف ہماری سوچ کا نتیجہ ہوتا ہے حقیقت میں ایسا ہر گز نہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ہم شدید خود فریبی و خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہوئے گناہوں کی دلدل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور اس طرف دھیان ہی نہیں دیتے کہ اگر ہم عجز و انکسار کو اپناتے تو اس سے کہیں زیادہ رتبے کے مالک ہو سکتے تھے اور یہ رتبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی طرف سے عطا کیا گیا ہوتا جس کے فیضان سے ہمیں نیک راستوں پر چلنے کی توفیق بھی ملتی اور ہم حقیقتاً اللہ کے بندے کہلانے کا حق ادا کر سکتے مگر چونکہ ہم اپنے نفس کے بہکاوے میں آ کر سب کچھ بھول چکے ہیں اس لئے اُن اقدار کو جو صالح اور ہمارے لئے بہترین قرار دی گئیں اُن سے محروم رہ گئے۔ اور وہ وقت جو رب العزت نے ہمیں بطور زندگی نوازا اُس کی قدر نہ کرتے ہوئے لالچ و حرص میں الجھے رہے ہر غیر حقیقی غیر شرعی عمل کو اپنایا اور یہ تک بھول گئے کہ ہمیں لوٹنا ہے اپنے رب کی طرف اور ہمارا ٹھکانہ قبر ہے جہاں سوائے ہمارے نیک اعمال کے ہمارا کوئی ہمدرد نہ ہوگا۔ دنیاوی رشتے تو دنیا ہی میں ختم ہو جائیں گے صرف ایک رشتہ باقی رہے گا اور وہ اپنے رب سے ہوگا جو ازل سے ہے تو کیوں نہ اپنے رب کو خوش کریں اُس کی محبتوں، احسانوں، رحمتوں کے حصول کے لئے اُس کے سامنے جھکے رہیں اُس کے بندوں سے پیار کریں، اچھائیاں تقسیم کریں اور برائیوں کو روکیں کہ اس کے نتائج ہمیشہ ثمر آور ہیں اور بندہ کے خیال و خواب سے کہیں زیادہ بھی۔

آیئے! اس وقت کی قدر کریں جو ہمیں نصیب ہے اور اپنے رب سے حاصل کر لیں جو کچھ ہمارے رب نے ہمارے لئے انعامات کی صورت میں رکھا ہوا ہے ہمارا جھکاؤ ہمیں بلندیاں عطا کرنے والا ہے بشرطیکہ ہم اپنی سوچ میں تبدیلی پیدا کریں دنیا کی چکا چوند سے ہٹ کر سوچیں، اصل حقائق کی طرف راغب ہوں اللہ کے دین اور اُس کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اپنے آپ کو اس قابل بنانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں کہ رب العالمین ہم پر اپنے کرم کی بارش فرما دے اور بخشش کی نوید سے معزز فرما دے۔ بے شک وہ قادرِ مطلق ہے۔

(131)

جِت شوہ آوے جائی!

جھمے جھم کھیل لے منجھ ویڑے، جیدیاں نوں ہر نیڑے
ویڑھے دے وچ ندیاں وگن، بیڑے لکھ ہزار
کیتی اس وچ ڈبدی ویکھی، کیتی لنگھی پار
اس ویڑھے دے نَوں دروازے، دسویں قفل چڑھائے
تِس دروازے دے محرم ناہیں، جِت شوہ آوے جائی
ویڑھے دے وچ آلا سو ہے، آلے دے وچ طاقی
طاقی دے وچ سیج وچھاواں، اپنے پیا سنگ راتی
اس ویڑھے وچ مکنا ہاتھی، سنگل نال کھہیڑے
کہے حسین فقیر سائیں دا، جاگدیاں کوں چھیڑے!

الفاظ و معنی:

جھمے جھم ــــــ خوشی خوشی۔ ہنستے کھیلتے
مَنجھ ــــــ درمیان میں۔ بیچ
جیدیاں نوں ــــــ پکارتے ہوؤں کو
ہَر نیڑے ــــــ اللہ نزدیک ہے
ندیاں وگن ــــــ ندیاں بہیں
کیتی ــــــ کئی۔ بہت سے۔ بے شمار

لنگھی پار ——— دوسرے کنارے پہنچے۔کامیاب وکامران ہوئے

قفل چڑھائے ——— تالا لگا ہوا۔مقفل

تس ——— اُس

آلا ——— طاقچہ

طاقی ——— چھوٹی الماری

مکنا ہاتھی ——— مست ہاتھی۔پاگل ہاتھی

سنگل ——— لوہے کی زنجیر جو قید و بند کے کام آتی ہے

کھہیڑے ——— اُلجھے

ترجمہ:

اپنے صحن میں خوشی سے جھوم اور کھیل کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ خود ہوتا ہے یعنی اُن کو اللہ کا قرب نصیب رہتا ہے۔اس آنگن میں یعنی باطن میں ہزاروں خواہشیں موجزن ہیں اور کئی کشتیاں سفر میں ہیں کئی ڈوب گئی ہیں اور کئی پار اُتر گئی ہیں۔اس باطن کے نو دروازے ہیں دسواں حصہ مقفل ہے اور ہم اُس دروازے کو نہیں جانتے جس کے راستے محبوب حقیقی آتا جاتا ہے اس آنگن میں ایک طاقچہ ہے اور اس میں ایک چھوٹی سی الماری ہے جس میں پھولوں کی سیج بنا کر اپنے محبوب کی عبادت کا لطف اُٹھاؤں گا۔

اس باطن میں ایک مست ہاتھی بھی ہے جو زنجیروں سے اُلجھ رہا ہے کہ وہ آزاد ہونا چاہتا ہے اللہ کا فقیر ناچیز بندہ جانتا ہے کہ جاگتوں کو جگانا بڑا کٹھن کام ہے یعنی اپنے نفس پر قابو پانا مشکل ترین کام ہے اور نفس کو مست ہاتھی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین اپنی اس کافی میں اپنے باطن کے تمام ماحولیاتی تار و پود کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے باطن میں ایک دل ہے اور اس دل میں میرے محبوب کا بسیرا

ہے۔ کیوں کہ ہر وقت اللہ کے نام کی تسبیح کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس کا نگہبان رہتا ہے۔ اور جتنی خواہشیں وجود میں پرورش پاتی ہیں اُن میں سے کچھ ڈوب جاتی ہیں یعنی ختم ہو جاتی ہیں اور کچھ پوری ہو جاتی ہیں۔ اور وہی خواہشیں پوری ہوتی ہیں جو اللہ کو منظور ہوں اس جسم کے نو دروازے ہیں جن کے ذریعے ہماری زندگی کے تمام محرکات و معمولات ایک خاص ترتیب سے ہمارے کام آتے رہتے ہیں۔ مگر ایک دروازہ ایسا ہے جو ظاہر نہیں جس کے ذریعے محبوب کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کی یاد کا گزر رہتا ہے۔ اور یہ یاد دل میں براجمان ہوتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے نفس کی کیا مجال کہ وہ اپنی من مانی کرے کہ میں نے اسی کو اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے کہ مجھے اگر حاجت ہے تو اپنے رب سے وصل کی اور جب یہ خواہش ہو تو تمام دوسری خواہشیں باطل ہو جاتی ہیں۔ اور ہر وقت رب العالمین کے کرم کی آس رہتی ہے کہ دل و نگاہ پر صرف اُسی کی چھاپ ہوتی ہے جو انسان کی بخشش کی واضح اور روشن دلیل بھی ہو سکتی ہے۔

(132)

ہونی ہوئے سو ہوئے!

پاویں گا دیدار صاحب دا! ہور بھی نیواں ہوئے
ٹوپی میلی، صابن تھوڑا، بہہ کنارے دھوئے
مینی ڈھگی، نام سائیں دا، اندر بہہ کر چوئے
اچھل ندیاں تا رو ہویاں، میں کنڈھے رہی کھلوئے
کہے حسین فقیر سائیں دا، ہونی ہوئے سو ہوئے!

الفاظ و معنی:

صاحب ——— اللہ تعالیٰ
نیواں ہوئے ——— عاجز بن کر، انکسار سے
چوئے ——— دودھ دھوئے
مینی ڈھگی ——— گائے جس کے چھوٹے چھوٹے سینگ ہوں
اچھلی ندیاں ——— بھرپور۔ اچھلتی ہوئی ندیاں
تارو ہویاں ——— تیرنے کے قابل، جن میں تیرا جاسکتا ہو

ترجمہ:

اے فقیر!! اور زیادہ عاجز بن کہ اس سے تجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا میلی ٹوپی کو دھو ڈال بے شک صابن بہت کم ہے یعنی اپنے من کی میل کو دھو اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس کو منور کرلے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تنہائی میں بیٹھ کر کرتا رہ۔ اور اپنے نفس کی غلامی سے بچ کہ یہ تجھے برباد کر کے رکھ دے گا۔ شاہ حسین کی بات غور سے سن اور اس پر عمل کر اور جو کچھ

بھی ہوتا ہے اُسے ہونے دے بس تو اپنے رب کے ذکر سے اپنا آپ سنوارتا جا۔

تشریح:

سلطان باہوؒ نے اپنے دوہڑے میں کہا ہے

"جو دم غافل سو دم کافر" مُرشد ایہہ پڑھایا ھُو
سُنیا سخن گیان کُھل اکھیں چت مولا دل لایا ھُو
کیتی جان حوالے ربّ دے ایسا عشق کمایا ھُو
مرن تھیں اگے مر گئے باھُو تاں مطلب نوں پایا ھُو

صوفیا کے نزدیک قربِ الٰہی ہی منتہائے مقصد رہا ہے۔ جس کے لئے عبادت و ریاضت اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ہونا ضروری ہے۔ اور توفیق الٰہی کے ساتھ ساتھ بندے کا اپنے رب کے ذکر میں ڈوبے رہنا اور عجز و انکسار سے اُس سے اُس کی رحمتوں کی آرزو کرتے رہنا ایک اعزاز ہے جس کے طفیل بندہ اُس غفلت کا شکار ہونے سے محفوظ رہتا ہے جس میں اُس کا نفس اُسے گھسیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا صوفیا کا وطیرہ رہا ہے کہ تزکیۂ نفس کرتے ہوئے وہ خواہشات جو اُنہیں غلط ڈگر پر ڈال سکتی تھیں اُن کو ترک کیا۔ کہ ان کو ترک کرنا ہی ترکِ دنیا کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ خواہشات دنیا سے اتنی گہری طرح جُڑی ہوئی ہیں کہ ان دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا فانی ہے اور کسی دوسرے کا دائمی ساتھ دینے سے قاصر ہے اس لئے اللہ کے بندے دنیا سے لاتعلق رہتے ہیں کہ دنیاوی خواہشیں اور دنیاوی چکا چوند اُن کو اپنے گھیرے میں لینے کی کوشش کرتی ہے اور اُنکا دھیان اور میلان مالکِ کائنات کے سچے عشق سے مسرور ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا اپنی رکاوٹوں اور کوششوں کی لپیٹ میں خود ہی آ جاتی ہے اور درویش اپنی راہ پر ذکر الٰہی کی دُھن میں مگن منزلِ حق کی طرف گامزن رہتا ہے۔

شاہ حسین کی مذکورہ کافی میں دیدارِ الٰہی کے لئے جو شرط رکھی گئی ہے وہ راقم کے مندرجہ بالا معروضات کی تصدیق کا حق ادا کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اور اسی کافی کا عکس

سلطان باہو کے مندرجہ بالا دوہڑے میں بھی ملتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ دونوں صوفیا نے اپنی اپنی جگہ ہمیں حقائق سے روشناس کرانے کی ذمہ داری نہایت خوبی سے نبھائی ہے اب ہم پر ہے کہ ہم ان سے کس حد تک استفادہ کرتے ہیں۔ اور اس کلیے سے جو شاہ حسین نے بیان کیا ہے "کہ عجز سے دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے کب فیض یاب ہونے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔

آیئے قدم بڑھائیں کہ یہ کام ہرگز مشکل نہیں، مشکل ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ مشکل کشا جو ہمارا مددگار ہوگا۔ اپنے آپ کو جھکائیں تو سہی پھر دیکھیں وہ رفعتیں نوازنے والا کیا کیا قدر و منزلت نوازتا ہے۔ تھوڑے سے صابن سے ہی سہی اپنے اندر کے میل کو دھونے کی کوشش تو کریں کہ شاید ہم اپنے رب، اپنے محبوبِ حقیقی کی رحمتوں کے لائق ہو سکیں۔ اور جو بندہ اس لائق ہو جاتا ہے پھر اُس کے لئے ہونی ہوتی رہے یا نہ ہو کچھ فرق نہیں پڑتا، کہ دنیا کے منفی و مثبت اثرات اپنے رُخ کو دنیا ہی کی طرف رکھتے ہیں اس لئے جو کچھ بھی اس دنیا میں ہوتا رہتا ہے وہ دنیا ہی کے لئے رہے ماورائے دنیا کے لئے نہیں۔ کہ وہ تو مرنے سے پہلے ہی مر چکے ہوتے ہیں۔

(133)

میں آپے رانجھن ہوئی!

ماہی، ماہی کوکدی، میں آپے رانجھن ہوئی
رانجھ رانجھن مینوں سبھ کوئی آکھو، ہیر نہ آکھو کوئی
جس شوہ نوں میں ڈھونڈدی، ڈھونڈ لدھا شوہ سوائی
کہے حسین سادھاں دے ملیاں، نکل بھُل گیو ای

الفاظ و معنی:

کوکدی ــــ پکارتی
آپے ــــ خود
شوہ ــــ محبوب، خاوند۔ اللہ تعالیٰ
سوائی ــــ وہی
ڈھونڈ لدھا ــــ مل گیا۔ حاصل ہو گیا
سادھاں ــــ درویش۔ اللہ والے
نکل ــــ ختم
بھول ــــ شک و شبہ

ترجمہ:

میں اپنے محبوب کو پکارتے پکارتے اُسی کا روپ دھار چکا ہوں مجھے اب میرے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ میرے محبوب کے نام سے پکارا جائے کہ میں جس کی تلاش میں تھا مجھے وہ مل گیا ہے اور یہ سب درویش لوگوں کی رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ کہ میرے تمام شک شبے

ڈور ہو گئے ہیں اور میں صدقِ دل سے سیدھی راہ اختیار کر چکا ہوں۔

تشریح:

قارئین نے شاہ حسین کے کلام اور دیگر صوفیا کے کلام میں ہیر رانجھا کے استعاروں کے حوالے سے مندرجہ بالا کافی کے مضمون کو یقینی طور پر پڑھا ہوگا۔ اور چونکہ ان استعاروں کا ہماری صوفیانہ شاعری میں متعدد جگہوں پر استعمال ہوا ہے اس لئے یہاں اس کے معنوی پرتو تفصیل طلب نہیں کہ آپ بخوبی شناسا ہیں اور اپنی بصیرت و بصارت اور فصاحت وبلاغت سے پرکھ چکے ہیں کہ ہیر رانجھا کے کردار ایک ایسے تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں جو کھرا سچا، پاک اور متبرک ہے۔ لہٰذا اس "واسطے" کی روشنی میں جس پہلو پر بھی نظر پڑے گی وہ سچا اور شفاف ہوگا۔ اور سچے اور شفاف واسطے کے رموز ولوازمات بھی اپنے اپنے مقام پر ارفع واعلیٰ ہوں گے۔ جن کے تحت عشق، عاشق اور معشوق ایک ایسی تکون کے روپ میں ہمیں نظر آتے ہیں کہ جس کا ایک خط بھی اگر اپنی جگہ سے سرک جائے یا ہلا دیا جائے تو تکون اپنی معنویت کے دائرے سے باہر آجاتی ہے ——— اس لئے تینوں خطوط اپنے اپنے زاویے سے ایک دوسرے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں ——— اور یوں ہم سمجھ پاتے ہیں کہ کیسے کس مطلوب کا روپ دھارا جا سکتا ہے۔ کیسے اپنے آپ کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ محبوب کے نورانی پرتو میں تحلیل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

آپ یقیناً باخبر ہیں کہ جب طالب طلب اور مطلوب کے حوالے سے بسیط وبیکراں انداز اختیار ہو چکا ہو تو پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی کہ ایسی صورت میں کوئی بھی خط دوسرے خط کی جگہ پر رکھ دینے سے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تکون اسی طرح سالم وثابت رہتی ہے۔ اور اُس کے زاویے بھی اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ اور اس حقیقت

کا اعتراف صوفیا نے کھلے دل ودماغ سے کیا ہے اس کی تصدیق کے لئے بلھے شاہ کی ایک مشہور کافی بھی ملاحظہ فرمایئے جو فنا فی اللہ * کی متبرک سعادت کے احساسات سے معطر ہے۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدو نی مینوں دھیدو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی
رانجھا میں وچ میں رانجھے وچ ہور خیال نہ کوئی
میں نہیں اوہ آپ ہے، اپنی آپ کرے دل جوئی
رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدو نی مینوں دھیدو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی
ہتھ کھونڈی میرے اگے منگو، موہڈے بھوری لوئی
بلّھا ہیر سلیٹی دیکھو کتھے جا کھلوئی
رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی!

(بلھے شاہؒ)

* اللہ کی موجودگی کو اس حد تک تسلیم کر لینا کہ اپنی موجودگی ختم ہو جائے یعنی اللہ کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دے۔ (مثالی)

(134)

جاگی پریم کنی!

مینڈے سجنا وو! مولیٰ نال بنی

دُنیا والے نوں دنیا دا مانا، ننگاں نوں ننگ منی

نہ اسیں ننگ نہ دنیا والے، ہسدی جنی کھنی

دنیا چھوڑ فقیر تھیا سے، جاگی پریم کنی

کہے حسین فقیر سائیں دا، جانیں آپ دھنی

الفاظ و معنی:

مینڈے سجنا وو ــــــ اے میرے دوست

مولیٰ نال بنی ــــــ اللہ تعالیٰ سے بنی ہے۔ اُس سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔

اپنے رب سے رشتہ ہے

دنیا دا مانا ــــــ دنیا کا مان۔ دنیا پر بھروسہ، دنیا پر زعم یا گھمنڈ ہونا

نگاں نوں ننگ منی ــــــ فقیروں کو اپنی فقیری پر مان۔ فخر

جنی کھنی ــــــ ہر کوئی۔ سب کی سب۔ تمام

فقیر تھیا سے ــــــ فقیر ہو گئے۔ درویش ہو گئے۔ اللہ والے ہو گئے

پریم کنی ــــــ پیار کی خواہش۔ طلب۔ محبت کی چنگاری

دھنی ــــــ مراد ہے خوش نصیب

ترجمہ:

اے میرے محبوب میرے دوست میری کسی سے نہیں بنی بس میرے اللہ سے بنی

مجھے وہی اچھا لگا۔ مجھے اُسی سے عشق ہو گیا۔

دُنیا والوں کو دنیا پیاری ہے دنیا پر غرور ہے۔ فقیروں* کو اپنی فقیری کا زعم ہے۔ ہم نہ تو دنیا دار ہیں اور نہ فقیر اس لئے ہم پر ہر کوئی ہنستا ہے اور ہمارا مذاق اُڑاتا ہے۔ ہم ایسے فقیر ہیں جنہوں نے دنیا تیاگ دی ہے۔ اور ایسے فقیر وہی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں وہی لوگ خوش نصیب ہیں اور اصلی فقیری کے رُتبے پر فائز ہیں۔

تشریح:

بے شک جس کی اللہ کے ساتھ بن جائے اُسے دنیا داری اور نفسا نفسی سے کیا لینا اور اُسے کسی کے ساتھ تقابلی جائزے سے کیا حاصل کہ اُس نے اللہ کی رضا پر راضی ہونا سیکھ لیا اور فقر و تقویٰ کو اپنا لیا جو عجز کی دین ہے، اپنے رب کے سامنے جھک گیا اور اُس کی شان و شوکت کا قائل ہو گیا۔ لوگوں کا ایسے درویش اور اللہ والے کا مذاق اُڑانا درست نہیں کہ وہ اُس سطح پر سوچ نہیں سکتے وہ اُن کیفیات سے لبریز نہیں ہو سکتے جو عاشقِ صادق کو اپنے محبوبِ حقیقی کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔ اسی لئے وہ خوش قسمت ترین کہلانے کا حق دار ہے جس نے صحیح راہ اختیار کی اور اس دنیا کو بھول بھلیوں میں کھو کر اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوا۔ اُس نے وہ منازل طے کیں جو اُسے رب العالمین کے قرب سے مشرف ہونے کا اعزاز بخشتی ہیں —— مگر یہ کٹھن مراحل یونہی طے نہیں ہوتے کہ

سَیں فقیری جلیاں مارن، سُتے لوک جگاون ہُو
سَیں فقیری وہندی ندیاں، سُکیاں پار لنگھاون ہُو
سَیں فقیری وچ ہوا، سجادہ پا ٹھہراون ہُو
نام فقیر تھماں دا جیہڑے دل وچ دوست ٹکاون ہُو

(سلطان باہو)

---

* یہاں فقیری سے مراد دنیا دار فقیر ہیں جو واقعی زعم کا شکار رہتے ہیں اور درویشی کے رتبے اور رموز و منازل سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ (مثالی)

(135)

گوڑے جھیڑ نہ جھیڑنی!

دیہنوں لتھا ای ہرٹ نہ گیڑ نی
نال سیاں گھر ونج سویرے، گوڑے جھیڑ نہ جھیڑ نی
اکناں بھریا، اک بھر گئیاں، اکناں بھئی اویر نی
پچھوں وی پچھاسیں گوئیے! جد پو سیا گھمن گھیر نی
کہے حسین فقیر سائیں دا، ایتھے نہیں آونا پھیر نی!

الفاظ و معنی:

دیہنوں لتھا ای ــــــ دن ڈھل گیا ہے۔ شام ہوگئی ہے
ہرٹ نہ گیڑنی ــــــ کنواں نہ چلا
گھر ونج سویرے ــــــ شام ہونے سے پہلے گھر لوٹ جا۔ دن ہوتے گھر پلٹ جا
گوڑے جھیڑ ــــــ جھوٹے جھگڑے۔ خوانخواہ کی اُلجھنیں۔ بے مقصد باتیں۔ فضولیات وغیرہ
نہ جھیڑنی ــــــ مت کر۔ مت چھیڑ۔ اپنے آپ کو مت اُلجھا
بھئی اویر ــــــ دیر ہوگئی۔ تاخیر ہونا
پچھوں ــــــ بعد میں
پوسیا گھمن گھیر ــــــ گھیرے میں پھنس جانا۔ اُلجھنوں کے بھنور میں اُلجھ جانا
نہیں آونا پھیرنی ــــــ دوبارہ نہیں آنا ہوگا۔ نہ لوٹنا

ترجمہ:

دن ڈھل گیا ہے اب کنواں چلانے سے کیا حاصل اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے گھر کو لوٹ جا بجائے اس کے کہ تو ادھر اُدھر کی الجھنوں میں الجھ کر رہ جائے۔ کسی نے پانی بھر لیا ہے اور کئی بھر کر جا چکی ہیں اور کسی کو دیر ہوگئی ہے اگر اس وقت سے فائدہ نہ اُٹھایا گیا تو بعد میں پچھتانا پڑے گا کہ اس دنیا میں دوبارہ آنے کا موقع کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح:

دن کا ڈھلنا زندگی کے اختتامیہ لمحوں سے مماثل ہے اور جب یہ لمحے زندگی کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیں تو پھر کئی کام ادھورے رہ جانے کے اندیشے ارد گرد منڈلانے لگتے ہیں اور جس انداز سے کام کرنے کی خواہش ہوتی ہے اُس پر عبور نہیں ہوتا ـــــــ شاہ حسین اسی حوالے سے سمجھا رہے ہیں کہ دن ڈھل رہا ہے اب واپسی کا وقت ہے قریب آ چکا ہے اگر اندھیرا ہو گیا تو واپسی میں شدید مشکل پیش آ سکتی ہے۔ اس لئے اپنے تمام کام نمٹانے کی کوشش کرنی چاہیے اور وقت پر گھر کو لوٹنے کی تیاری کرنی چاہیے۔ یعنی وہ کام جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندے کے سپُرد کئے اور بندے کو شعور و علم نوازا تا کہ وہ اپنے رب کے کاموں میں کوتاہی کئے بغیر سلیقہ مندانہ انداز میں سرانجام دے کر اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو سرخرو کرنے کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کرے ـــــــ مگر ہم ایسی فضولیات میں گھِر چکے ہیں جہاں سے ہمیں اپنے ارد گرد سوائے اُن مکروہات کے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا جو ہماری زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کو عذابِ الٰہی سے کسی بھی طرح محفوظ رکھنے کی ذمہ دار نہیں ٹھہرتیں۔ اور نہ ہی ہمارے حق میں کسی دوسری دنیاوی باطنی طاقت کو اپنا کردار ادا کرنے کی مہلت دیتی ہیں۔ تھوڑا سا غور کرنے سے ہم اپنی جہیں کھنگال سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کیا کیا کر رہے ہیں، جن بھلائیوں کو ہم اپنے لئے اور اپنے قریب ترین لوگوں کے لئے پوری تن دہی سے کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ تو بھلائیاں ہیں ہی نہیں وہ تو کسی طرح بھی نہ ہمارے حق میں بہتر ہیں نہ اُن کے حق میں، جن کے لئے

ہم جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر ایسے ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ہمیں انسانی سطح سے بھی کہیں نیچے گرا دیتے ہیں۔ اور اُن امور سے بالکل آنکھیں بند کئے رہتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے۔ اور جب ہم سے دریافت کیا جائے گا تو ہم کیا جواب دیں گے کہ ہم نے تو تمام زندگی وہ کچھ کیا جس سے بچنے کی ہدایت، کی گئی۔ اپنے نفس کے سامنے جھکے رہے اور اپنے رب کی عبادت سے گریز کیا اور اس کے لئے طرح طرح کے جواز گھڑتے اور تلاش کرتے رہے۔۔۔۔۔۔یقیناً ہمارے پاس سوائے شرمندگی کے کچھ نہیں ہوگا۔۔۔۔۔اور ہم اُس زندگی کی خواہش کریں گے جو ہم سے چھن چکی ہوگی۔ آج جب ہماری زندگی ہمارے پاس ہے ہمیں مہلت عطا کی گئی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کر لیں تا کہ کل کو قلیل وقت کی وجہ سے یا بدن میں سکت نہ ہونے کی وجہ سے ہم یہ اعزاز حاصل نہ کر سکیں تو ہمارے سوا ہمارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔

شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں بتدریج زندگی کے سفر کے مدارج طے ہوتے ہوئے دکھائے ہیں جس سے حاصل شدہ وقت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی اہمیت کے حوالے سے انسان کو اپنے معمولات کو ترجیحی بنیادوں پر ترتیب دے کر زندگی کو سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کی تاکید بھی اس کافی میں موجود ہے۔ کہ یہی معمولات انسان کی عافیت و عاقبت کے لئے نیک شگون کا درجہ رکھتے ہیں۔

(136)

سُتی ہیں تاں جاگ!

تیرے شوہ راون دی ویرا، سُتی ہیں تاں جاگ
موڈھے تیرے دوئے جنے، لکھدے نی عیب ثواب
ایہہ ویلا نہ لیسیں گُوہیے، تھیسیں بہت خراب
کہے حسین شوہ لیکھا پچھسی، دیسیں کون جواب!

الفاظ و معنی:

شوہ ــــــ خاوند، مالک، اللہ تعالیٰ
ویرا ــــــ وقت
موڈھے ــــــ شانے، کاندھے
دوئے جنے ــــــ دو عدد (مراد کراماً کاتبین)
عیب ــــــ گناہ۔ خطا۔ خامیاں
لیکھا پچھسی ــــــ حساب کتاب مانگے گا۔ جو کچھ کرتے رہے ہیں اُس کے بارے میں دریافت ہوگا
دیسیں ــــــ دے گا
کون جواب ــــــ کیا جواب

ترجمہ:

اے سونے والے جاگ کہ تیرے مالک کو خوش کرنے کی گھڑی ہے۔ ایسا نہ ہو تو سویا رہے اور تیرا رب تجھ سے ناراض ہو جائے۔ تیرے کاندھوں پر دو فرشتے مقرر کر دیے

گئے ہیں جو تیری نیکی و بدی دونوں کی پل پل خبر رکھے ہوئے ہیں اور کسی لمحہ بھی نہیں بھولتے یہ وقت تجھے دوبارہ نہیں ملنے والا اگر غفلت کا شکار رہا تو یقیناً بہت خراب ہوگا اور کوئی تیرا پرسانِ حال نہ ہوگا اور جب رب العالمین تجھ سے اس وقت کا حساب لے گا تو تیرے پاس کیا ہوگا جو تجھے سرخرو ہونے میں مدد دے گا۔ نیک اعمال کر اور اپنے رب کو خوش کرنے کا چارا کر شاید وہ اپنی رحمتوں سے تجھے معاف فرمادے اور بخشش عطا کردے۔

تشریح:

شاہ حسین اپنے مخصوص انداز میں ہمیں خوابِ غفلت سے جگانے کی از حد کوشش میں مصروف ہیں مگر ہم تو سوئے ہی نہیں جو جاگ اُٹھیں گے کہ ہم تو بے حسی کی لپیٹ میں ہیں۔ اور اپنے نفس کی چادر اوڑھے ہوئے بے سدھ پڑے ہیں ہمیں صرف وہی کچھ نظر آتا ہے جو ہمارا نفس ہمیں دکھا رہا ہے وہی کچھ سوجھتا ہے جو ہمارا لالچ ہمیں سمجھاتا ہے۔ اور وہی کرتے ہیں جو ہماری ہوس کو مزید طاقت ور کرتا ہے پھر ہم کیسے اپنے محبوب حقیقی کو خوش کر سکتے ہیں ہمیں یہ احساس کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جو وقت ہمارے پاس ہے ہمیں پھر نہیں ملنے والا ہم آج ہی بلکہ ابھی اسی وقت سے اپنے اللہ کے سامنے جھک جائیں اور اُس کی رضا میں راضی رہنے کا گُر حاصل کرلیں کہ وہی ہے جو ہر نعمت عطا کرنے والا اور خطائیں بخشنے والا مہربان ہے۔ ہمارے باطن میں یا ظاہر میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب اُس کو خبر ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ اُس سے بخوبی واقف ہے۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں اُس کی تمام رپورٹیں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کراماً کاتبین مقرر کر رکھے ہیں جو ہر انسان کی اچھائی بُرائی کا مکمل حساب رکھے ہوئے ہیں اور روزِ حشر وہ تمام کام جو ہم کرتے رہے ہیں حرف بہ حرف رب العالمین کے سامنے پیش کردیا جائے گا اور وہ وقت دُور نہیں ——— مگر ہم کیا جواب دیں گے ہم نے تو اس لائق کچھ کیا ہی نہیں کہ ہم نے اپنے رب کو اُس کے دیئے ہوئے وقت سے تھوڑا سا وقت بھی نہ دیا جب کہ اس میں ہماری ہی بہتری اور بھلائی تھی ——— ہم نے نیک اعمال کی طرف توجہ تک نہ کی اور زندگی کو بے کار مصروفیات کے

حوالے کر دیا۔ ہوس، لالچ، مکر و فریب، خود غرضی اور غیر اخلاقی قدروں سے اپنے آپ کو آلودہ کر لیا۔ کبھی اگر قدرت کی طرف سے نیکی کا موقع ملا تو نظر بچا کر گزر گئے اور اللہ تعالیٰ تو دلوں کی حالت سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور ہماری نیتوں سے بھی شناسا ہے ہم اپنے آپ کو تو دھوکا دے سکتے ہیں مگر اپنے مالک کو کسی دھوکے میں رکھنا ہمارے بس میں نہیں کہ ایسا سوچتے ہوئے بھی ہم گناہِ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں، گویا ہم ایسی بے حسی کی نیند میں مبتلا ہیں کہ کسی کے جگانے پر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے اور یوں وہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی رحمتوں کی نوید سے عبارت ہے اور ہم اُس سے فائدہ اُٹھانے میں تساہل سے کام لے رہے ہیں یا ہم نے وہ راستہ ہی اختیار نہیں کیا جس پر چل کر ہمیں پروردگار کی محبتیں حاصل ہو سکتی ہیں ——— یہی نہیں کہ ہم اپنی زندگی کو انگاروں کے سپرد کرتے چلے جا رہے ہیں بلکہ ہم اپنے آئندہ کو بھی اللہ کی رحمتوں سے محروم رکھنے کا جرم کر رہے ہیں اور ہر وہ چیز حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کے ذرائع بروئے کار لا رہے ہیں جو فنا ہو جانے والی ہے اور ہمارے کسی کام آنے والی نہیں ——— یہ سب اس لئے ہے کہ ہماری سوچیں مثبت نہیں۔ اور منفی سوچ شیطان کی سوچ ہے ہم جس کے پیروکار بنتے ہوئے نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کے اہل نہیں رہتے بس کٹھ پتلی کی طرح اپنی ڈور نفس کے ہاتھ میں دے کر تمام زندگی اُس کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں اور جس کام کے لئے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا ہے اُس سے یکسر مُنہ موڑ لیتے ہیں۔

اے ہمارے رب، اے پاک پروردگار ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق عطا کر کہ ہم بھولے بھٹکے ہوئے تیری رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر پاتے۔ بے شک تو خطا کاروں کی خطائیں معاف کر دینے والا ہے اور قدرت والا ہے نہایت مہربان اور سچا ہمدرد ہے۔

آیئے شاہ حسین کی کافی سے مطابقت رکھتا ہُوا بلھے شاہ کی کافی کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے جس میں وہ بھی ہمیں یہی سبق دے رہے ہیں کہ زندگی کو غفلت کی بھینٹ نہ چڑھائیں اور اپنے رب کی طرف دھیان کریں۔

وچ غفلت جے تیں دن جالے
کت کے کجھ نہ لیو سنبھالے
باجھوں گن شوہ اپنے نالے
تیری کیونکر ہوسی گت کوے
کت کوے نہ وت کوے
چھلی لاہ بھڑولے گھت کوے!

(بلھے شاہؒ)

(137)

اُٹھ ہن ڈھول منا لے نی!

آخر پچھوتاسیں گوئیے! اُٹھ ہن ڈھول منا لے نی
لال سوہے تے ساوے بانے، کرلے گوئیے من دے بھانے
اک گھڑی شوہ مول نہ بھانے، جاسن رنگ وٹائے
کتھے نی تیرے نال دے ہانی، کلر وچ سبھ جائے سمانی
کتھے ای تیری اوہ جوانی، کتھے تیری حسن ہوائے
کتھے نی تیرے ترکی تازی، سائیں ہن سبھ گوڑی بازی
کتھے نی تیرا سونا رُپا، ہوئے خاک سواہے
کتھے نی تیرے مانک موتی، ویکھ اوہ تیری جج کھلوتی
کہے حسین فقیر نمانا، پو سائیں دے راہے!

الفاظ و معنی:

پچھوتاسیں ——— پچھتاوا، پچھتائے گی
ڈھول منا لے ——— محبوب کو راضی کر لے۔ اللہ کو خوش کر لے
لال سوہے ——— سُرخ
ساوے ——— سبز۔ ہرے
بانے ——— کپڑے
من دے بھانے ——— من پسند، دل کی خواہش۔ آرزو

نال دے ہانی ——— دوست یار۔ہم جولی۔ساتھ میں رہنے والے

گلروچ سبھ جائے سمانی ——— سب مٹی میں دفن ہو گئے۔مٹ گئے

حسن ہوائے ——— حسن کی ہوا۔حسن کی شہرت، چرچا

کوڑی بازی ——— جھوٹی بازی۔جھوٹ۔باطل۔بے وقعت و بے معنی

سوہنا رُپا ——— خوبصورتی۔دلکش روپ

ہوئے خاک سوا ہے ——— مٹی میں مل گئے۔تباہ و برباد ہو گئے۔مٹ گئے

مانک موتی ——— جہیز (مراد ہے نیک اعمال)

پو سائیں دے راہیں ——— اللہ کی راہ اختیار کر

ترجمہ:

آخر تجھے پچھتانا پڑے گا۔اُٹھ اور اپنے مالکِ حقیقی کو منا لے اُس کی سیوہ کر لے یہ تیرے سرخ و سبز لباس اگر تیرے محبوب کو پسند نہیں آئے تو بے کار ہیں۔تیرے ساتھی کہاں ہیں تُو نے دیکھا ہے کہ وہ سب کے سب زمین میں دفن ہو چکے ہیں اور تیری جوانی بھی گزر چکی ہے تیرا حسن جس کا اس قدر چرچا تھا ختم ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ بے کار ہے اگر تُو نے اپنے مالک کو خوش کرنے کا جتن نہیں کیا اور اُس کی رضا میں راضی نہیں ہوا تیرا روپ رنگ، ہار سنگھار سب بے کار ہو گیا ہے اور سب خاک ہو چکا ہے تو نے آج تک کوئی نیک اعمال نہ کئے اور نہ ہی اس طرف توجہ دی اسی لئے تیرے پاس اپنے اللہ کے حضور لے جانے کے لئے کچھ بھی نہیں اور آج تجھے لے جانے والے آ پہنچے ہیں اور تو خالی ہاتھ اور بے بسی کے عالم میں پچھتاوے کی آگ میں جھلس رہا ہے۔

شاہ حسین تجھے کہہ رہا ہے کہ اب اپنے اللہ کی راہ اختیار کر، یعنی اب اُسی کی طرف جانا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں موت سے پہلے کے لمحات میں انسانی سوچ کا

احاطہ کیا ہے اور اُسے احساس دلوایا ہے کہ جو کچھ تیرے پاس تھا سب کا سب ختم ہو چکا ہے، اب تیری موت تیرے انتہائی قریب ہے یعنی اب تو بھی ختم ہونے والا ہے۔ جب کہ تیرے ساتھی۔ حسن، جوانی، روپ رنگ ان میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اور جو کچھ باقی رہنے والا تھا تُو نے اُس کی طرف توجہ ہی نہیں کی بلکہ اُسے طرح دیتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ تیری زندگی ابھی بہت باقی ہے جب کہ ایسا نہیں تھا پہلے اپنے نفس کی غلامی میں زندگی کو غلط ڈگر پر چلالیا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل نہ کیا، نہ ہی اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی نیک اعمال اکٹھے کرنے کی تگ و دو کی، زندگی کو تو ایک دن ختم ہونا ہی تھا۔ اس لئے زندگی ختم ہونے کو آ گئی اب وقت باقی ہی نہیں رہا کہ نیک اعمال جمع کئے جائیں اور وجود میں طاقت باقی ہے اور نہ ہی مہلت، اب جو راستہ پاک پروردگار کی طرف جاتا ہے یعنی موت کا راستہ یہی اختیار ہو گا کہ صرف یہی ایک راستہ باقی ہے جس پر چلنا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زندگی گزارنے کے لئے ہم لوگ کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں اپنی سہولتوں کے لئے کن کن مراحل سے گزرتے ہیں اور ناکامی و کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ جب کہ ناکامی حاصل کرنے کی کوشش نہیں ہوتی بلکہ ہمارے طور طریقے ہماری کامیابیوں کو ناکامیوں میں بدل دیتے ہیں۔ یہ سارے جھگڑے، الجھنیں ہمارے اردگرد صرف اسی لئے اکٹھی ہوتی ہیں کہ ہم اپنے اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے خود پر یا کسی دوسرے پر بھروسہ کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے لئے پریشانیاں مول لے رہے ہوتے ہیں۔ جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور صرف وہی بھروسے کے لائق ہے اور وہی ہمارے تمام کام سنوارنے والا ہے۔ لیکن چونکہ ہم اپنے حق سے زیادہ چاہتے ہیں ہماری ہوس ہمیں ہمارے نفس کی تابع بنائے رکھتی ہے اس لئے ہم الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے پروردگار کی قدرت سے آنکھیں بند کئے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں، جس سے بچتے

کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں کی سعادت حاصل کرنے اور نیکوکاروں کی پیروی کرنے کے لئے شعور عطا کیا جس سے ہم نے استفادہ نہ کیا اور جب ہماری الجھنوں کی وحشتیں ہماری اپنی بساط سے بڑھنے لگیں تو ہم نے اللہ سے استفسار کیا کہ ہمیں نجات دے اور دوسرے ہی لمحے پھر اپنے آپ کو اُسی جہنم میں دھکیل دیا جس نے ہمیں جلا کر خاک کرنے کی ٹھان رکھی ہے —— کیا یہی ہمارا شعور اور سوچ سمجھ ہے کہ ہم انسان ہوتے ہوئے بھی انسان نہیں رہے اُسْ سے ناطہ توڑنے کی کوشش میں لگے رہے جس نے ہمیں پیدا کیا، اور ہمارے لئے بے بہا نعمتیں پیدا کیں جو ہمیں پُروقار طریقے سے عطا ہوئیں مگر ہم نے اُن کی قدر نہ کی، شکر تک ادا نہ کیا اور اپنی ہٹ دھرمی سے اپنی تباہی کے راستے پر چلتے رہے۔ جب کہ ہماری آنکھوں کے سامنے فنا ہونے والے فنا ہوتے رہے، ہم نے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور اپنی بے جا طلب میں اس قدر اضافہ کر لیا کہ اچھے بُرے کی تمیز سے بھی ماورا ہو گئے۔ آیئے لوٹ چلیں اپنے رب کی طرف کہ جہاں آسودگی، پیار، نعمتیں، رحمتیں غرض کہ اللہ کے بندوں کے لئے انسانی سوچوں اور توقعات سے کہیں زیادہ انعامات موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہمارے پاس کوئی مہلت باقی ہی نہ رہے۔ اور ہم اپنے نفس کی غلامی میں ہی موت کے سپرد ہو جائیں۔ اپنے معروضات کے حوالے سے آپ کی خدمت میں میاں محمد بخش کا عقل و نفس کا تقابلی جائزہ پیش ہے جو کئی تہوں سے پردہ اُٹھاتے ہوئے ہمیں سنبھلنے اور سنبھل کر چلنے کے اشاروں، کنایوں اور تلمیحات سے مرصع ہے ملاحظہ فرمایئے۔

نفس کہے میں کاہلا ہویا کجھرک توڑیں جرساں
لکھ مصیبت جھاک نہ ملیا، اَج ملے دِن مرساں
عقل کہے کیوں کملا ہویا عشقے لج نہ لائیں

اِتنی سختی اُگے جھلّیا گُج دن ہور لنگھائیں
نفس کہے ہن رِکھوں ملسی تاں کو دس سیہا
آس ہوندی دس پوندی اس دی اینویں جرنْ کیہا
عقل کہے ایہہ کم عاشق دا، عشقوں بس نہ کرنی
لا کے بازی بے اندازی اوڑک وار نہ ہَرنی
عقل کہے کھا کافی مرنا ہوندا کم شیطانی
بھار لگا تاں پنڈا تاری، بھلّی عشق دی بانی
نفس کہے فرہاد نے لایا آپ سرے نُوں تیشہ
اوہ مویا مردود نہ ہویا، میں بھی اوہ اندیشہ
عقل کہے فرہاد نے سُنیا شیریں گئی جہانوں
اوس جہان گیا سی ڈھونڈن مویا نہیں اوہ جانوں
نفس کہے کیوں مہینوالے نے ماری چھال جھناویں
مارو کانگ ڈُبی سی سوہنی کیوں جا پئی دریاویں
عقل کہے توں سمجھیں ناہیں اوہ مرنا رکت پاسے
دوئے ہِک دوجے ول ٹُھلّے گل ملن دی آسے
جس دن ہیر ویاہی کھیڑے، رانجھا وی مر جاندا
کاہنوں کن پڑواندے ٹِلّے، گل کفنی کیوں پاندا
ہو ہزاراں عاشق ہوئے ڈِٹھیے تے لاچاری
یار ملے بن، دوروں اُک کے چھری کسے نوں ماری

مراداں والا داعیہ کرکھاں رکھ اوہ پچھلی عادت
وانگ سسّی جے تُسا موئیوں تاں بھی عین شہادت
جے کر شرح اس گل دی دُور سخن ٹُر جاندا
کر کے صبر محمد بخشا قصہ چل سناندا
پنجریاں وچہ پئے تڑفدے جاء نہیں مُکلیری
پَر بھجے، سر گنجے ہوئے ظالم قید لمیری!

(میاں محمد بخش)

(138)

نام تیرے میں ہلی آں!

ٹسیں بئی نہ بھلو کائے، جے میں بھلی آں
پریم پیالہ ست گر دالا، پیوت ای میں جھلی آں
لوک لاج کل کی مریادا، ڈال سجن ول چلی آں
کہے حسین فقیر سائیں دا، نام تیرے میں ہلی آں!

الفاظ و معنی:

پیوت ـــــ پی کر
جھلی آں ـــــ مست ہوئی۔ جھومنے لگی
لوک لاج ـــــ دنیا کی عزت
مریادا ـــــ ریت۔ رسم۔ دستور
وَل ـــــ طرف
چلی آں ـــــ چلی ہوں
ہلی آں ـــــ بے خود ہونا۔ کھو جانا۔ کسی کام میں ڈوب جانا

ترجمہ:

تم مت بھولنا، اگر میں بھول گیا ہوں کہ اللہ کو یاد کرتے رہنا اسی میں عافیت ہے۔ میں نے جو راہ اختیار کی ہے وہ درویشی کی ہے جس پر چل کر دنیا داری سے تعلق نہیں رہتا اور دنیا کی عزت واحترام کی حاجت نہیں رہتی۔ بس ذکرِ الٰہی کے نشے میں چور ہو کر بے خود ہونا پڑتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے خالقِ حقیقی کے سپرد کر دینے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔

تشریح:

درویشی عطائے ربی ہے اور درویشانہ زندگی تقویٰ کی علامت۔ اور تقویٰ وہ وصف ہے جو اللہ تعالیٰ کے قُرب کی بشارت اور اُس کی بے پناہ رحمتوں کی نوید اور خوش کُن دلآویزیوں سے مزّین ہے۔ لہٰذا جو لوگ بھی اس راستے پر چلنے کے لئے آگے بڑھے ہیں اُنہوں نے اللہ کی مدد سے اُن مقامات کو سر کیا ہے جو درویشانہ زندگی میں کامیابیوں کی دلیل ہو سکتا ہے۔ اور سب سے بڑی کامیابی جسے اللہ والے کامیابی گردانتے ہیں وہ رب کائنات کی خوشنودی ہے جس کے حصول کے لئے کوئی بھی انسان صدقِ دل سے اپنے رب کی یاد میں مگن ہو جائے اور اُس کے عشق میں، ذکر میں، حمد وثنا میں اپنے آپ کو اس قدر ڈبو دے کہ اُسے اپنی ہوش تک باقی نہ رہے تو یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے بندے کو مایوس نہیں فرماتا ــــــ اور جب ہوش باقی نہ رہے تو نفس اپنی چال چلنے کے قابل نہیں رہتا اور بندۂ خدا پوری توجہ سے اپنے رب کے جلوؤں کی لطافتوں سے مسرور ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی ایک مقام ہے جو درویشی میں آتا ہے اور جس کا ذکر شاہ حسین سمیت کئی ایک صوفیا نے اپنے اپنے کلام میں کیا ہے۔ اور اپنے عہد کے لوگوں کو اسی راستے پر گامزن ہونے کی تلقین کی ہے کہ یہی سچا اور کھرا راستہ ہے جو منزلِ حق کی طرف جاتا ہے۔ بلھے شاہ اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں آیئے دیکھیے۔

اب ہم گم ہوئے
پریم نگر [illegible] والے کے [illegible] شہر
اپنے آپ نوں سوہدھ رہیا ہوں
نہ سر، ہاتھ نہ پیر
خودی کھوئی، اپنا پد چیتا
تب ہوئی گل خیر
تھے پگڑے پہلے گھر تھیں

کون کرے جز ویر
بُلھا شوہ ہے دوہیں جہانیں
کوئی نہ دِسدا غیر

(بلھے شاہ)

سلطان باہوؒ یوں گویا ہوتے ہیں۔

بے تے پڑھ کے فاضل ہوئے الف نہ پڑھیا کِسے ہُو
جیں پڑھیا تس شوہ نوں لدّھا، جان پڑھیا کُجھ تِسے ہُو
چوداں طبق کرن رُشنائی انھیاں کُجھ نہ دِسے ہُو
باجھ وِصال اللہ دے باہُوؒ، سبھ کہانی قِصّے ہُو!

(سلطان باہوؒ)

سچل سرمست اپنے انداز میں تائید فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیوں درویش سڈائیں سچل
توں کیوں درویش سڈائیں
وچ عبادت نا وچ طاعت کہیں سو ویل آئیں
کوجھے تیڈے کم سبھوئی، تاجاں سر وچ پائیں
اپنی راہ وی گم کیتوئی بنھاں واٹ وکائیں
ہادی مرشد مہر کریسی پاند تہیں در پائیں

(سچل سرمستؒ)

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا دوٹوک فیصلہ بھی آپ کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں

ملاحظہ فرمایئے۔

دِلوں محبت جن سی سچیا

جیں من ہور، مکھ ہور، سے کا ڈھے کچیا!

بے شک جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہیں وہی درویش ہیں اور جن کے دل میں کچھ اور ہے اور مُنہ پر کچھ اور وہ منافق ہیں۔

(139)

بھاؤ نہ منگدی مالوں!

سیئو میرا ماہی تاں آن ملاوو، کاہل ہوئی آں گھنی
بابل کولوں داج نہ منگدی، بھاؤ نہ منگدی مالوں
اکو رانجھن پل پل منگدی، چھٹے ہیر جنجالوں
روندی پکڑ بٹھائی کھارے، زوری دتی اُد لاواں
خونی کھیڑے دے گل بدھی، کوکاں تے کُرلاواں
تاریاں گِندی رات وہاندی، سُولاں دوس وہاوے
کرنگ صبر رانجھن دی سیوا، سپنے مل مل آوے
راتیں بھی کالی، مہیں بھی کالیاں، چریا لوڑن بیلے
کہے حسین فقیر نمانا، وچھڑیاں رب میلے!

الفاظ و معنی:

کاہل ـــــــ بے صبر۔ بے تابی، بے چینی
گھنی ـــــــ بہت زیادہ۔ شدید
داج ـــــــ جہیز
بھاؤ ـــــــ پیار
مالوں ـــــــ ماں سے
کھارے ـــــــ شادی سے پہلے دلہن کو تیار کرنے اور نہلانے کی رسم جسے شاہ

حسین نے دفنانے سے قبل کے غسل سے تعبیر کیا ہے

زوری دِتی ——— زور دیا۔ مجبور کیا

لاواں ——— شادی کے پھیرے۔ ہندوانہ رسم کے تحت دولہا دلہن اگنی (آگ) کے گرد سات چکر لگا کر ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔

خونی کھیڑا ——— ملک الموت۔ عزرائیل علیہ السلام

گل بدھی ——— سپرد کر دی گئی۔ حوالے کر دی گئی

کوکاں تے کرلاواں ——— آہ و پکار کرنا

تاریاں گندی ——— تارے گنتے ہوئے، جاگتے ہوئے

رات وہاندی ——— رات گزاری

سُولاں دوس وہائے ——— کانٹوں پر وقت گزارنا۔ نہایت تکلیف میں

کرنگ ——— کرنا

سپنے ل ل آوے ——— خوابوں میں مل کر آئے

چڑیالوڑن ——— کھانے پینے کی خواہش۔ عیش و عشرت کی تمنا

بیلے ——— جنگل

ترجمہ:

میں اپنے محبوب سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں سہیلیو! میرا محبوب مجھ سے ملا دو میں اپنے باپ سے جہیز نہیں مانگتی اور نہ ماں سے پیار کی طالب ہوں بس مجھے میرے مالک سے ملنے کی آرزو ہے جس کی دوری سے میری روح بے چین ہے۔

مجھے سسرال بھیجا جا رہا ہے اور زبردستی مجھے کسی کے سپرد کیا جا رہا ہے کوئی میری آہ و پکار نہیں سنتا میں نے رات تارے گن گن کر گزاری ہے اور کانٹوں پر نہایت اذیت سے وقت گزارا ہے میں اپنے مالک کی خدمت (عبادت) کرنا چاہتی ہوں۔ کہ وہ میرے

خوابوں میں آتا ہے ——— رات کی طرح نفسانی خواہشیں بھی کالی ہیں جو مجھے دنیا کے عیش و عشرت کی طرف راغب کر رہی ہیں مگر میں اس طرف نہیں آنے والی کہ مجھے اپنے محبوب کے قرب کی خواہش ہے۔

شاہ حسین اللہ کا عاجز بندہ بھی یہی کہتا ہے کہ بچھڑے ہوؤں کو اللہ تعالیٰ ملا دیتا ہے اس لئے میں بھی اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

تشریح:

ہر اللہ والے کی اللہ کی طرف لوٹنے کی شدید خواہش اس بات کی تصدیق ہے کہ انہیں دنیا کے دھندوں سے قطعاً دلچسپی نہیں۔ اور ہو بھی کیسے کہ اُنہیں جو کسک عشقِ الٰہی سے عطا ہوئی ہے وہ اس قدر ہے کہ دل و روح اُس کی گرفت سے نکلنے کا احساس تک بھی وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔ کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی کشش جو کائنات پر محیط ہے اور دوسری طرف دنیا کی کشش جو ایک ذرے سے بھی کم اہمیت کی حامل ہے تو ایسی صورت میں کسی کا بھی دھیان ذرے کی طرف کیوں کر جا سکتا ہے۔ اور کل کے حاصل میں جزو تو پہلے ہی سے موجود ہوتا ہے یہ راز جاننے کے بعد کوئی دیوانہ ہی ہو سکتا ہے۔ جو جزو کی خواہش میں کل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

شاہ حسین بھی کل کے خواہاں ہیں کہ وہ ہر شئے کو پرکھ کر دیکھ چکے ہیں اُنہیں اصل اور نقل میں امتیاز کا احساس ہے۔ اس لئے وہ ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقارب کی تمام محبتوں پر اُس خالقِ حقیقی کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں جس کے بغیر انسان اپنے انسان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے جلوؤں میں ڈوبے رہنے کی ارفع ترین سعادت مقدر والوں کے حصے میں آتی ہے۔ اور مقدر والے وہی ہیں جو اپنے نفس پر قابو پا کر اُن خواہشات سے چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں جو انہیں ذکرِ الٰہی سے دُور لے جانے والی ہوتی ہیں اور اُن کی روح کو گہنا دینے والی ہوتی ہیں ——— یہاں ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ جب اللہ اور بندے کے قرب میں گنجائش کا عمل دخل ہی

نہیں تو پھر دُوری کا سوال کیوں کر اُٹھتا ہے اور ــــــــــ اس دوری کا احساس کیوں؟ تو میرے خیال میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جوں جوں رب کریم اپنے کرم سے اپنے بندے کو نوازتا ہے بندے کی طلب اور زیادہ شدت اختیار کرتی چلی جاتی ہے جو ایک طرح سے کسی لا حاصل کے کرب سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور لا حاصل کے کرب سے مطابقت ایک طرح سے ایک طرح کی دوری کو اُجاگر کرتی ہے۔ اور اس دُوری کو بھی دُور کرنے کا اختیار پاک پروردگار کو ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

بلھے شاہ بھی اپنی ایک کافی میں اسی کرب سے دوچار ہیں۔ اور پکار رہے ہیں۔

کیہ بِکھا ہن پریم کہانی
جس تن لگے سو تن جانے
اندر جھڑکاں باہر طعنے
نیوں لا ایہہ سُکھ پایا اے
میرے ماہی کیوں چر لایا اے
نیناں کار رووَن دی پکڑی
اک مرناں دو جگ دی پھکوی
برہوں جند اوتی جکڑی
نی میں رو رو حال ونجایا اے
میرے ماہی کیوں چر لایا اے
میں پیالہ تحقیق لیتا اے
جو بھر کے منصور پیتا اے
دیدار معراج پیا لیتا اے
میں کھوہ تمیں وضو تجایا اے

میرے ماہی کیوں چر لایا اے

عشق مُلاں نے بانگ دیوائی
شوہ آون دی گل سنائی
کر نیت سجدے ول آئی
نی میں منہ محراب لگایا اے

میرے ماہی کیوں چر لایا اے

(بلھے شاہ)

(140)

اندر باہر اِکا سائیں!

سجنا! بولن دی جا ناہیں
اندر باہر اِکا سائیں، کس نوں آکھ سنائیں
اکو دلبر سبھ گھٹ رَوَیا، دوجا نہیں کدائیں
کہے حسین فقیر نمانا، ست گر توں بل جائیں!

الفاظ و معنی:

جا ——— جگہ
اِکا ——— ایک ہی۔ واحد۔ اکیلا۔ یکتا
گھٹ ——— دل
رَوَیا ——— داخل ہوا۔ بسا
کدائیں ——— کوئی نہیں
بل جائیں ——— قربان جانا۔ قربان ہونا

ترجمہ:

اے دوست۔ یہ بولنے کی جگہ نہیں۔ ہر طرف رب ہی رب ہے ظاہر میں اور باطن میں بھی اُسی کے جلوے ہیں وہ ہر دل میں بسا ہوا ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا کہ وہ واحد اور لاشریک ہے اللہ کا عاجز بندہ اللہ پر قربان ہو جانا چاہتا ہے یہی اُس کا امتیاز ہے۔

تشریح:

جہاں کہیں بھی احترام کی انتہا، محبت کی انتہا، عشق کی انتہا اور عجز کی انتہا ہوتی ہے

وہ مقام وہی ہوتا ہے جہاں کچھ کہا نہیں جا سکتا کچھ سوچا نہیں جا سکتا، کچھ پوچھا نہیں جا سکتا پس احترام، عشق اور عجز سے مدِ مقابل کے رُوپ اور جلوؤں سے مسرور ہو کر قربان ہو جانے کو دل چاہتا ہے۔ اُس کی حمد و ثنا، اُس کے ذکر سے لطف اندوز ہونے کی بھی فرصت نہیں ہوتی کہ پاک پروردگارؔ کے نورانی جلووں کی فرحت بخش لہروں میں تحلیل ہوتی ہوئی روح قربِ الٰہی تک وجدانی کیفیت و سرور سے محویت کا سفر طے کرتی ہوئی انتہائی لطافتوں سے ہمکنار ہوتی ہے اور اس سے آگے نہ تو لفظ ساتھ دیتے ہیں اور نہ ہی سوچ۔

(141)

سجن دے گال بانہہ اساڈی!

سجن دے گل بانہہ اساڈی کیونکر آکھاں چھڈ وے اڑیا*
پوستیاں دے پوست وانگوں، عمل پیا میرے ہڈ وے اڑیا
رام نام دے سمرن باجھوں، جیون دا کیہ حظ وے اڑیا
کہے حسین فقیر سائیں دا، صاحب دے لڑ لگ وے اڑیا

الفاظ و معنی:

پوستیاں ——— نشہ باز۔نشہ کرنے والے
پوست وانگوں ——— ایک جڑی بوٹی جس کو پینے سے نشہ ہو جاتا ہے
عمل پیا میرے ہڈ وے ——— نشہ میری ہڈیوں میں رچ گیا ہے
سمرن باجھوں ——— تسبیح کے بغیر۔ذکر کے بغیر۔ورد کے بغیر
جیون دا کیہ حظ ——— جینے میں کیا مزہ ہے
صاحب دے لڑ لگ ——— اللہ تعالیٰ کا ہو جا۔اپنے آپ کو مکمل طور پر اُس کی مختاری میں دے دے

ترجمہ:

میری باہیں میرے محبوب کے گلے میں ہیں میں کیسے کہوں کہ وہ مجھے چھوڑ دے جس طرح کسی نشئی کو نشہ لگ جاتا ہے اسی طرح مجھے عشق کا نشہ ہو گیا ہے۔اللہ کے نام کی تسبیح

---

* اس کافی کا پہلا مصرعہ اور کافی نمبر 13 کا پہلا مصرعہ دونوں ایک ہی ہیں۔

(بحوالہ کافیاں شاہ حسین پاکستان پنجابی ادبی بورڈ۔لاہور)

اور اُس کے ذکر کے بغیر زندگی کا کیا لطف، شاہ حسین اللہ کا بندہ تلقین کرتا ہے کہ اللہ کا ہو جا وہ تیرا ہو جائے گا۔

تشریح:

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(علامہ محمد اقبالؒ)

محمد ﷺ سے وفا اللہ سے وفا ہے اور جو اس معیار پر پورا اترتا ہے لوح و قلم تک اُس کے مطیع کر دیئے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی محبتوں اور رحمتوں سے اُس کو اس حد تک نوازتا ہے کہ بندۂ خدا کسی حاجت کا متمنی نہیں رہ سکتا۔۔۔ قریب قریب یہی صورتِ حال مندرجہ کافی میں بیان کی گئی ہے۔

بے شک ذکرِ الٰہی کے بغیر زندگی کا جواز مفقود ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں ان گنت نعمتوں سمیت بھیجا اور ہمیں ہماری ضروریات کی ہر شے نوازی جس کے عوض ہمارا فرضِ اول ہے کہ ہم اپنے رب کا شکر ادا کریں اُس کے سامنے جھکیں اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کا چارا کریں۔ کہ یہی زندگی کی اصل خوبصورتی ہے جسے ہم بھولے ہوئے ہیں اور مصنوعی خوبصورتی سے اپنے آپ کو سنوارنے کی کوشش میں آلودہ کیئے جارہے ہیں۔

شاہ حسین اللہ کی محبت اور اپنے آپ کو کلی طور پر اپنے رب کے سپُرد کر دینے کی تلقین کرتے ہوئے اپنی اُس کیفیت کا ذکر کر رہے ہیں جو اس مقام پر اُن کو حاصل ہوتی ہے۔ جسے اُنہوں نے ایک سرور آور نشہ سے عبارت کیا ہے۔ کہ شاہ حسین ایک سرُ ورانہ لب و لہجے کے لطیف ترین صوفی شاعر ہیں جو ہمارے رگ و پے میں سرائیت کر جانے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے ہو چکے ہیں اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ جہان اُس کے لئے بے معنی ہو جاتا ہے کہ قدرت نے

اُسے کئی جہانوں سے متعارف کروا دیا ہوتا ہے۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔

رتے عشق خدائے، رنگ دیدار کے

وسریا جیں نام، تے بھوئیں بھار تھیئے!

ایک دوہڑا سلطان باہوؒ کا اسی ضمن میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

جس دل اسم اللہ دا چمکے، عشق وی کردا ہلّے ہُو

بھا کستوری چھپدے ناہیں، دے رکھیئے سے پلّے ہُو

اُنگلیں پچھے دیہنہ نہ چھپدے، دریا ہندے ٹھلّے ہُو

اسیں اوسے وچ اوہ وچہ باہُو، یاراں یار سوّلے ہُو

(سلطان باہوؒ)

(142)

مویاں دی خبر نہ کائی!

کوئی دم جیوندیاں رشنائی، مویاں دی خبر نہ کائی
چونہہ جنیاں رل ڈولی چائی ساہورڑے پہنچائی
سس نناناں دیندیاں طعنے، داج وہونی آئی
قبر نمانی وچ وگن کہیاں، بنھ چلایا ڈاڈھے دیا وہیاں
رہیاں ہول ہوائیں
کہے حسین فقیر نمانا، دنیا چھوڑ ضروری جانا
رب ڈاڈھے قلم وگائی!

الفاظ و معنی:

چونہہ جنیاں ——— چار لوگوں نے مل کر
ساہورڑے ——— سسرال
داج وہونی ——— بغیر جہیز کے۔بغیر اعمال کے
وگن کہیاں ——— کیا کچھ بیتے
وہیاں ——— بہی کھاتے
ہوائیں ——— تمنائیں۔خواہشات
ڈاڈھے ——— اللہ تعالیٰ، جبار و قہار
قلم وگائی ——— جو کچھ لکھا جا چکا ہے

ترجمہ:

زندگی کی چند سانسیں جو باقی ہیں اسی کے ساتھ سب روشنی ہے۔ مرتے وقت کوئی پرسان حال نہ ہوگا بس چار آدمی مل کر جنازہ اُٹھائیں گے اور قبر میں اُتار آئیں گے قرآن اور احادیث طعنے دیں گی کہ میں نے ان کے ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نہیں سنوارا اور بغیر نیک اعمال کے مر گیا۔ قبر میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ دنیاوی خواہشات دم توڑ گئیں۔ اللہ کا فقیر اور عاجز بندہ شاہ حسین کہہ رہا ہے کہ اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ضروری ہے کہ رب کائنات کا یہی حکم ہے۔

تشریح:

جب تک زندگی ہے تب تک زندگی کے معمولات بھی اس کا حصہ ہیں اور جب موت آتی ہے تو ہر قسم کے معمولات از خود ختم ہو جاتے ہیں نہ تو کوئی پرسانِ حال ہوتا ہے اور نہ کوئی رشتہ دار اور دوست یار مددگار ثابت ہو سکتا ہے بے بس و لاچار میت کو قبر میں اُتار دیا جاتا ہے جہاں انسان سے اُس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس کا بندہ ہے۔ اگر تو اُس نے زندگی میں اچھے اعمال کیے ہوں گے اپنے رب کی حکم عدولی سے پرہیز کیا ہوگا اور دین الٰہی کی پابندی کی ہو گی تو یقیناً وہ اپنے اللہ کا بندہ ہونے کی تصدیق کرے گا اور اللہ کی رحمت سے قبر کے عذاب سے تحفظ نصیب ہوگا۔ کوئی بھی باشعور شخص ان باتوں سے بے گانہ نہیں اور نہ ہی اس حقیقت سے نا آشنا ہے کہ ایک نہ ایک دن موت کا واقع ہونا ضروری ہے اور یہ ٹل نہیں سکتی۔ ہم سے ہماری زندگی میں کیے گئے کاموں کا حساب بھی ضرور مانگا جائے گا ــــــ تو پھر نیک اعمال سے منہ پھیرنا اور منفی قدروں کی قدر داری میں اپنا آپ برباد کرنا اپنے ساتھ سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے۔ دنیا میں جو کچھ اکٹھا کیا گیا ہے سب یہیں رہ جانے والا ہے۔ پھر اتنا لوبھ کیوں آج تک کچھ بھی کسی کے ساتھ نہیں گیا اور نہ کبھی جا سکے گا۔ سوائے اعمال نامے کے۔

بلھے شاہ بھی ہمیں آنے والے وقت کی تصویر کشی سے متعارف کرواتے ہوئے

فرماتے ہیں۔

اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں
ایہہ سون تیرے درکار نہیں

اک روز جہانوں جانا اے
جا قبرے وچہ سمانا اے
تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے
کر چیتا مرگ وسار نہیں

تیرا ساہا نیڑے آیا اے
کجھ چولی داج رنگایا اے
کیوں اپنا آپ ونجایا اے
اے غافل، تینوں سار نہیں

توں ستیاں عمر ونجائی اے
تو چرخے تند نہ پائی اے
کیہ کرسیں؟ داج تیار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں!

(بلھے شاہ)

(143)

دنیا چھوڑ ضرورت جانا!

کائی بات چلن دی توں کر ووے، اتھے رہناں ناہیں*
ساڈھے ترے ہتھ ملکھ بندے دی، گور نمانی گھر ووے
اُچے مندر، سنہری چھجے، وچ رکھایا در ووے
جس مایا دا مان کریندا، سو دُوتاں دا گھر ووے
جاں آئی آ گیا، پربھ بلایا، ہوئے نمانا، تو چل ووے
آگے صاحب لیکھا منگے، تاں توں بھی کجھ کر ووے
کہے حسین فقیر ربانا، دنیا چھوڑ ضرورت جانا**
مرن تے اُگے مر ووے!

الفاظ و معنی:

کائی ـــــ کوئی

ساڈھے ترے ہتھ ملکھ بندے دی ـــــ ساڑھے تین ہاتھ زمین بندے کی ملکیت ہے یعنی قبر کی لمبائی جو انسان کے قد سے معمولی سی زیادہ رکھی جاتی ہے

مایا ـــــ دھن دولت

---

* کافی نمبر 54 کا پہلا مصرعہ بھی تھوڑی ترتیب کے ردوبدل سے یہی ہے۔

** کافی نمبر 142 کا چھٹا مصرعہ بھی معمولی فرق کے ساتھ ہے۔

مان کریندا ——— گھمنڈ کر رہا ہے۔غرور کر رہا ہے

ڈوتاں دا گھر ——— مصیبتوں کا گھر۔پریشانیوں اور الجھنوں کی جگہ

آ گیا ——— عقل، شعور، سُوجھ بُوجھ

پُربھ ——— مالک حقیقی، اللہ تعالیٰ

ہوئے نمانا ——— عاجز بن کر، جھک کر۔نہایت عجز کے ساتھ

آگے صاحب لیکھا مانگے ——— پروردگار تجھ سے حساب کتاب لے گا۔تجھ سے پوچھا جائے گا

فقیر ربانا ——— اللہ کا عاجز بندہ

دُنیا چھوڈ ضرورت جانا ——— ہر حال میں دنیا چھوڑ کر جانا پڑے گا

مرن تے اُگے مر ووئے ——— موت سے پہلے مرجا، مراد دنیاوی خواہشوں کو مار اپنے نفس کی پیروی چھوڑ اور اللہ کی بتائی ہوئی راہ اختیار کر

ترجمہ:

کوئی جانے کی بات کر اس دنیا میں کوئی نہیں رہ سکا تو بھی نیک اعمال سے جھولی بھر یہی تیرے کام آئیں گے تیری ملکیت تو صرف تیری قبر ہے۔یہ سنہری بالکونیوں والے محل اور یہ منارے سب کے سب بے کار ہیں یہ تیری ملکیت نہیں اور تو جس دھن دولت کے زعم میں ہے وہ بھی تیرا نہیں بلکہ تیرے لئے پریشانیوں کا موجب ہے۔

اللہ کا حکم آگیا ہے نہایت عاجزی سے اُس کی طرف چل کہ تجھے اُس کو حساب دینا پڑے گا۔جس جس طرح تُو نے جو جو پل گزارا ہے وہ سب کا سب تیرے اعمال نامے میں موجود ہے۔

شاہ حسین اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے کہ دنیا چھوڑ کر ہر کسی کو ضرور جانا ہے ——— اور جانا تو ہے ہی آج یا کل تو کیوں نہ دنیا کو پہلے ہی سے تیاگ دیں اور اللہ کے ہو کر اُس سفر کی تیاری میں لگ جائیں جو ہر حال میں کرنا ہے۔

تشریح:

شاہ حسین اپنی کئی کافیوں میں اس کافی سے ملتا جلتا مضمون باندھ چکے ہیں اس خیال کا بار بار اُن کی کافیوں میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا ذہن و دل اس حقیقت سے پوری طرح مربوط ہے اور وہ دنیاوی خواہشات کے چنگل سے بچنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آخرت کے لئے تیاری پر بھی زور دیتے ہیں۔

ہم آپ اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ہوس و لالچ کو عروج تک پہنچا دیا ہے اور نفس کی پیروی میں اپنی اصلیت تک کو فراموش کر دیا ہے جب اصلیت فراموش ہو جاتی ہے تو اپنے رب کی یاد کیسے آئے گی۔ اور جب کوئی اللہ کی یاد سے بیگانہ ہو جائے تو پھر مکروہ طاقتیں اُسے اپنی گرفت میں لے کر اپنے طریقے سے استعمال کرتی ہیں جس سے انسان اُس دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے جس سے نکلنا ممکن نہیں رہتا اور آخر کار جہنم کی تیز ترین آگ کا ایندھن بننا اُس کا مقدر بن جاتا ہے جب کہ یہ بات اُس کے ذہن میں ہوتی ہے کہ اُس کی جمع کی گئی تمام دولت، محل منارے، جائیداد سب کی سب یہیں رہ جانے والی ہے جب بھی اللہ کی طرف سے اُسے بلاوا آئے گا وہ کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکے گا اور اُس کی تمام تر محنت جو اُس نے ان بے سود چیزوں کو جمع کرنے کے لئے کی بے کار چلی جائے گی——اور وہ اپنے اللہ کے روبرو شرمسار ہو گا کہ اُس نے دنیا میں آ کر اپنے رب کو یاد نہ کیا ہر لمحہ اُس کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا رہا اپنے مطلب کے لئے اُس کی پیدا کردہ ہر چیز کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا رہا مگر شکر کے نزدیک تک نہ گیا بلکہ دوسروں کے حق پر بھی ڈاکہ ڈالتا رہا نفس کی حکمرانی میں اپنا آپ جان بوجھ کر تباہ کرتا رہا جب کہ اُس کے سامنے ہدایت کے لئے قرآنِ مجید جیسی کتاب موجود تھی اور اسوۂ حسنہ جیسی نور افروز مثالیں موجود تھیں مگر اُس کے غرور اور گھمنڈ نے اُسے بہکا دیا اور وہ اندھی خواہشات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ جنھوں نے اُسے دنیادار بنانے میں قطعاً کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

شاہ حسین اپنے اردگرد کی صورت حال سے اسی لئے دُکھی ہیں اور اسی کرب کے

حوالے سے لوگوں کو شعور بخشنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ان خواہشات سے اپنے آپ کو بچائیں کہ یہ دُنیا اُنہیں اُن کے فرائض سے غافل کر دینے والی ہے اور غفلت میں وہ اللہ کی ناراضگی مول لے لیں گے۔ پھر اُن کو عذابِ الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا——ایک دن تو سب نے مرنا ہے پھر یہ خواہشیں پالنے سے فائدہ کہ یہ کسی کے کسی بھی کام آنے والی نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب تک کوئی زندہ رہے یہ چمٹی رہیں اور اُسے اُس کے رب کی یاد سے بیگانہ کرتی رہیں اور دنیاداری کی چکاچوند میں لگا کر اُس کے سوچنے کی طاقت سلب کر لیں۔

آگے جانے کی تیاری صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اپنے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر کاربند ہو جائیں اور اُس کی رضا میں راضی رہیں۔ وہ خود بخود ہماری ضرورتیں پوری فرما دے گا (کہ وہ ہماری ہر ضرورت سے واقف ہے) اور ہمیں کسی ایسے عمل کو اپنانا نہیں پڑے گا جو ہمارے دل و دماغ میں ہوس کو اُجاگر کرنے کا سبب بنے اور یہ سارا وقت ہم اپنے اللہ کی عبادت میں گزار کر اُسے خوش کرنے کی کوشش کریں کہ اُس کی خوشی میں ہماری بخشش ہے۔ اور مرنے سے پہلے مرنے کا فلسفہ بھی ہمیں یہی درس دیتا ہے کہ ہم صرف اور صرف اللہ کی بندگی کریں اور اپنے نفس کی غلامی کو ترک کرتے ہوئے دنیاوی طلب کی آلودگی سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

آپ نہ طالب ہین کہیں دے، لوکاں طالب کردے ہُو
چونوں کھیپاں کردے سیپاں، قہر توں ناہیں ڈردے ہُو
عشق مجازی تِلکن بازی، پیر اَوّلے دھردے ہُو
اوہ شرمندے ہوسن باہُو، اندر روز حشر دے ہُو

(سلطان باہوؒ)

بے جاناں تِل تھوڑے، سنبھل بُک بھریں
جے جاناں شوہ نڈھڑا تاں تھوڑا مان کریں

(بابا فریدالدین گنج شکرؒ)

(144)

ایہہ جوبن ترا چار دیہاڑے!

وت نہ دنیا آون
سدا نہ پھُلے توریا، سدا نہ لگے ساون
ایہہ جوبن ترا چار دیہاڑے، کاہے کو جھوٹھ کماون
پیو کڑے دن چار دیہاڑے، البت ساہورڑے جاون*
شاہ حسین فقیر سائیں دا، جنگل جائے ساون

الفاظ ومعنی:

وت ——— پھر۔ دوبارہ
پھُلے توریا ——— بہار آئے۔ موسمِ بہار کا آغاز
جھوٹھ کماون ——— جھوٹ کو اپنانا۔ جھوٹ بولنا، سچائی کے راستے سے الگ ہونا
پیو کڑے ——— میکے، ماں باپ کا گھر
البت ——— آخر کار۔ ایک دن
ساہورڑے ——— سسرال
جنگل جائے ساون ——— قبرستان میں سما جانا۔ دفن ہونے کی جگہ

ترجمہ:

اس دنیا میں دوبارہ نہیں آنا ہوگا۔ ہمیشہ بہار نہیں ہوتی اور نہ ہی موسم برسات

* کافی نمبر 82 مصرعہ نمبر 3، 4۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ہمیشہ رہے گا یہ جوانی چار دن کی ہے کیوں جھوٹ کی بھینٹ چڑھاتا ہے نیکیاں کما۔ سچ کو اپنا۔ کہ تجھے اس دنیا کو چھوڑ کر رخصت ہونا ہے اور اپنے اصلی گھر کے لئے تیاری کر جہاں جا کر تجھے دفن ہونا ہے۔

تشریح:

یہ تو طے ہے کہ وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہتا ہے اور موسم اس کی رفتار کے تابع ہونے کے حوالے سے ایک سسٹم کے تحت اپنی اپنی باری پر اپنے اثرات سمیت نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یکسانیت نہیں رہتی اور اگر ایک ہی طرح کے موسم سے دوچار ہونا پڑے تو انسان بے زار ہو جائے کہ انہی حوالوں پر انسان کے اپنے تغیر کی اساس بھی ہے۔ یعنی ہم موسموں اور وقت کے اعتبار سے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں جو ہم آج ہیں کل نہیں تھے اور جو کل ہوں گے وہ آج نہیں ہیں۔ کہ ہمارا اپنا سفر بھی اسی وقت کی اکائی سے مماثل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک ہر لحظہ انسان تبدیلی کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ اور اندرونی و بیرونی عوامل بھرپور انداز میں اس پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں مکمل شعور سے ان مؤثرانہ قوتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اُن اثرات کو قبول کرنا چاہیے جو مثبت ہوں جو قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ ہوں کہ مثبت اساس ہی مثبت قوتوں کو جنم دے سکتی ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے راستے کو اپناتے ہوئے سفر جاری رکھنا نیکی کا عمل ہے اور اس کے برعکس شیطانی اعمال کی پیروی ہے جو ہمارے لئے کسی بھی حال میں بہتر نہیں اور کسی بھی طرح ہمیں تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ کہ جھوٹ کبھی خیر خواہی کی علامت نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے چار دن کی زندگی کو اس کی بھینٹ چڑھا دینے سے کیا حاصل کہ اس سے بچ کر ہم اپنے اللہ کے روبرو سرخرو ہو سکتے ہیں اور اس کو اپنا کر اپنے رب کے عذاب کو دعوت دے سکتے ہیں جو بڑا کرب ناک ہوگا۔

ہمارا وطیرہ بن چکا ہے کہ ہم حاصل شدہ متاع پر زعم کا شکار ہوتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے یہ ہمیشہ نہیں رہنے والا کہ کوئی شے ہمیشہ نہیں رہنے والی۔سب مٹی میں مل جانے والا ہے۔حُسن جو سب سے دلکش ہے جوانی جو ہماری جمالیاتی جس کی جان ہے۔اسی تغیر کا شکار ہونے جا رہی ہے جس کے تحت کائنات کی ہر شے ایک سفر میں ہے۔اور اُس وقت تک اُس میں ٹھہراؤ نہیں آ سکتا جب تک اُسے موت واقع نہ ہو جائے یعنی موت ایک ٹھہراؤ کا نام ہے۔اور ہر تبدیلی پہلی وضع قطع کی موت سے وجود میں آتی ہے اس طرح کائناتی سطح پر زندگی و موت ہمہ وقت اپنا اپنا کردار ادا کرنے میں مصروف ہیں۔اور یہ خام خیالی کہ کوئی شے موت کے پنجے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوسکتی ہے صرف خام خیالی ہی ہے۔اس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔تو کیوں نہ ہم اس تغیر کے قائل ہو کر زندگی کو سمجھیں اور اُسے اپنے اللہ کی عبادت میں گزاریں جس کی طرف ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے اور اُسے جواب دینا ہے کہ ہم اُس کے بندے بن بھی سکے یا نہیں۔

مندرجہ بے ثباتی پر میاں محمد بخش کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جو ہمارے یقین کو مزید مضبوط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مان نہ کریئو رُوپ گھنے دا وارث کون حُسن دا
سدا نہ رہسن شاخاں ہریاں، سدا نہ پھُل چمن دا
سدا نہیں مُرغابیاں بہناں، سدا نہیں سَر پانی
سدا نہ سیاں سیس گُندھاون، سدا نہ سُرخی لانی
لکھ ہزار بہار حُسن دی خاکو وچ سمانی
لاء پریت محمدؐ جس تھیں جگ وچ رہے کہانی

سدا نہ باگیں بُلبُل بولے، سدا نہ باغ بہاراں
سدا نہ حُسن جوانی قائم، سدا نہ صحبت یاراں
لوئے لوئے بھر لے کڑیئے جے تُوں بھانڈا بھرناں
شام پئی بن شام محمدؐ گھر جاندی نے ڈرناں

(میاں محمد بخشؒ)
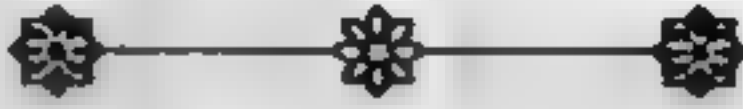
(145)

سُکھیا کوئی نہ سوندا ای!

رُوندا مُول نہ سوندا ای
جس تن درداں دی آہ، سو ای تن روندا ای
کنیاری دی سیج اپر، سُکھیا کوئی نہ سوندا ای
چارے پلے میرے چکڑ بوڑے، کیہڑا مل مل دھوندا ای
درداں دا دارو تیرے اندر وسدا، کوئی سنت طبیب بلوندا ای
کہے حسین فقیر سائیں دا، جو لکھیا سو ای ہوندا ای!

الفاظ و معنی:

کنیاری دی سیج اپر ——— کانٹوں کے بستر پر
سُکھیا ——— سُکھ کے ساتھ، آرام سے، سکون سے
چکو بوڑے ——— آلودہ، غلاظت سے بھرے (مراد گناہ گار)
دارو ——— علاج
سنت ——— درویش

ترجمہ:

آنکھ میں آنسو ہوں تو نیند کبھی نہیں آتی رونا ہی ہے جسے کوئی تکلیف ہو کانٹوں کے بستر پر کبھی کوئی سکون سے نہیں سو سکتا۔ میری چادر کے چاروں کونے کیچڑ سے آلودہ ہیں اُسے کون دھوئے گا۔ تیرے درد کا علاج تجھ میں ہی چھپا ہُوا ہے تجھے کسی حکیم کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی جو لکھا جا چکا ہے وہی ہو کر رہے گا۔

تشریح:

جب کسی گناہ کا احساس شدت اختیار کر جائے تو آنکھوں کا نم ہونا اور سوچوں کا منجمند ہونا قدرتی امر ہے۔ اور ایسے میں جس طرح روح دکھوں میں تحلیل ہوتی ہے اور کرب اپنے عروج پر ہوتا ہے اس کا اندازہ کسی دوسرے کو ہونا ممکن نہیں ــــ اور جب یہ اندازہ کوئی دوسرا کرنے سے قاصر ہوگا تو اس کا مداوا بھی کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہوگا بلکہ غم و آلام میں گھرے شخص کے اندر ہی اس کا علاج پوشیدہ ہوتا ہے۔ جس سے استفادہ کرنا اُس کی اپنی سمجھ بوجھ پر منحصر ہے مگر ان تمام کے ہوتے ہوئے بھی مقدر کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ جو کچھ روز اول سے پاک پروردگار نے جس انسان کے لئے فیصلہ فرمالیا ہے وہی اُس کا مقدر ہے اُس وقت تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ از خود اپنی رضا اور رحمتوں سے اُس میں تبدیلی نہ فرمادے۔

شاہ حسین کی اس کافی کی تصدیق میں راقم اپنے چند اشعار پیش کرنا چاہتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"جس تن لاگے سو تن جانے" اور نہ جانے کوئے
یاروں کے سنگ ہنسنے والا تنہا بیٹھ کے روئے

لہریں تیز کناروں جیسی کیسے اتروں پار
جس جس آس پہ آس لگی ہے وہ وہ آس ڈبوئے

بجھتی آنکھیں دیکھنا چاہیں پھر ساون اک بار
خواب تو خواب ہے، خواب کی خاطر کوئی کب تک سوئے

بس اک یہی ہے مرے پاس صبر کی صورت
ترے بچھڑنے کو قدرت کا فیصلہ سمجھوں!

(یوسف مثالی)

(146)

بھلی دُنیا پھردی پھولی!

حسینوں کس باغے دی مولی
باغاں دے وچ چنبا مروا، میں بھی وچ گندھولی
کوڑی دنیا، کوڑا مانا، بھلی دنیا پھردی پھولی
چھوڈ تکبر، پکڑ حلیمی، شاہ حسین پائے سمجھولی!

الفاظ و معنی:

کس باغے دی مولی ــــــ اصل میں حیثیت اور حقیقت کا نہ ہونا
چنبا مروا ــــــ دو پھولوں کے نام
گندھولی ــــــ بے کار جڑی بوٹی۔ بے معنی
کوڑی دنیا ــــــ جھوٹی دنیا
کوڑا مانا ــــــ جھوٹا فخر و گھمنڈ
دنیا پھردی پھولی ــــــ تکبرانہ انداز میں
چھوڈ ــــــ چھوڑ۔
پائے سمجھولی ــــــ سمجھ سے کام لے

ترجمہ:

اے شاہ حسین تو کس باغ کی مولی ہے تیری کیا حیثیت ہے اس دنیا میں تجھ سے بہت بڑھ کر لوگ موجود ہیں جو اللہ کے قرب سے مشرف ہیں۔ تُو تو بے کاری شے ہے جو کسی کے کام نہیں آسکتی دنیا ایک جھوٹ ہے اور اس کا تکبر و غرور بھی اس کی طرح جھوٹا ہے مگر یہ

نجانے کس زعم میں ہے، بہتر یہی ہے کہ سمجھ سے کام لے اور تکبر چھوڑ کر عجز اختیار کر کہ تیرے رب کو یہی پسند ہے۔

تشریح:

صوفیا نے عجز کو اپنے اپنے کلام میں خاص اہمیت دی ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا ایک سبب بندے کا عجز بھی ہے اور جب عجز، کے ساتھ ساتھ دنیاوی خواہشات سے بے زاری بھی ہو تو بندے کا رب العالمین کی توجہ کا مرکز بننے کے اعزاز سے نوازا جانا یقینی ہو سکتا ہے۔

ہر شخص اپنے آپ سے بہتر کسی کو نہیں جان سکتا اس لئے شاہ حسین اپنا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے شاہ حسین تیری اس دنیا میں کوئی حیثیت اس لئے نہیں کہ تجھ سے کہیں زیادہ معتبر، متبرک اور اللہ والے اس دنیا میں موجود ہیں جو اپنے رب کو خوش کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لئے جا رہے ہیں اور تو ابھی ان منازل سے آشنا ہی نہیں بلکہ تُو نے ابھی اُس راستے پر قدم ہی نہیں رکھا۔ سمجھ سے کام لے اور جلدی کر کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اپنے اللہ کو خوش کرنے کا جتن کر اپنے عجز سے اللہ کو راضی کر اور اُس کی رحمت اور کرم کا حق دار بننے کی کوشش کر بے شک پاک پروردگار نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

(147)

سر دیون دا چھوڑ بہانہ!

یا دلبر یا سر کر پیارا

جے تُوں ہیں مشتاق یگانہ، سر دیون دا چھوڈ بہانہ

دے دے لعل لباں دے لارے، سُولی اُپر چڑھ لے ہلارے

جیہناں سچ تینہاں لب نہیں پیارے، سچو سچ بھر ساچ تہارے

شاہ حسین، جیہناں سچ پچھاتا، کامل عشق تیہناں دا جانا

آئے ملیا تیہناں پیارا

الفاظ و معنی:

یا دلبر یا سر کر پیارا ــــ یا محبوب کو چُن یا اپنے آپ کو یعنی دونوں میں سے ایک کو اپنا

مشتاق یگانہ ــــ انوکھا طالب۔ سچا عاشق

لارے ــــ جھوٹی تسلیاں دینا

ہُلارے ــــ جھول جانا

سچو سچ بھر ساچ تُہارے ــــ جو سچ کا طالب ہو جائے سچ اُس کا ہو جاتا ہے

سچ پچھاتا ــــ حقیقت کو جان لیا

پیارا ــــ اللہ تعالیٰ محبوبِ حقیقی

ترجمہ:

دونوں میں سے ایک کو چُن لے یا محبوب کا سچا طالب بن جا یا اپنے آپ کی

پیروی کر کہ یہ دونوں کام بیک وقت نہیں ہو سکتے اگر تو سچا طالب ہے تو قربان ہو جا بہانے تلاش کرنے سے پرہیز کر اور عشق کی سُولی پر جھول جا کہ جن لوگوں نے سچائی کا ساتھ دیا ہے سچائی نے اُن کا ساتھ دیا ہے یعنی تو اللہ کا بندہ بن وہ تیرا بن جائے گا اور جس کا اللہ بن جائے اُسے اور کیا چاہیے کہ اُس کی تمام حاجات رب العالمین کے ذمے ہو جاتی ہیں اور دُنیا کی طلب سے یکسر بیگانگی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان خطاؤں کی طرف راغب ہو سکتا ہے اور سچ کو پہچانے اور اس سے مستفید ہونے کی بجائے جھوٹ کا سہارا اپنا سکتا ہے جو کبھی معتبر سہارا نہیں ہو سکتا۔ بے شک اللہ کریم اُس کو نوازتا ہے جو اُس کی نوازشوں کا سچا طالب اور حق دار ہوتا ہے۔

تشریح:

سنتے آئے ہیں کہ سچ میں بڑی طاقت ہے اور جب کبھی پرکھنے کے مواقع ملے تو دیکھنے سے اس بات کی تصدیق بھی ہوئی کہ سچ کو آنچ نہیں اور سچ غیر مدلل ہونے کے باوجود بھی سچ ہی ہے کہ یہ وصف ہے اُس بابرکت ذات کا جو کل کائنات کا مالک کامل ہے اور سچ کو اپنانے والا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے متبرک تصور سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یعنی پاک پروردگار کی طرف اُس کا دھیان جاتا ہے کہ سچ کا منبع وہی ہے اور سب سے پہلے بھی وہی ہے اس لئے سچائی کی تلاش کے حوالے سے محبوبِ حقیقی کی تلاش ہی سچے عاشق اور سچ کے علمبردار کا شیوہ ہے۔ اور جو شخص اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اور منفی اقدار کی یلغار سے گھبرائے بغیر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس کی جستجو میں آگے بڑھے گا اس کے لئے راستہ خود بخود کھلتا جائے گا اور وہ یقینی طور پر منزل مقصود کو حاصل کر سکے گا۔ کہ خدائے برتر و بالا اپنی طرف جھکنے والے کو اپنا سہارا عطا فرما دیتا ہے اپنی طرف بڑھنے والے کے لئے راستے کی الجھنوں کو دُور فرما دیتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ سچے جذبوں اور سچی لگن کے ساتھ اپنے اللہ کی طرف بڑھا جائے۔ کہ یہی انسان کا طرۂ امتیاز ہے۔

(148)

فانی سب جہان بندے!

آپ نوں پچھان بندے
جے تدھ اپنا آپ پچھاتا، صاحب نوں ملن آسان بندے
اچی ماڑی، سوئنے دی سیجا، ہر دن جان مسان بندے
اتھے رہن کسے دا ناہیں، کاہے کو تانے تان بندے
کہے حسین فقیر ربانا، فانی سبھ جہان بندے!

الفاظ و معنی:

صاحب ——— اللہ تعالیٰ
اُچی ماڑی ——— بلند و بالا عمارت، محل
ہر دن ——— اللہ کی یاد کے بغیر
مَسان ——— وہ جگہ ہندو لوگ جہاں مردوں کو جلاتے ہیں
کاہے کو تانے تان ——— کس بات کا غرور کرے

ترجمہ:

اے بندے اپنے آپ کو پہچان۔ اگر تو نے خود کو پہچان لیا تو اللہ تعالیٰ سے وصل آسان ہو جائے گا۔ کہ تو جو کچھ ہے صرف اُس کے کرم سے ہے ——— یہ محل، اور سونے کی سیج عیش و آرام یہ سب پاک پروردگار کی محبت اور اُس کے ذکر کے بغیر ایسے ہے جیسے آگ کے شعلے جن میں ایسا مردہ جسم جلا دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا حق دار نہیں ہوتا یعنی منکرِ خدا ہوتا ہے۔ یہاں کسی کو نہیں رہنا کہ یہ دنیا فانی ہے اور انسانی جسم بھی فانی ہے

پھر تو کس زعم اور غرور میں چہک رہا ہے شاہ حسین کی بات سن وہ اللہ کا بندہ تجھے بتا رہا ہے کہ سارا جہان فانی ہے پس پاک پروردگار ہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لئے اس جہان کے چکر میں نہ پڑ اور اپنے رب کی طرف دھیان دے کہ وہ ہی تیرا مالک اور تیرا رب ہے۔

تشریح:

اپنی شناخت کی منزلیں طے کرتے ہوئے ذرا غور فرمایئے تو آپ کا رب کائنات کی فنکاری اور مہارت پر فریفتہ ہونے کو جی چاہے گا اور یہ فریفتگی ہر فرد کے لاشعور میں موجود ہے کہ اُس کا اپنے آپ سے پیار کرنا اور خود کو سنوارنا، دیکھنا محسوس کرنا اپنی حفاظت کرنا سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ وہ اپنے رب کی کاریگری کا قائل ہے تو پھر واضح طور پر اس کا اقرار کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے اپنے حوالے سے ہی سہی اپنے رب کی پہچان تو ہوئی ——— یہی پہچان تو اللہ تعالیٰ کا قُرب ہے اُس سے وصال کا اعزاز ہے اور یہی طریقہ سب سے آسان ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی خوبیوں سے شناسا ہو اور اُس پر رشک کرے کہ سب خوبیوں کا مالک اُس کا بھی مالک ہے۔ اور میرے خیال میں جب اس سوچ کی لطافتوں کا اندازہ ہونے لگے گا تو دنیاوی دلکشی ہیچ لگے گی۔ خوبصورت سے خوبصورت شے اپنی کشش سے متاثر کرنے کی صلاحیت سے محروم رہے گی۔ کہ جس نظر میں اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کو دیکھنے کی متبرک خواہش جاگ رہی ہو اُسے اور کچھ بھی دیکھنے کی تمنا نہیں ہو سکتی ویسے جو انسان اللہ کی یاد سے بیگانہ ہے وہ تو انسان ہے ہی نہیں اُس میں تو شیطانیت داخل ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستوں سے انحراف کا مرتکب ہو کر غرور و تکبر کے راستوں پر چلنے لگتا ہے اور یہ راستے تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں، تباہی بھی ایسی کہ جس کے تصور سے بھی انسان کانپ اُٹھے، انسان تو کانپے گا ہی کہ اُسے یاد ہے کہ اُس نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور جس کام کے لئے اُسے نامزد کیا گیا ہے اُس کا حساب کتاب بھی دینا ہے۔ اور وہ ملی گئی مہلت میں اچھے اعمال کی فکر

کرتا ہے مگر نفس کا غلام تو اس سوچ سے ہی محروم ہوتا ہے اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ اُسے اپنے خیال سے بھی فیض یاب نہیں فرماتا اور وہ نامرادی کے عالم میں ہی جہان فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔

بے شک اللہ کی یاد کے سوا دل نہیں اور اُس کے ذکر کے بغیر زبان زبان نہیں اور اُس کی نعمتوں سے مُنہ موڑنے والا انسان نہیں شیطان ہے اور ان نفس پرست لوگوں سے تو علاقہ داری تک باعثِ پشیمانی و پریشانی ہے۔

سلطان باہو نے کیا خوبصورت دوہڑا کہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

نال کسنگی سنگ نہ کریئے، کُل نُوں لاج نہ لایئے ہو
تُمے مول تربوز نہ ہوون، توڑ کے لے جایئے ہو
کاں دے بچے ہنس نہ تھیندے موتی چوگ چگایئے ہو
کوڑے کھوہ نہ مِٹھے ہندے، سے ۱۰۰ مناں کھنڈ پایئے ہو

(سلطان باہوؒ)

(149)

چاٹی دئیں کھنڈ دی!

جیتی جیتی دنیا رام جی تیرے کولوں منگدی
گونڈا دئیں، سوٹا دئیں، کوٹھی دئیں بھنگ دی
صافی دئیں، مرچاں دئیں، بے مِنتی دئیں رنگ دی
پوست دئیں، باٹی دئیں، چاٹی دئیں کھنڈ دی
گیان دئیں، دھیان دئیں، مہما سادھو سنگ دی
شاہ حسین فقیر سائیں دا، ایہہ دُعا ملنگ دی

الفاظ ومعنی:

جیتی جیتی ——— اتنی بڑی
گونڈا ——— ایک برتن جس میں کسی چیز کو پیسا جاتا ہے
سوٹا ——— ڈنڈا۔ پینے کے کام بھی آتا ہے
بے مِنتی ——— بغیر پیمائش کے۔ بے شمار، ان گنت
باٹی ——— برتن، جس میں پانی وغیرہ ڈال کر پیا جاتا ہے
چاٹی ——— ایک بڑا برتن
گیان ——— علم، سوجھ بوجھ
دھیان ——— توجہ
سادھو ——— تارک الدنیا، درویش
سنگ ——— ساتھ

ترجمہ:

اے میرے رب میں تجھ سے اتنی بڑی دنیا میں سے صرف یہی کچھ مانگتا ہوں مجھے میری ضروریات کے مطابق عطا کر دے کہ مجھے میری ضرورت سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہیے۔ ہاں کسی اپنے خاص بندے کا قرب ضرور نصیب کر دے کہ اُس کے طفیل میں تیری خاص توجہ حاصل کرنے کے لائق بن جاؤں میری یہی دُعا ہے۔

تشریح:

نیک تمنائیں دعاؤں سے بندھی ہوتی ہیں اس لئے ان دونوں کا پورا ہونا باعثِ طمانیت ہوتا ہے کہ ان میں لالچ و حرص کے عناصر نہیں ہوتے محض جائز ضرورت ہوتی ہے جو نفسِ انسانی کی محتاج نہیں ہوتی اللہ کی رضا کی محتاج ہوتی ہے اور جو اللہ تبارک تعالیٰ کی محتاجی کا شرف حاصل کر لے اُس کی کامیابی یقینی ہے۔

آپ یقیناً شناسا ہیں کہ جو لوگ اپنی ضرورتوں کی احتیاج سے بے نیاز ہو جاتے ہیں وہ در اصل درویشانہ اوصاف کے مالک بن جاتے ہیں۔ شاید اسی لئے دنیا والے درویشی کو مشکل ترین کام سمجھتے ہیں۔

(150)

جو ہونی سو ہوئے!

سبھ ول چھاڈ کے توں اکے ول ہوئے
ول ول دے وچ کئی ول پیندے، اک دن ویسیں روئے
اوکھی گھاٹی، بکھڑا پینڈا، ہن ہی سمجھ کھلوئے
چھوڑ تکبر، پکڑ حلیمی، پوی کڈاہیں سوئے
کڑک نہ کپر شوہ دریاواں، تھیو مہانا بیڑی ڈھوئے
کہے حسین فقیر نمانا، جو ہونی سو ہوئے

الفاظ و معنی:

چھاڈ کے ــــــ چھوڑ کر
اکے ول ہوئے ــــــ ایک کی طرف ہو جا
وَل ــــــ اُلجھن، الجھاؤ
اوکھی ــــــ مشکل
بکھڑا پینڈا ــــــ غیر موافق راستہ، کٹھن راستہ۔ دشوار گزار رہگور
کڈائیں ــــــ کبھی
کڑک ــــــ ہیبت ناک شور
کپر ــــــ شدی تیزی
شوہ دریاواں ــــــ گرداب بھنور
تھیو ــــــ بن جا

مُہانا ——— ناخدا، ملاح

بیڑی ڈھوئے ——— کشتی چلانا

جو ہونی سو ہوئے ——— جو کچھ ہونا ہے ہو جائے

ترجمہ:

اے بندے تو سب کا دھیان چھوڑ کر صرف اپنے اللہ کی طرف دھیان کر دوسری جانب اپنے دھیان کو نہ الجھا کہ ایک ایک الجھن میں کئی کئی الجھنیں ہیں کہیں ایسا نہ ہو تجھے رونا پڑے اور پچھتانا پڑے۔ تکبر کو چھوڑ کر عجز کو اپنا لے کہ اسی میں تیری عافیت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے جو تجھے تیری اصل منزل کی طرف لے جائے گا اب دریاؤں میں وہ پہلے سا شور نہیں اور نہ ہی وہ تندی و تیزی اور بھنور ہیں تجھے چاہیے کہ تو اپنی کشتی خود چلا کر کنارے پر لے جائے۔

شاہ حسین عاجز بندے کی بات پر غور کر، جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اس لئے تو اس کی فکر میں اپنے اصل راستے سے نہ بھٹک ——— بلکہ اپنے اللہ کی یاد میں لگا رہ۔

تشریح:

ہم آپ جانتے ہیں کہ جب ہمارا دھیان مختلف چیزوں میں بٹ جاتا ہے تو ہم پوری طرح سے ایک بھی چیز کے بارے میں سمجھ نہیں پاتے۔ اور سمجھنے کے لئے الجھتے چلے جاتے ہیں ہماری یہ الجھن ہمارے دھیان میں آئی ہوئی چیز کی غیر واضح صورتِ حال کی نشاندہی کرتی ہے مگر ہم پھر بھی الجھنے کو ترجیح دیتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جاتے ہیں اور لاحاصل کو حاصل کی سطح پر لانے کی بے معنی کوشش میں وقت ضائع کرتے ہیں ——— میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم تحقیق اور پرکھ سے ہاتھ کھینچ لیں اور اپنی کوششوں کو محدود ترین کر دیں بلکہ کہنا یہ مقصود ہے کہ اُن غیر واضح منزلوں کی طرف سفر نہ کیا جائے جو محض دھوکا ہیں اور ایک سطح پر ہمارا شعور ہمیں یہ رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ ہم کسی فریب کا شکار ہوتے ہوئے غلط طرف جا رہے ہیں مگر ہماری انا ہمیں اپنی شکست

قبول نہیں کرنے دیتی اور ہماری ہٹ دھرمی ہمیں مکمل تباہی کی طرف لے جانے میں پوری کامیابی سے اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

شاہ حسین اسی صورتِ حال کے برعکس ہمیں ایک ایسا راستہ دکھا رہے ہیں جو سچا کھرا اور الجھنوں سے پاک ہے۔ اور وہ راستہ اپنے رب کی طرف دھیان کا، راستہ ہے جس کی وساطت سے اپنے اللہ کی عبادت کا بھرپور لطف اُٹھایا جاسکتا ہے اُس کی حمد و ثنا سے اپنے آپ کو معطر کیا جاسکتا ہے اُس کے سامنے جھک کر اُس بلندی کو پایا جاسکتا ہے جو عجز کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور یہ بلند مقام وہ ہے جہاں ہونی اپنے اثرات مرتب نہیں کرسکتی۔ جہاں صرف رب العالمین کا ذکر اور اُس کی رحمتوں اور برکتوں کی بہار ہے جس کے طفیل اُس کا ذکر کرنے والوں کے دل ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

آیئے خود تجزیہ کیجئے کہ ہمیں کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے الجھنوں میں الجھنے والی یا سیدھی اور صاف ظاہر ہے سیدھی اور صاف راہ پر کون نہیں چلنا چاہے گا مگر اس کے لئے اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے یعنی اُس انسان کو مارنا پڑتا ہے جو نفس کا غلام ہو۔ غلط اقدار کا پیروکار ہو، فریب کاری کا دلدادہ ہو مطلب پرست اور اللہ پاک کے حکم پر چلنے سے گریزپا ہو ـــــ اور اس کا مرنا مشکل نہیں کہ عجز سے مذکورہ باطل قوتوں کا خاتمہ ممکن بھی ہے اور آسان بھی۔ رب العزت نے عجز کو بے پناہ طاقت اور وقار سے نوازا ہے۔ جس کا اندازہ کوئی اللہ کا عاجز بندہ ہی کرسکتا ہے اور شاہ حسین بھی اس کے اہل ہیں۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ اپنے اشلوک میں فرماتے ہیں

فریدا من میدان کر، ٹوئے ٹِبے لاہ
اگے مول نہ آوسی، دوزخ سندی بھاہ

(اے فریدا! اپنے من کو اونچ نیچ (نشیب و فراز) میں نہ الجھا، سیدھی راہ اختیار کر جس پر دوزخ کی تپش نہ ہوگی۔

اور ہم اکثر اپنے پروردگار سے بھی تو دعا کرتے ہیں کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○

(ہم کو سیدھا راستہ دِکھا)

(سورہ فاتحہ آیت ۵)

سیدھا راستہ صرف اور صرف اللہ کی طرف جانے والا ہے۔ اور دنیاوی راستہ الجھنوں میں الجھانے والا نشیب و فراز اور غیر ہموار و غیر موافق اور گمراہ کرنے والا ہے۔
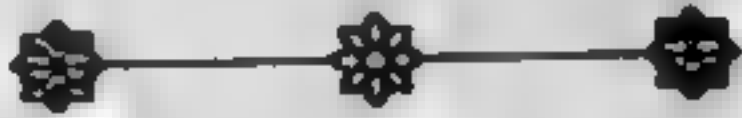
(151)

جو آہا سو آہا!

انی حسینوں جلاہا، نہ اس مول نوں لاہا

نہ اوہ منگیا، نہ اوہ پرنایا

نہ اوس گنڈھ، نہ ساہا

نہ گھر باری، نہ مسافر

نہ اوہ مومن، نہ اوہ کافر

جو آ ہا، سو آ ہا!

الفاظ و معنی:

اَنی ——— اے

حسینو ——— شاہ حسینؒ

منگیا ——— نسبت ٹھہرائی گئی۔ منگنی کی گئی

پرنایا ——— شادی کی گئی

گنڈھ ——— شادی کا دن مقرر ہونا

ساہا ——— شادی کا دن

نہ گھر باری ——— بے گھر و بے ٹھکانا ہونا

جو آہا، سو آہا ——— جو ہے سو ہے

ترجمہ:

اے لوگو! حسینو جلاہا۔ جو سوز و زیاں سے شناسا نہیں نہ تو اس کی کہیں نسبت ٹھہرائی

گئی اور نہ ہی شادی ہوئی نہ دن مقرر ہوئے اور نہ شادی کا دن آیا نہ کوئی اس کا گھر ہے نہ ٹھکانا اور نہ ہی یہ مسافر ہے کہ اس کی کوئی منزل ہوگی یا کوئی راستہ ہوگا۔ نہ منزل نہ رستہ نہ گھر نہ ٹھکانا گویا یہ کہیں کا بھی نہیں نہ مومن ہے نہ کافر ہے مگر ہے ضرور اور جو کچھ بھی ہے سو ہے!

تشریح:

اس کافی میں شاہ حسین نے انتہائی کرب ناک صورتِ حال کی وضاحت کی ہے جو محرومیوں سے بھری پڑی ہے۔ یاد رہے کہ اللہ والوں کی محرومیاں دنیاوی نہیں ہوتی چونکہ اُن کا صرف اپنے رب سے ناطہ ہوتا ہے اس لئے اُن کی محرومیاں بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قرب اور بے پرواہی و بے نیازی سے متعلق ہوتی ہیں جن کا اپنی جگہ ایک سرور اور نشہ ہوتا ہے جو لطافتوں سے بھرپور اور بے پناہ محبتوں سے معمور ہوتا ہے۔ مگر محبوب کی طلب اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہوتی ہے اس لئے طلب کی شدت اور احساسِ محرومی کی شدت یکساں مقام حاصل کر چکی ہوتی ہیں جہاں دل بے قابو ہو جاتا ہے اور سوچ معذور اور زباں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ میں اگر کچھ ہوں تو کیا ہوں اور کچھ نہیں ہوں تو کیا نہیں ہوں پس جو ہوں سو ہوں!

اور اس اُلجھن کو پاک پروردگار ہی سُلجھانے والا ہے!

(152)

سبھ میں آپ سمایا!

پایا نی، میں پایا نی، میں اپنا پیا پایا
عرش، کرسی، پوّن، پانی، سبھ میں آپ سمایا
کل شیاً محیط کہایا، کنت کنزاً آکھ سنایا
کہے حسین ایہہ مرم اسانوں، شاہ جلال* بتایا

الفاظ و معنی:

پیا ——— محبوب
پوّن ——— ہوا
کل شیاً محیط ——— تمام کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے، قادر مطلق
کنت کنزاً ——— چھپا ہوا خزانہ۔ پوشیدہ خزانہ
آکھ سنایا ——— کہہ سنایا۔ بتایا
مرم ——— بھید۔ راز

ترجمہ:

میں نے اپنا محبوب پا لیا ہے، آسمان، ہوا، پانی سب جگہ وہ ہی وہ ہے ہر چیز پر قادر ہے ہر جگہ چھپا ہوا ہے جیسے خزانہ، اور مجھے یہ راز شاہ جلالؒ نے بتایا ہے۔

---

* شاہ حسین کے ہم عصر، جن سے شاید شاہ حسین نے کوئی فیض حاصل کیا ہے جس کا اظہار انہوں نے مندرجہ ذیل کافی میں کیا ہے۔

تشریح:

ظاہر ہے جو ہر جگہ موجود ہو زمین و آسمان میں ہواؤں میں پانی میں اُسے ڈھونڈنا مشکل کام نہیں جدھر بھی دیکھو وہی وہ دکھائی دے گا اور یہ وصف اور ملکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ وہ قادر مطلق ہے اور ہر شے پر محیط ہے اور اپنے جلووں سے کائنات کو سنوارے ہوئے ہے۔ اور چھپا ہوا ہے جیسے خزانے یہ راز ایک بندہ درویش نے شاہ حسین کو بتایا جن کی قدر و منزلت کا اعتراف شاہ حسین نے اپنی اس کافی میں کیا ہے۔

شاہ حسین کی مذکورہ کافی کی تقویت میں بلھے شاہ کی ایک کافی پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ ملاحظہ فرمایئے۔*

بن میں ساجن پائیوئی
ہر ہر دے وچ سمائیوئی

انا احد دا گیت سنائیو
انا احمد ہوں پھر فرمائیو
انا عرب بے عین بتائیو
پھر نام رسول ﷺ دھرائیوئی

ثم وجہ اللہ نور تیرا
ہر ہر کے وچ ظہور تیرا
ہے الانسان مذکور تیرا
ایتھے اپنا بھیت لوکائیوئی

توں آئیوں تے میں نہ آئی
کنج تھی دی تیں مرلی بجائی

* منقول صفحہ 191 - کافی 75 کلیات بلھے شاہ (الفیصل)

آکھ الست گواہی چاہی
اوتھے قَالُو بَلٰی سنائیوئی

پرگٹ ہو کر نُور سمائیو
احمد توں موجود کرائیو
ناٶدوں کر بُود دکھائیو
نَفَخْتُ فِیْهِ سنائیوئی

نَحْنُ اَقْرَبُ لکھ دتیوئی
هُوَ مَعَکُم سبق دتیوئی
وَ فِی اَنْفُسِکُم حکم کیتوئی
پھر کیہا گھونگھٹ پائیوئی

بھر کے وحدت جام پلائیو
منصورے نوں مست کرائیو
اُس توں اَنَ الْحَق آپ کہائیو
پھر سُولی پکڑ چڑھائیوئی

گھونگھٹ کھول جمال دکھایا
شیخ جُنید کمال سدایا
لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ حال بنایا
اشرف انسان بنائیوئی

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا یاد کرائیو
لا اِلٰہ دا پردہ لائیو

اِلّا اللہ، کہو جھاتی پائیو
پھر بُھلّا نام دھرائیوئی
سیو بن میں ساجن پائیوئی
ہر ہر دے وچ سمائیوئی!
(بُلھے شاہؒ)
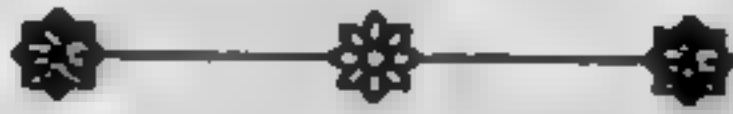
(153)

تاریں ربا وے!

تاریں ربا وے! میں اوگن ہاری

سبھ سیاں گُن ونتیاں، تاریں ربا وے! مَیں اوگن ہاری*

بھیجی سی جس بات نوں، پیاری ای، ساری بات وساری*

رل مل سیاں داج رنگایا، پیاری ری، میں رہی کواری

انگن کوڑا وت گیا مڑ دے بہاری**

بھے سائیں دے پربت ڈردے، میں ہاں کون وچاری*

کہے حسین سہیلو! عملاں باجھ خواری

نوٹ: یوں لگتا ہے اس کافی کو مختلف کافیوں سے مصرعے لے کر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے مرتب خود شاہ حسین ہیں یا کوئی اور اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ پہلے اس کافی کے بیشتر حصے کی تشریح کر دی گئی ہے اس لئے یہاں مذکورہ کافی کو محض آپ کے مطالعہ کے لئے بغیر فرہنگ و تشریح شامل کیا گیا ہے۔

(یوسف مثالی)

* یہ مصرعے کافی نمبر 51 سے لئے گئے ہیں۔

** یہ مصرعہ کافی نمبر 41 سے لیا گیا ہے۔

(154)

نال سجن دے رہیے!

نال سجن دے رہیے*
جھڑکاں، جھباں تے تقصیراں، سو بھی سر تے سہیے
جے سر کٹ لین دھڑ نالوں، تاں بھی آہ نہ کہیے
چندن زُکھ لگا وچ ویڑھے، زور دھگانے کھہیے
کہے حسین فقیر سائیں دا، رب دا دتا سہیے!

* کافی نمبر 25 آپ ملاحظہ کر چکے ہیں یہ کافی اُسی کی دوسری صورت ہے۔ جو لفظوں کی ترتیب سے بدلنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسی صورت میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا اس کافی کی تشریح کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔
کافیاں شاہ حسین ـــــ مرتب محمد آصف خان ـــــ پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے اسی طرح نقل کی گئی۔

(155)

گلاں کرن سکھالیاں!

اک دن تینوں سپنا بھی ہوسن، گلیاں بابل والیاں
اُڈ گئے بھور پھلاں دے کولوں، سن پتراں سن ڈالیاں
جنگل ڈھونڈیا، میں بیلا ڈھونڈیا، بوٹا بوٹا کر بھالیاں
کتن بیٹھیاں وت وت گھیاں، جیوں جیوں کھسم سمجھالیاں
سے ای راتیں لیکھے پیاں، چکے نال متراں دے جالیاں
جت تن لگی، سو ای تن جانیں، ہور گلاں کرن سکھالیاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، برہوں تساڈے جالیاں!

کافی نمبر 9 ملاحظہ فرمایئے یہ کافی اسی سے مستعار معلوم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے بھی بغیر تشریح ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

(156)

میںڈی لاج تیں پر آہی!

ڈاڈھا بے پرواہ میںڈی لاج تیں پر آہی *

ہتھیں مہندی، پیریں مہندی، کھارے چا بہائی

سس نناناں دیندیاں طعنے، داج وہونی آئی * *

سنے منے، دائم رنے، چرخے جیو کھپایا

بی بی پچھی، دائم پچھی، کت کت جس وچ پایا

بھونڈیاں جھونڈیاں چھلی کتی، کاگ پیالے جایا *

رات اندھیری، گلیں چکو، ملیا یار سپاہی *

شاہ حسین فقیر سائیں دا، ایہہ گل سجھدی آہی! *

---

* یہ چاروں مصرعے کافی نمبر 122 سے لئے گئے ہیں۔

** یہ مصرعہ کافی نمبر 142 سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کافی کو بغیر تشریح و فرہنگ کے ہی قبول فرمائیے!

نوٹ: مزید دس کافیاں اسی حوالے سے کتاب میں شامل نہیں کی گئیں کہ اُن کے مصرعے دوسری کافیوں سے مستعار ہیں اور اُن کے صحت مند ہونے میں کافی حد تک شبہ کی گنجائش موجود ہے۔

(یوسف مثالی)

(157)

جیوں بھاوے تیوں تاری دا*!

متراں دی مجمانی خاطر دل دا لوہو چھانی دا
کاڈھ کلیجہ کیتا بیرے، سو بھی ناہیں لائق تیرے
ہور توفیق نہیں کجھ میرے، اک کٹورا پانی دا
سیج سُتی نینیں نیند نہ آوے، ظالم برہوں آن ستاوے
لکھاں کتاب بھیجاں در تیرے، دل دا حرف پچھانی دا
راتیں ورد دینہیں درماتی، ہن نیناں دی لائی آ کاتی
کدی تے موڑ لے پادو جھاتی، ویکھو حال نمانی دا
جیوں بھاوے، تیوں کر پیارا، ایہناں لکیاں دا پنتھ نیارا
راتیں دینہیں دھیان تمہارا، جیوں بھاوے تیوں تاری دا
تیرے کارن میں پھراں آزادی؛ جنگل ڈھونڈیا میں پیر پیادی
رو رو نین کرن فریادی، کیہا دوس نمانی دا
دُکھاں سولاں رل ایکا کیتا، نہ کوئی سوہرا نہ کوئی پیکا
آس رہی ہُن تیری ایکا، پلاّ پکڑ یانی دا
کہے حسین فقیر کراری، درد ونداں دی چال نیاری
ایہا ویدن میں تن بھاری، اگے بچ پچھانی دا

---

* کافی نمبر 43 اس کافی کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

الفاظ و معنی:

جتراں ——— دوستوں یاروں

مجمانی ——— میزبانی۔ آؤ بھگت۔ خدمت گذاری۔ تواضع

کارن ——— کی خاطر

لوہو ——— لہو، خون

بیرے ——— ٹکڑے

نینیں ——— آنکھوں میں

برہوں ——— جدائی۔ فراق

کتاب ——— مراد خط۔ چٹھی

ڈینہیں ——— دن کے وقت

درماتی ——— پریشانی۔ الجھن

کاتی ——— کاٹنے والی تیز دھار چیز۔ چھری وغیرہ

پاؤ جھاتی ——— ایک نظر دیکھو

جیوں بھاوے ——— جیسے پسند ہو۔ خواہش کے مطابق۔ جو چاہے

لگیاں ——— تعلق۔ عشق و محبت۔ لگاؤ

پنتھ نیارا ——— انوکھا مذہب، انوکھا طور طریقہ۔ الگ سے ہونا

پَیر پیادی ——— پیدل

کیہا دوس ——— کیا قصور۔ کیا خطا

سُولاں ——— کانٹے

ایکا ——— ایک۔ صرف

پلّا پکڑا ایانی دا ——— معصوم کو سہارا دے۔ ناسمجھ کی رہنمائی فرما اور سمجھ سے نواز

دردونداں ———— دردمند۔ جو کسی روگ میں مبتلا ہو

ایہاویدن ———— یہی بیماری۔ یہی تکلیف۔ یہی روگ

ترجمہ:

دوستوں کی میزبانی کے لئے ہم نے اپنا لہو چھانا ہے اور اپنا کلیجہ نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کرلیا ہے کہ اُن کی تواضع میں کمی نہ رہ جائے مگر یہ بھی اُن کے لائق نہیں اور اس سے بڑھ کر میری ہمت نہیں ایک پیالہ پانی کا پیش کر سکتا ہوں۔

بستر پر لیٹوں تو نیند نہیں آتی تیری جدائی ساری رات ستاتی اور پریشان کرتی ہے میں تجھے خط لکھنا چاہتا ہوں کہ شاید میرے دل کا حال تو جان سکے۔ رات کو درد اور دن کے وقت پریشانی ہے کہ تیری نگاہوں کا زخمی ہوں ———— کبھی مڑ کے آ اور مجھے دیکھ کہ میرا کیا حال ہو گیا ہے۔ جو تو چاہتا ہے کرتا ہے میں تیرے بھروسے پر ہوں مجھے پار لگانا تیرے ہی اختیار میں ہے۔

میں آزاد پھر رہا ہوں اور جنگل جنگل تیری تلاش میں ہوں اور میری آنکھوں کے آنسو نہیں سوکھتے میرا کیا قصور ہے میں نے کیا خطا کی ہے کہ دکھوں اور تکلیفوں نے مل بھگت سے مجھے بے آسرا کر دیا ہے اور اب مجھے صرف تیری ہی آس ہے تو ہی میری رہنمائی فرما اور مجھے ان تکلیفوں سے نجات دے۔ کہ پریشان حالوں اور دُکھ کے ماروں کی تو چال بھی بدل جاتی ہے۔ بس میرا یہی دُکھ بہت بڑا دکھ ہے کہ روز حشر میری بخشش کی سبیل نکل آئے۔

تشریح:

بندے کا پاک پروردگار سے عشق وہ سعادت ہے جس کے سرور میں بندہ اپنے رب کو اپنے سامنے پا کر اپنے سارے "دکھڑے" بیان کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیتا۔ اگر عشق نہ ہو تو بندہ اپنے اللہ کے خوف سے زبان تک کھولنے سے قاصر رہے۔ اور کبھی اُن کیفیات کا اظہار نہ کر پائے جو اُس کی روح تک کو زخمی کئے ہوئے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ و ظاہر سے واقف ہے اور وہ دلوں کے حال جانتا

ہے ——— مگر بندہ کی سوچ اُس کی بساط کے مطابق ہے اس لئے اُس کا کردار بھی اُس کی سوچ کے تابع ہوتے ہوئے اُس کے جذبات کی ترسیل کا فریضہ ادا کرتا ہے۔

شاہ حسینؒ نے اس کافی میں اپنے انتہائی اقدام کے حوالے سے بات کی ہے یعنی وہ اپنے محبوب کی خاطر داری میں وہ کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں جو شاید اختیار میں بھی نہیں مگر وہ اسے بھی محبوب کے شایانِ شان تصور نہ کرتے ہوئے پریشان ہیں اور جب اپنی بساط پر نظر دوڑاتے ہیں تو اُن کا عجز اُنہیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ سے تجاوز کریں لہٰذا وہ محبوب کی تواضع کے لئے اپنی خدمت کو ترجیح دیتے ہیں ——— مگر محبوب کا اپنا انداز ہے وہ بے نیاز و بے پرواہ ہے اس لئے انہیں ہجر و فراق کی کربنا کی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور یہ کربنا کی جس انداز میں انسان کو اپنی گرفت میں لیتی ہے اس کا اندازہ عشق کی شدت اور لگاؤ سے اُسی شخص کو ہو سکتا ہے جو اس کیفیت سے گزر رہا ہو ——— اور آخر کار بے بسی اور یہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ جو محبوب کے مزاج میں آئے وہ کرے۔ سر تسلیم خم ہے۔ محبوب چاہے تو پار لگا دے چاہے تو ڈبو دے اور چاہے تو اپنے دیدار سے منور کر دے اور چاہے تو ہجر کی تاریک راتوں کے حوالے کر دے اور بے یار و مددگار چھوڑ دے ——— کہتے ہیں کہ جب تکلیفیں آتی ہیں تو ایک ہی بار اکٹھی ہو کر آتی ہیں اور بندۂ ناچیز کو ہر طرف سے اس قدر اذیت ناک کرب کی چوٹیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں کہ اُسے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں سوائے اُس کے جو اُسے سب سے زیادہ پیارا ہو اور جس کے قرب کا سب سے زیادہ احساس ہو۔ اور وہ محبوب حقیقی ہی ہو سکتا ہے جو بندے کے قریب ترین ہے۔ لہٰذا ایسے میں اللہ تبارک تعالیٰ کی یاد کا آنا اُس کی رحمتوں کا فیضان ہے۔ کہ اُسی کے نام اور ذکر سے تکلیفیں رفع ہوتی ہیں۔ اور روگ کٹتے ہیں۔

آیئے ہم سب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنے اپنے روگ کا مداوا کریں اور اُس کے سامنے جھک جائیں اُس کی رحمتوں کے حق دار بن جائیں اُس کے فضل و کرم سے اپنی خطائیں معاف کروانے کی فکر کریں اور اُس کی خوشنودی حاصل کر کے اُس کی بخشش سے فیض یاب ہونے کا چارا کریں۔

اے اللہ ہمیں توفیق عطا کر کہ ہم تیرے نیک بندوں میں شمار ہوں۔ آمین۔

کتابیات

1- انتخاب نعت۔ مرتب عبدالغفور قمر
2- کلام بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ
3- کلیات بلھے شاہؒ
4- ابیاتِ باہوؒ
5- کلام میاں محمد بخشؒ
6- کلام سچل سرمستؒ
7- دیوان میر درد
8- دیوان حسرت موہانی

تمت

مائے نی میں کیہنوں آکھاں، درد وچھوڑے دا حال
دُھواں دُھکھے میرے مرشد والا، جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دِیوانی کیتی، بِرہوں پیا خیال
دُکھاں دی روٹی، سُولاں دا سالن، آہیں دا بالن بال
جنگل بیلے پھِراں ڈھونڈیندی، اجے نہ پایو لعل
کہے حُسین فقیر نمانا، مِلے تاں تھیواں نہال